حضرت محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی دینی و علمی خدمات اور اصلاح ملک و ملت میں کردار
(ایک تحقیقی و علمی جائزہ)

نگرانِ مقالہ: ڈاکٹر محمد اسماعیل عارفی

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اصول الدین

کلیہ معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی

مقالہ نگار: عمران حسین

طالب علم، پی۔ ایچ۔ ڈی

شعبہ اصول الدین

کلیہ معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

انتساب

اپنے نہایت ہی شفیق والدین اور اساتذہ کرام کے نام، جن کی محنتوں، شفقتوں،
دعاؤں اور علمی و عملی رہنمائی نے اس ناچیز کو آج اس مقام تک پہنچایا۔

رب ارحمهما کما ربيني صغيرا

عمران حسین

اظہار تشکر

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے اپنی خاص توفیق سے بندہ ناچیز کو اس مقالہ کی تکمیل کی سعادت بخشی، اس مقالہ کی تحریر و تکمیل کے لئے انتہائی اہم ہدایت وراہنمائی فرمانے والے نہایت ہی مشفق ، مربی استاد محترم ڈاکٹر محمد اسماعیل عارفی صاحب دامت بر کاتہم کادل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر قدم پر میری رہنمائی فرمائی۔ نیز اپنے اساتذہ کرام اور تمام دوستوں اور ساتھیوں کا بھی بے حد شکر گذار ہوں جنہوں نے اس مقالہ کی تحقیق میں بندہ کو قدم قدم پر علمی و عملی ساتھ دیا اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مقالہ کو شرفِ قبولیت عطا فرماتے ہوئے عوام الناس کے لئے نافع بنائے اور میرے لئے ،والدین کے لئے اور میرے تمام اساتذہ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

عمران حسین

BOARD OF ADVANCED STUDIES & RESEARCH

University of Karachi

C E R T I F I C A T E

I have gone through the thesis titled:

حضرت محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی دینی و علمی خدمات اور اصلاح ملک و ملت میں کردار
(ایک تحقیقی و علمی جائزہ)

Submitted by Dr. /Mr. **IMRAN HUSSAIN** for the award Of Ph.D. degree and certify that to the

best of my knowledge it contains no Plagiarized material.

Signature & Seal of Supervisor

Name: Dr. Muhammad Ismail Aarifi

Department: Usool-ud-Din

Email: drismailaarifi@uok.edu.pk

Mobile No: 0333-2055070

Dated: 9th July

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

فصل اوّل: مقدمہ

اس دنیا میں ایک خاص عنصر اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے کہ اس میں بسنے والی تمام مخلوقات کہیں اثر پذیر ہیں تو کہیں اثر انداز ہیں خاص کہ وہ مخلوق جو دنیا میں سکونت پانے والی تمام انام میں برتر و اعلیٰ ہے اور تمام خلق میں اشرف ہونے کا تمغا جس کو حاصل ہے یعنی انسان بہت زیادہ متاثر ہونے والا ہے اور انہیں انسانوں میں وہ ہستیاں جو دنیا وآخرت کے کمال میں جامع ہوئیں اور جامع کمالات وصفات انبیاء کرام کی ہستیاں ہیں جن کی پیروی کا حکم دیا گیا چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ ہ(1)

ترجمہ: اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر تا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

ہر قوم کے لئے نبی بھیجے گئے تا کہ ہر قوم و امت اپنے نبی کی تعلیمات کی پیروی کر کے دنیا وآخرت میں سرخرو ہو جائے۔ نبوت کا سلسلہ چلتا رہا تا نکہ حضرت محمد ﷺ کو تمام انسانیت کے لئے نبی و رسول بنا کر مبعوث کر دیا گیا اور آپ ﷺ پر نبوت کا اختتام ہوا اور آپ ﷺ کو خاتم النبیین کے تاج سے نوازا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔(2)

یعنی محمد ﷺ تم مردوں میں کسی کے باپ نہیں لیکن (وہ) اللہ کے پیغمبر اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

یعنی میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ محمد ﷺ آخری نبی ہیں آپ ﷺ کے بعد اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو ایسی گراں قدر تعلیمات ودیعت دی ہیں جن کا تحفظ ہر دور میں امت نے کیا اور ان پر عمل کر کے عروج کی چوٹیوں پر پہنچے اور آئندہ بھی انہیں تعلیمات کو مشعل راہ بنا کر کامیابی و کامرانی کے منازل طے کرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت محمدیہ کو بڑے رجال کار عطاء کئے ہیں۔ جو ہر دور میں دین کی حفاظت اور پاسبانی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں اپنی ساری زندگی دین خیر الانام کے لئے وقف کرتے ہیں اور اپنے سوزِ دل، آہ پنہاں اور خون جگر سے گلشن دین کی آبیاری کرتے ہیں اور اسے ہمیشہ تروتازہ، سرسبز و شاداب رکھتے ہیں ایسے مردان حق کبھی حسن بصری کبھی عمر بن عبد العزیز کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں تو کسی دور میں احمد بن حنبل اور کسی زمانے میں احمد سرہندی معروف مجدّد الف ثانی بن کر باطل کے سامنے حق کی سیسہ پلائی دیوار بن جاتے ہیں پھر ایک عالَم ان کی محنتوں مشقتوں ریاضتوں سے پیدا ہونے والے روحانیت کے اثر سے فیض یاب ہوتے ہیں یہ مردانِ الٰہی دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی خلق خدا کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں ان کی طرز زندگی دینی خدمات، باطل کے دندانِ شکن کرنے کے طریقہ اور حق کی دعوت میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا دیکھ کر، سن اور پڑھ کر بعد کے لوگ رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور مستفید ہوتے ہیں اور بعد کے لوگوں میں دین پر عمل کرنے اس کی نشرواشاعت کرنے اور اس کے لئے ہر مشقت برداشت کرنے کی طاقت، ہمت اور حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ انہی زمرۂ مردان حق آگاہ میں شامل شخصیت ہمارے قریبی زمانے کے نامور عالم حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ بھی ہیں

آپ نے اپنی پوری زندگی دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی پوری عمر دینی علوم کے درس و تدریس میں گزار دی۔ اور دوسروں کو بھی دینی و علمی خدمات پر استقامت کی ترغیب دیتے رہے آپ درویش صفت انسان تھے غرض آپ کی شخصیت اور آپ کی حیاتِ مبارکہ میں تمام ایسے کمالات شامل تھے جو اللہ کسی نیک اور برگزیدہ امتی میں ودیعت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو جن اوصاف و کمالات سے نوازا تھا اس دور پر فتن میں کسی ایک شخصیت کی زندگی میں ان کا جمع ہونا تقریباً "الشاذ کالمعدوم" کے درجے میں ہے ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ مقالے کے مختلف عنوانات کے تحت حضرت کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو کسی قدر جمع کیا جائے اللہ اس کو راقم اور تمام مسلمانوں کے لئے نافع بنائے۔ آمین۔

فصلِ دوم: ولادت، ابتدائی حالات

مقام پیدائش:

مشرقی پنجاب کے ضلع لدھیانہ اور ضلع جالندھر کے درمیان دریائے ستلج حدِ فاصل کا کام دیتا تھا۔ ضلع لدھیانہ کے شمال مشرقی کونے میں دریائے ستلج کے درمیان ایک چھوٹی سی جزیرہ نما بستی، عیسیٰ پور کے نام سے آباد تھی جو ہر برسات میں گرنے اور بننے کی خوگر تھی۔ یہ ہی بستی حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا آبائی وطن تھا۔ اس بستی میں حضرت موصوف کی ولادت ہوئی۔

ضلع لدھیانہ کا تعارف:

حضرت مولانا محمد یوسف شہیدؒ کا تعلق چونکہ ضلع لدھیانہ سے تھا ضروری یہ ہے کہ چند سطور میں اس خطے اور سر زمین کی اہمیت معلوم کی جائے کہ اللہ نے اس ضلع کی مٹی کو بہت زر خیز بنایا ہے اس خطے میں بڑے بڑے جبال العلم، مشائخ فقہاء اور مجددانہ صلاحیت رکھنے والے پاکیزہ نفوس پیدا کئے ہیں۔ لدھیانہ کے علماء وہ ہیں جنہوں نے باطل کے خلاف حق کی حمایت میں اوروں سے بڑھ چڑھ کر صدا بلند کی ہے۔ چناچہ جب انگریز نے برصغیر کے مسلمانوں کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالنا چاہا تو اس کام کے لئے مرزا غلام احمد کو اُٹھایا، مرزا شروع میں اسلام کا مناظر وداعی کی حیثیت اختیار کر کے ہندوؤں آریوں اور عیسائیوں سے چند نامکمل وناقص مناظرہ کئے پھر اپنے مجدد ہونے کا دعوی کیا ایک بار مرزا غلام احمد لدھیانہ گیا وہاں کے علماء نے جب اس کے نظریات اعمال کا مشاہدہ کیا تو اس کو اسلام کے لئے انتہائی خطرناک جانتے ہوئے سب سے پہلے لدھیانہ کی سرزمین سے مرزا غلام احمد کے کافر ہونے کا فتوی جاری ہوا اور ۱۹۰۲ء میں مولانا عبد العزیز لدھیانوی نے اس فتوی کا اعلان کر کے عام کیا۔ اسی طرح تحریک آزادی میں بھی علماء لدھیانہ نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اور امت کی مسیحائی مردہ دلوں کی زندگی بھٹکے ہوئے کو راہ نمائی، اور فسق فجور میں مبتلہ افراد کو توبہ انابت رجوع الی اللہ کی طرف لانے میں ضلع لدھیانہ کے علماء کی محنتیں اور خاص کوششیں رہی ہیں اس سلسلے میں خانقاہ سراجیہ کے بانی حضرت مولانا احمد خانؒ

کے جانشیں حضرت مولانا عبد اللہؒ (حضرت ثانی) اور حضرت مولانا محمد ابراہیمؒ قابل ذکر ہیں جن کا مسکن ضلع لدھیانہ ہی تھا ایک مرتبہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ ضلع لدھیانہ کی بستی سلیم پور تشریف لائے تو فرمایا:

''سلیم پور والوں! تم دو بزرگوں کے سائے میں محفوظ ہو (مراد یہ ہی دو حضرت تھے مولانا عبد اللہؒ اور مولانا ابراہیم رحمۃ اللہ تھے)

اسی ضلع لدھیانہ سے تعلق رکھنے والے معروف عالم دین مفتی رشید احمد لدھیانوی بھی تھے۔ جو تقسیم ہند کے بعد خیر پور تھیڑی سندھ آئے پھر کراچی تشریف لائے اور کراچی ہی میں مستقل قیام فرمالیا آپ نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی اس کے علاوہ اس خطے کی ایک اور معروف بزرگ ہستی محدث العصر حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی ہیں جن کی خدمات دینیہ علمی و دینی حلقوں میں معروف ہے ان حضرات کے ساتھ وہ شخصیت جن کا تذکرہ شہادت کے کئی برس گزرنے کے بعد آج بھی زبان زد عام ہے جن کی دینی، معاشرتی اور ملتی خدمات اب تک ان کا احساس دلاتی ہے۔ دنیا ان سادہ لوح، متبع سنت درویش صفت انسان کو حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید کے نام سے جانتی ہے وہ بھی اسی ضلع لدھیانہ سے وابستہ ہیں ان معروضات سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت موصوف کا موضع پیدائش اور آبائی وطن ضلع لدھیانہ کتنی اہمیت کا حامل اور مسکن و مولدِ اولیاء ہے۔

تاریخ ولادت:

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید کی تاریخ ولادت محفوظ نہیں اندازہ یہ ہے کہ ولادت ۱۳۵۱ ھجری بمطابق ۱۹۳۹ عیسوی ہو گا۔

والدین:

حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی شہید کی والدہ ماجدہ کا انتقال حضرت موصوف کی شیر خوارگی کے زمانے میں ہو گیا تھا۔ ماں کی شفقت و محبت سے زیادہ محظوظ نہ ہو سکے لیکن قدرت کی اس کارفرمائی میں بھی نجانے کتنی حکمتیں

پنہاں ہوگی کہ دنیا کو ماں جیسی محبت و شفقت بانٹنے والا، خود اس نعمت سے اس وقت دور ہو گیا جس وقت کہ وہ اس شفقتِ مادری کا محتاج تھا حضرت موصوف کے والد ماجد الحاج چوہدری اللہ بخش مرحوم و مغفور بہت متدین متقی دین کی فکر رکھنے والے ذاکر و شاکر، بڑے زیرک عاقل بزرگ تھے۔

جناب اللہ بخش صاحب مرحوم حضرت اقدس شاہ عبد لقادر رائے پوری قدس سرہ سے بیعت ارادت رکھتے تھے اور حضرت رائپوری ان کی بہت قدر فرمایا کرتے اس دیانت دارری اور پرہیز گاری کی بناء پر قریب کے تمام دیہات اپنے پنچائتی فیصلے آپ سے کرواتے اور پنچائتی فیصلہ نمٹانے میں ان کا شہرہ تھا۔ اپنے والد محترم چوہدری اللہ بخش کے حالات خود حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ بیان کرتے ہے:

والد صاحب کو اللہ نے بہت سی سعادتوں سے نوازا تھا عقل و دانش، فہم و فراست، اصلاح و تقوی، اخلاص و ایثار، اخلاق و مروت، مہمان نوازی غرباء پروری، کرم گستری خلق خدا کی نفع رسانی کی بناء پر بچپن سے جوانی ااور پیری تک وہ اپنے حلقے میں محبوب و معظم رہے۔ والد صاحب نے اپنی حیاتِ مستعار کا آغاز نہایت بے کسی، کسمپرسی اور ناتوانی کی حالت میں کیا تھا بساط حیات پر ابھی قدم بھی نہیں رکھا تھا کہ سایہ پدری سر سے اٹھ گیا، اور عین شیر خوار گی کی حالت میں آغوشِ مادر بھی چھن گئی عالم اسباب میں اس یتیم کا سوائے دس سالہ ہمشیرہ کے کوئی کفیل نہ تھا نہ کوئی تایا نہ کوئی چچا، نہ کوئی بھائی، نہ کوئی ماموں نہ کوئی خویش و قریب لیکن مالک کی قدرت کے قربان جایئے کہ یہی نادار اور بے کس یتیم بچہ بیس سن کو نہیں پہنچا تھا کہ ضلع بھر کی پنچائتی عدالتوں میں اسے سر پنچ تسلیم کر لیا گیا اور پیچیدہ سے پیچیدہ تنازعات میں اس کے فیصلے قبول کئے جانے لگے۔

والد صاحب کو بچپن سے ہی بدعات سے نفرت تھی اور سنت نبوی ﷺ سے عشق تھا دس بارہ برس کی عمر سے تہجد اور شب خیزی کی عادت تھی اور یہ عجیب بات ہے کہ ان کی آخری نماز بھی تہجد ہوئی۔ سحری کے وقت ذکر بالجہر کرتے ہوئے قلب پر الا اللہ کی ضرب کچھ ایسے انداز سے لگاتے تھے کہ سننے والوں کے دل دہل جاتے تھے۔ ساری بستی میں کوئی حافظ نہیں تھا رمضان المبارک میں تراویح کے لئے حافظ کی تلاش میں ہمیشہ پریشانی ہوتی، بڑی حسرت کے ساتھ اس ناکارہ کو

فرماتے تو خود ہی قرآن کیوں نہیں حفظ کر لیتا، حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والد صاحب کو مرحوم کی تمنا پوری فرمادی ان کی ترغیب و تحریص اور دعاء وبرکت سے اس دوسیاہ کو بھی کچا پکا یاد ہو گیا اور پھر رمضان المبارک میں اس ناکارہ نے ہمیشہ خود ہی سنانے کا التزام کیا۔ جس سے حضرت والد صاحب مرحوم کو بہت قلبی راحت محسوس ہوئی۔ والد صاحب مرحوم دیکھنے میں ایک دنیا دار چودھری تھے مگر انہوں نے دنیا کے لئے نہ جائیداد بنائی نہ دکان نہ مکان جو کچھ بنایا دین کے لئے بنایا۔(3)

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ حضرت کے والد مرحوم انتہائی دین دار خدا ترس، متقی اور صالح انسان تھے اور ان سے تربیت پانے والا بچہ باپ سے بھی بڑھ گیا۔

فصلِ سوم: تربیت و تعلیم

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے والد نے اپنے لختِ جگر کی تعلیم کی فکر کرتے ہوئے انہیں قریب کی بستی موضع جسوال میں حضرت قاری ولی محمد صاحب کے یہاں قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیج دیا۔ حضرت قاری ولی محمد صاحب سلیم الطبع بہت مشفق اور ایک خضر صفت بزرگ صاحب نسبت اللہ والے تھے قاری صاحب حضرت اقدس مولانا عبد القادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور الحاج چوہدری اللہ بخش مرحوم کے پیر بھائی تھے حضرت مولانا یوسف شہیدؒ نے قرآن کی مکمل تعلیم انہی سے حاصل کی اسی طرح مولانا کی ابتدائی تعلیم وتربیت کی بنیاد اللہ والوں کے ذریعہ ہوئی اسی کا اثر تھا کہ مولانا موصوف کی شخصیت میں درویشیت، صفات حمیدہ مردہ دلوں کی مسیحائی خمیر کر گئی تھیں قرآن کریم ناظرہ کر لینے کے بعد کچھ پرائمری کی تعلیم اسی قصبہ میں حاصل کی۔

درسی کتب:

حضرت کی عمر تقریباً ۱۳ برس ہو گی کہ حضرت کے والد نے حضرت موصوف کی علوم دینیہ سے مزین ہونے کیلئے ضلع لدھیانہ کے ایک مدرسہ محمودیہ اللہ والا میں داخل کروا دیا۔ جہاں آپ نے فارسی کی چند کتب اور دیگر ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ یہاں ایک سال مکمل کیا اور دوسرے سال مدرسہ انوریہ میں داخلہ لے لیا۔

مدرسہ انوریہ:

لدھیانہ کے مدارس میں ایک مشہور معروف دینی درس گاہ مدرسہ انوریہ تھا مدرسہ انوریہ دینی تعلیم وتربیت کے لئے بہت موزوں اور مشہور تھا اس کے بانی و مہتمم مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا شمار وقت کے بڑے علماء میں ہوتا تھا۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی علمی شغف رکھنے والے ایک جیّد عالم تھے حضرت ابتداء میں تصوف کے بارے میں حسن اعتقاد کے قائل نہ تھے اور مروجہ بیعت وذکر اور صوفیانہ اصطلاحات سے مطمئین نہیں تھے۔ ایک مرتبہ ۱۰ بجے صبح کو میں اوپر اپنے کمرہ میں نہایت مشغول تھا، مولوی نصیر نے اوپر جا کر کہا کہ رئیس الاحرار آئے ہیں رائپور جا رہے ہیں

صرف مصافحہ کرنا ہے۔ میں نے کہا جلدی بلاؤ مرحوم اوپر چڑھے اور زینے پر چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا کر کہا رائپور جارہا ہوں اور ایک سوال آپ سے کر کے جارہا ہوں اور پرسوں صبح واپسی ہے اس کا جواب آپ سوچ رکھیں واپسی میں جواب لوں گا۔ یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟ میں نے مصافحہ کرتے کرتے یہ جواب دیا کہ ’’ صرف تصحیح نیت اس کے سوا کچھ نہیں، جس کی ابتداء **انما الاعمال بالنیات** سے ہوتی ہے اور انتہا **ان نعبد اللہ کانک تراہ** ہے‘‘ میرے اس جواب پر سکتہ میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے دہلی سے یہ سوچتا آرہا ہوں کہ تو یہ جواب دے گا تو یہ اعتراض کروں گا اور یہ جواب دے گا تو یہ اعتراض، اس کو تو میں نے سوچا ہی نہیں، میں نے کہا جاؤ تانگے والے کو بھی تقاضا ہو گا میرا بھی حرج ہو رہا ہے پرسوں تک اس پر اعتراض سوچتے رہیو۔ اس کا خیال رہے کہ دن میں مجھے لمبی بات کا وقت نہیں ملنے کا دو چار منٹ کو تو دن میں بھی کر لوں گا لمبی بات چاہو گے تو مغرب کے بعد ہو سکے گی۔ مرحوم دوسرے دن ہی شام کو مغرب کے وقت آگئے اور کہا کہ کل رات کو تو ٹھہرنا مشکل تھا اس لئے کہ مجھے فلاں جلسہ میں جانا ہے اور رات کو تمہارے پاس ٹھہرنا ضروری ہو گیا اس لئے ایک دن پہلے ہی چلا آیا۔ اور یہ بھی کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے تم سے کبھی نہ عقیدت ہوئی، نہ محبت۔ میں نے کہا ’’**علی ھذا القیاس**‘‘ مرحوم نے کہا مگر تمہارے کل کے جواب نے مجھ پر تو بہت اثر کیا۔ اور میں کل سے اب تک سوچتا رہا، تمہارے جواب پر کوئی اعتراض سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا انشاء اللہ مولانا اعتراض ملنے کا بھی نہیں۔

انما الاعمال بالنیات سارے تصوف کی ابتداء اور **ان تعبد اللہ کانک تراہ** سارے تصوف کا منتہا ہے اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں:

حضوری گر ہمی خواہی از و غافل مشو حافظ

متی ما تلق من تھوی دع الدنیا و امھلھا

میں نے کہا مولوی صاحب سارے پاپڑ اسی کے لئے بیلے جاتے ہیں۔ ذکر بالجبر بھی اسی واسطے ہے، مجاہدہ، مراقبہ بھی اسی واسطے ہے اور جس کو اللہ جل شانہ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کر دے اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو نبی کریم ﷺ کی نظر میں سب کچھ ہو جاتے تھے اور انکو کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی اس کے بعد اکابر اور حکماء امت نے قلبی امراض کی کثرت کی بناء پر مختلف علاج جیسا کہ اطباء بدنی امراض کے لئے تجویز کرتے ہیں روحانی اطباء روحانی امراض کے لئے ہر زمانے کے مناسب اپنے تجربات جو اسلاف کے تجربات سے مستنبط تھے نسخے تجویز فرمائے ہیں جو بعضوں کو بہت جلد نفع پہنچاتے ہیں، بعضوں کو بہت دیر لگتی ہے۔(4)

قیام پاکستان اور منتقلی:

۲۷ رمضان المبارک ۱۳٦٦ھ کو برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی اور مسلمانوں پر ہندوستان کی زمین تنگ کر دی گئی جگہ جگہ مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جانے لگے تو مسلمان تمام اپنا ساز و ساماں چھوڑ کر ہجرت کرنے لگے اور قافلہ در قافلہ پاکستان آنے لگے اسی اثناء میں مولانا یوسف شہیدؒ بھی اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے پاکستان منتقل ہوئے۔ پاکستان کس جگہ قیام کیا جائے اس سلسلے میں مستقل موضع و مسکن بدلتے رہے اور مہینوں کی خانہ بدوشی کے بعد ضلع ملتان میں سکونت اختیار کی چنانچہ اس بارے میں حضرت موصوف کے صاحبزادہ مولانا محمد سعید لدھیانوی رقمطراز ہیں:

"۲۷ رمضان ۱۳٦٦ ھ کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہوا اور مشرقی پنجاب سے مسلم آبادی کے انخلاء کا ہنگامہ رستاخیز پیش آیا مہینوں کی خانہ بدوشی کے بعد چک ۳۳۵ ڈبلیو بی ضلع ملتان میں قیام ہوا۔(5)

دوبارہ سلسلہء تعلیم:

حضرت اقدس مولانا یوسف شہیدؒ نے پاکستان آنے سے قبل ضلع لدھیانہ میں ہی تعلیم کا آغاز کر دیا تھا اور علمی حلاوت محسوس کر لی تھی چناچہ پاکستان منتقل ہونے کے بعد علمی تشنگی مٹانے کے لئے بے چین رہے اور ملتان کے قریب منڈی جہانیاں میں ایک مدرسہ رحمانیہ تھا جو چوہدری اللہ داد خان مرحوم کی تعمیر کردہ جامع مسجد میں قائم تھا حضرت موصوف نے اس میں داخلہ لے کر علمی تسکین پاتے ہوئے تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔

"درجات متوسطات"

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ علمی پیاس بجھانے کے لئے سفر در سفر کرتے رہے اور مزید علوم کی تحصیل میں ایک سال کے لئے فقیر والی ضلع بہاول نگر میں قائم مدرسہ قاسم العلوم چلے گئے جہاں آپ نے درجات متوسطات کی تکمیل کی۔ چناچہ آپ کے حاجبزادہ مولانا محمد سعید لدھیانوی لکھتے ہیں۔

"ایک سال قاسم العلوم فقیہ والی ضلع بہاول نگر میں حضرت مولانا عبد اللہ رائے پوریؒ، ان کے برادر خورد عبد اللطیف صاحب مد ظلہ العالی سے متوسطات کی تعلیم ہوئی۔" (6)

اس طرح حضرت موصوف اپنے اساتذہ بزرگوں کی صحبت میں علم نبوت کی نعمت کے ساتھ نور نبوت کی دولت سے اپنے سینے کو مخزنِ علم و معرفت بناتے رہے۔ ابتدائی عمر سے حضرت موصوف کا ان اساتذہ و مشائخ و علماء کی صحبتوں میں رہنے کا اثر ان کی کل حیات میں نمایا رہا کہ بچپن میں جو بات و نظریات ذہن پر نقش ہو جاتے ہیں وہ آخری عمر تک باقی رہتے ہیں مگر حضرت کا تو تعلق بچپن سے بڑھاپے کی عمر تک بڑے بڑے اولیاء و اہل دل سے رہا ہے جس کا تذکرہ اپنے مقام پر ہم کریں گے۔

تکمیل درسِ نظامی:

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے متوسطات کی تکمیل کے بعد درجات العالیہ کی تکمیل کے لئے ملک کے معروف مدرسہ جامعہ خیر المدارس ملتان میں داخلہ لیا۔ اور چار سال تعلیم کا سلسلہ جامعہ خیر المدارس میں ہوتا رہا۔ ۳۷۔ ۱۳۷۲ھ بمطابق ۱۹۵۳عیسوی میں مشکوۃ یعنی درجہ موقوف علیہ کی تکمیل ہوئی۔ پھر ۷۴۔ ۱۳۷۳ھ میں دورہ حدیث اس کے بعد ۷۴۔ ۱۳۷۵ھ میں تکمیل کی۔ اس دوران حضرت موصوف پر تمام اساتذہ کی عنایت خاص رہیں اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب جو شیخ المشائخ مجدد زماں حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ تھے۔ ان کی نظر کرم سے آپ میں وہ اوصاف حمیدہ و حمیت، دینیہ ودیعت ہو چکے تھے جن سے مزین و معطر ہو کر حضرت موصوف نے جہانِ عالم کی خلقِ کثیر میں اس خوشبو کو عام کیا ہے۔

طالبِ علمی صفات:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ طالب علمی زمانے سے انتہائی متواضع موؤدب اور اساتذہ سے محبت و عقیدت میں بے مثال تھے۔ حضرت اپنے ہم جماعت شرکاء میں اپنی نورانی ستودہ صفات کی بناء پر فائق و ممتاز تھے چناچہ اس سلسلے میں حضرت موصوف کے ہم عصر مفتی صدیق صاحب لکھتے ہیں۔

"شہید مرحوم "جامعہ الخیر" کے قدیم طالب علم تھے جب کہ میں نووارد تھا۔ اس لئے ان پر جامعہ کی خیر کا رنگ غالب تھا اور دورہ حدیث شریف کی پوری جماعت میں بہ ہمہ وجوہ وہی نمایاں تھے، اساتذہ کرام سے والہانہ محبت جامعہ کے قوانین کی پابندی ان کی طبعیت ثانیہ تھی۔(7)

حضرت موصوف میں علمی، عملی اور تحقیقی ذوق اتنا تھا کہ دیکھنے والا بہت متاثر ہوتا آپ کا یہ عملی کردار دوسروں میں بھی درس و تدریس کی امنگ و امید پیدا کرتا اور دوسروں کی علمی ترقی کا ذریعہ بنتا چناچہ یہی حضرت مفتی صدیق صاحب لکھتے

ہیں: ”شہید مرحوم کے علمی، عملی، تحقیقی ذوق نے مجھے بہت متاثر کیا اور یہ واقعہ ہے کہ جماعتی شرکاء میں سے حضرت مرحوم ہی نے میرے اندر درس و تدریس کا شوق پیدا کیا امید قوی ہے کہ یہ بھی ان کی حسنات میں لکھا جائیگا۔

”مانع علم“ یہ مقولہ مشہور ہے کہ علم میں حیاء مانع ہوتی ہے اس لئے علم کے حصول میں شرمانا علم سے محرومی کا سبب بنتا ہے۔ بہترین طالب علم وہی ہوتا ہے کہ جو اپنی حیاء کو مٹا کر علم کے موتیوں کو چننے میں مشغول رہے۔

چنانچہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے علم حاصل کرنے میں کبھی شرم نہیں کی اور معمولی سے معمولی بات میں بھی کبھی الجھن پیدا ہوئی تو بغیر حیاء کئے پوچھ لیا کرتے اس طرح کا ایک واقعہ حضرت موصوف کے ہم جماعت دورہ حدیث میں شریک مفتی صدیق صاحب بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

”ایک دن دوران سبق ”علیحدۃ“ کا لفظ آیا، سبق کے اختتام پر شہید مرحوم نے حضرت مولانا خیر محمدؒ سے پوچھا کہ یہ کیا لفظ ہے؟

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہی شفقت اور متانت سے جواب دیا کہ یہ لفظ جار مجرور ہے ”علیٰ“ جار اور حدۃِ مجرور ہے اور عدۃ کے وزن پر مثال واوی کا مصدر ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ”علیحدۃ“ کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ پھر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے شہید مرحوم کو اس سوال کرنے پر خوب داد دی اور ہم نے دیکھا کہ حضرت کے چہرہ انور پر مخصوص قسم کی مسرت کی چمک تھی اور فرمایا کہ ماشاء اللہ منتہی ہو کر مبتدیوں والے سوال کرنے سے آپ کو قطعاً عار محسوس نہیں ہوئی اور یہی طالب علم کا اچھا وصف ہے۔(8)

حضرت موصوف میں ایک خاص بات یہ تھی کہ حضرت اپنے طالب علمی زمانے سے ہی علوم دینیہ کی تحصیل کو تمام چیزوں پر ترجیح دیتے تھے انہی علوم کو دنیا کے لئے بھی کافی سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے بعض ساتھیوں نے پروگرام بنایا کہ ”مولوی فاضل“ کا امتحان دیں اور حضرت موصوف کو بھی دعوت دے کر شریک مہم بنانا چاہا لیکن حضرت نے صاف انکار فرمادیا۔

فصل چہارم: مولانا کے اساتذہ ومشائخ کا مختصر تعارف

حضرت کو اکابرین، بزرگان دین کا زمانہ ملا ہے حضرت نے اپنے دور کے بڑے بڑے علماء کرام اولیاء اور بزرگان دین سے علم حاصل کیا اور عظیم وکبار مشائخ سے حضرت کو نسبتیں بھی حاصل ہوئیں۔ جن میں سے بعض حضرات کا ضمناً تذکرہ گذار ہے۔

ا۔ قاری ولی محمد صاحب رحمہ اللہ:

حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی شہید نے ناظرہ قرآن کریم قاری ولی محمد صاحب سے پڑھا۔ قاری صاحب ایک خضر صفت بزرگ ذاکر وشاغل تھے چوہدری اللہ بخش کے پیر بھائی تھے اور حضرت اقدس مولانا عبد القادر رائے پوری کے مرید تھے اور حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ پر بڑے شفق ومہرباں تھے ان کی تربیت سے حضرت کی طبعیت علم کی طرف ایسی مائل ہوئی کہ پیری میں بھی شہادت تک آپ علم سے وابستہ رہے۔

۲۔ مولانا امداد اللہ صاحب حصارویؒ

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے قرآن کریم اور پرائمری کی تعلیم کے بعد ضلع لدھیانہ کے مدرسہ محمودیہ اللہ والا میں فارسی مولانا امداد اللہ صاحب حصاروی سے پڑھی مولانا امداد اللہ ایک جید عالم اور متقی انسان تھے۔ حضرت مولانا امداد اللہ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے

مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی فارسی تعلیم سے متعلق آپ کے صاحبزادہ مولانا محمد سعید لدھیانوی فرماتے ہیں۔

”پرائمری کے بعد ۱۳ برس کی عمر ہو گی کہ لدھیانہ کے مدرسہ محمودیہ اللہ والا میں داخل ہوئے یہاں حضرت مولانا امداد اللہ صاحب حصاروی سے فارسی پڑھی(9)

۳۔ مولانا انیس الرحمنؒ

۴۔ مولانا لطف اللہ شہیدؒ

ان دونوں حضرات سے حضرت موصوف نے ابتدائی عربی کتب پڑھیں مولانا انیس الرحمن مدرسہ انوریہ قائم لدھیانہ کے استاذ اور ایک بزرگ صفت انسان تھے۔ مولانا لطف اللہ شہید کا شمار جید اور قابل ترین علماء میں ہوتا تھا۔ محترم موصوف ولی کامل مولانا خیر محمد صاحب کے صاحبزادہ تھے۔ اور حضرت بھی ضلع لدھیانہ کے مدرسہ انوریہ میں کئی عرصہ پڑھاتے رہے۔

جامعہ خیر المدارس کے اساتذہ:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے خیر المدارس میں داخلہ لیا اور چار سال مسلسل "گنجینہ خیر" اپنے دامن میں سمیٹتے رہیں اور بڑے بڑے علماء، جبال العلم اور بحر العلوم کے سامنے زانوئے تلمیذ کیا۔ حضرت موصوف کے خیر المدارس کے اساتذہ میں سے سرفہرست استاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ تھے، حضرت مولانا خیر محمد صاحب حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ ان کے علاوہ دیگر اساتذہ کرام سے بھی درس تلمیذ کیا جن میں حضرت مولانا عبدلشکور کامل پوریؒ حضرت مولانا غلام حسین صاحبؒ اور حضرت علامہ محمد شریف کشمیری شامل ہیں۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے اساتذہ خیر المدارس کے بارے میں حضرت موصوف کے صاحبزادہ مولانا محمد سعید صاحب لکھتے ہیں۔

خیر المدارس میں درج ذیل اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کئے حضرت اقدس استاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ بانی خیر المدارس و خلیفہ مجاز حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا عبد الشکور کامل پوری۔ حضرت مولانا عبد اللہ ڈیرویؒ حضرت مولانا محمد نور صاحبؒ، حضرت مولانا غلام حسین صاحبؒ، حضرت مولانا جمال الدین صاحب، حضرت مولانا علامہ شریف کشمیریؒ۔ تعلیم سے فراغت کے سال حضرت اقدس مولانا

خیر محمد جالندھری سے سلسلہ اشرفیہ امدادیہ صابریہ میں بیعت کی، اور علوم ظاہری کے ساتھ تعمیر باطن میں ان کے انوار و خیرات سے استفادہ کیا۔(10)

مشائخ:

حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نوراللہ مرقدہ نے ارادت و سلوک کی منزلیں اپنے اکابر علماء مشائخ کی زیر نگرانی اور رہنمائی میں نہ صرف طے کیں بلکہ ان میں کماحقہ، کمال پیدا کیا حضرت نے روحانیات میں کن مشائخ اور اللہ والوں سے فیض پایا اس سفر کی روئیداد خود حضرت کی زبانی سن لیجئے، حضرت تحریر فرماتے ہیں:

"حق تعالیٰ شانہ کے جو بے پایاں انعامات و احسانات اس ناکارہ کے شامل حال ہیں، ان میں سے ایک عظیم انعام یہ ہے کہ اپنے مقبول و محبوب بندوں کی محبت قلب میں ودیعت فرمائی اور ان سے ربط و تعلق نصیب فرمایا: فلہ الحمد ولہ الشکر ہمارے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئ عارفی نوراللہ مرقدۃ یہ شعر کثرت سے پڑھا کرتے تھے:

گرچہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آخر نیش رشتہء گلدستہ ام

چار بزرگوں کے ساتھ اس ناکارہ کو بچپن ہی سے عشق کی حد تک عقیدت و محبت تھی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقد، حضرت امام التبلیغ مولانا محمد یوسف دہلوی نوراللہ مرقد حضرت محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ، حضرت سلطان القلم مولانا مناظر احسن گیلانی نوراللہ مرقدہ۔ اپنے چار اکابر کے لئے یہ ناکارہ ہر نماز کے بعد التزاماً ایصال ثواب کرتا ہے اور ان کی بلندی درجات کے لئے دعاء کرتا ہے۔

۱۔ سیدی و مرشدی حضرت مولانا خیر محمد جالندھری بانی خیر المدارس ملتان۔

۲۔ سیدی و مرشدی قطب العالم حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی

۳۔ سیدی و مرشدی حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئ عارفیؒ

۴۔ سیدی و مرشدی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

اول الذکر میرے استاذ حدیث بھی ہیں اور شیخ اول بھی، ثانی الذکر میرے شیخ ثانی ہیں، حضرت ڈاکٹر صاحب میرے رہبر طریقت ہیں اور حضرت اقدس بنوری سے نہ اس ناکارہ کو باقاعدہ تلمذ حاصل تھا اور نہ وہ اس ناکارہ کے باقاعدہ شیخ طریقت تھے لیکن اس ناکارہ کی شخصیت کی تکوین میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے اور علمی و روحانی استفادہ سب سے زیادہ انہی سے کیا۔ اس لئے یہ ناکارہ ان کو اپنا سب سے بڑا محسن سمجھتا ہے بعد میں حضرت بنوری نے اس ناکارہ کو حدیث کی اجازت بھی عطا فرمائی تھی اس لئے ان کو بھی اپنا شیخ و مرشد سمجھتا ہوں (11)

حضرت کے شیخ اول:

حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی نے علم سے فراغت کے بعد ہی سلوک کے مدراج طے کرنے کے لئے حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب جالندھری سے بیعت کرلی تھی حضرت مولانا خیر محمد صاحب حضرت مرشد و مرجع الخلائق اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ کے اجل خلفاء میں سے تھے، حضرت لدھیانوی شہیدؒ خود اپنے شیخ کے حالات لکھتے ہیں:

"حضرت والاؒ (مولانا خیر محمد صاحب) حضرت حافظ محمد صالح (خلیفہ حضرت گنگوہی) سے بیعت تھے۔ ان کے انتقال کے بعد شوال ۱۳۴۲ھ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے رجوع کیا، ایک سال کے اصلاحی تعلق کے بعد اگلے سال لیلۃ الضحیٰ ۱۳۴۳ھ کو مغرب کے بعد دست بدست بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

"اس روز حضرت والا (حکیم الامت) کی طرف سے شفقت اور نظر عطوفت اور ظاہری و باطنی تربیت میں زیادتی اضعافاً مضاعفۃ نمایاں ہونے لگی اور خط و کتابت اور آمد و رفت میں بھی ترقی ہوئی بلکہ ذوق و شوق روز مرہ ترقی پذیر ہوتا چلا گیا۔"

مرشد تھانویؒ کی نظر کیمیا اثر اور حضرت والا کی خداداد بلند ہمتی جو ہر قابل اور علوے استعداد کا نتیجہ تھا کہ تین سال سات مہینے کے قلیل عرصہ میں مراحل سلوک طے ہوگئے اور ۱۷ رجب ۱۳۴۷ھ کو مرشد تھانوی نے آپ کو خلافت واجازت عطا فرمادی۔

آناں کہ بہ نظر خاک راکیمیا کنند

آیاں بود کہ گوشہ ء چشم کا کنند

اور تکمیل سلوک عبدئیت وفنائیت کا نام ہے چنانچہ حضرت والاؒ نے حصول خلافت کے بعد بھی اپنے کو باکمال نہیں سمجھا بلکہ اپنے مرشد حکیم الامت سے برابر استفادہ کرتے رہے، اور یہ سلسلہ حکیم الامت کے وصال تک جاری رہا۔(12)

درج اقتباس سے حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے شیخ اول مولانا خیر محمد صاحبؒ کس پائے کی روحانی شخصیت تھی کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے ان کی صحبت و بیعت کی برکت و دعاؤں کا ثمرہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی شہید جیسی نابغہ روزگار شخصیت کی صورت میں عطیہ گراں قدر عطا فرمایا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے جو اپنی معرفت و تجلیات کا خزینہ رکھا اس کا اثر خود حضرت شیخ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ پر ظاہر ہونے لگے پھر حضرت تھانویؒ نے مولانا خیر محمد صاحب کو خلافت و اجازت عطاء فرمائی۔ حضرت مولانا خیر محمد کے الفاظ میں حضرت موصوف لدھیانوی شہیدؒ نے ان کی خود نوشت سے نقل کیا:

"یہاں تک میرے ایک عریضہ کے جواب میں مورخہ ۱۷ رجب ۱۳۴۷ھ (۱۹۲۹ء) کو بوقت قیام احقر در خانقاہ امدادیہ اس خاکپائے اہل اللہ سراپا گناہ کو بیعت و تلقین کی اجازت عطاء فرمائی اور یہ الفاظ لکھ کر مجھے اطلاع دی۔"

بشارت ناشیہ از ذوق اب کے بار شروع ہی دن سے ذوقاً مجھ کو یہ محسوس ہوا کہ آپ پر خدا کا فضل و کرام شروع ہو گیا ہے جو خواص پر ہوتا ہے اور جن احوال کی مجھ کو احباب سے تمنا ہے ان کی جھلک محسوہونے لگی، خصوصاً کل کے دن سے اور اس بناء پر متوقع زیادہ رسوخ، شب سے قلب کا یہ تقاضا تھا کہ آپ کو تلقین و بیعت کی اجازت دے دوں۔اس رقعہ سے

میرے خیال کی صحت ثابت ہوئی کیونکہ اس رقعہ میں جو حالات آپ نے لکھے ہیں یہ سب آثار ہیں فنا کے، جو اس طریق کا ایک اعتبار سے اول قدم بھی ہے اور ایک اعتبار سے آخر قدم بھی پس اس خیال کی صحت کے بعد توکلاً علی اللہ اپنے اس تقاضے کو پورا کرتا ہوں اور بنام خدا آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دیتا ہوں۔ ان شاء اللہ اس میں برکت ہو گی۔ عذر اور تواضع نہ فرمائیں اور اپنے خاص محبین سے اس کا اظہار بھی فرمادیں اور چونکہ میں ان واقعات کو اپنی یادداشت میں تحریراً محفوظ بھی رکھتا ہوں اس لئے مجھ کو اپنا پتہ ڈاک کا لکھ کر دے دیں۔ میں اپنے پاس محفوظ رکھوں گا اور موقع پر شائع کر دوں گا۔ اشرف علی ۷ا رجب ۱۳۴۷ھ (انتہی)"(13)

حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کا اپنے شیخ سے جس عقیدت و محبت کا تعلق تھا وہ بیان سے باہر ہے حضرت اپنی زندگی میں پیش آنے والا کوئی ایسا کام نہ تھا جس کے بارے میں اپنے شیخ سے مشورہ نہ کرتے ہوں۔ اپنے ہر کام کو شیخ کی اجازت پر موقوف کر دیتے۔ حضرت نے جہاں کہیں تدریس کی تو اپنے شیخ کے حکم کے مطابق یہاں تک تنخواہ مقرر کروانے میں بھی شیخ کے ارشاد کی طرف رجوع فرماتے۔ چنانچہ جب حضرت شہیدؒ ماموں کانجن کے مدرسہ میں اپنے شیخ کے حکم سے تدریس کے لئے گئے تو تنخواہ کیا مقرر کی جائے اس کے لئے حضرت نے اپنے شیخ کو خط لکھا اور عرض کیا کہ "حضرت والا جو کچھ منظور فرمائیں گے بندہ کو بھی منظور ہو گا۔"(14)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اپنے آپ کو کلیّ طور پر شیخ کے تابع کر دیا تھا یہاں تک کہ حضرت موصوف کو جب محدث العصر حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ نے اپنے مدرسہ بنوری ٹاؤن کراچی آنے کی شدید خواہش اور فرمائش کی تو حضرت لدھیانویؒ نے صاف فرمادیا کہ: "میری تکمیل میرے پیر و مرشد حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری کے ہاتھ میں ہے مجھے یہ جرأت نہیں کہ ان کی خدمت میں عرض تمنا کروں، آپ حضرت سے اجازت لے لیں، یہ ناکارہ بصد شوق حاضر ہے فرمایا، ہم حضرت جالندھریؒ کی خدمت میں لکھیں گے اور کوئی وجہ نہیں کہ حضرت اجازت نہ دیں(15)۔

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے ۱۳۷۳ھ میں بیعت کی اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ صاحب ۱۳۹۰ھ میں اس دار فانی سے کوچ فرما گئے گویا آپ کا حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے بیعت واصلاح کا تعلق ۱۷ سال قائم رہا۔

شیخ ثانی:

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا۔ حضرت لدھیانوی شہید کے شیخ ثانی کی شخصیت کیسی تھی؟ کیا تھی؟ خود حضرت کے شگفتہ موتی بکھیرنے والے قلم کی زبانی سنیئے حضرت لکھتے ہیں:

حضرت الشیخ الامام الحافظ الحجہ مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی قدس سرہ ہمارے اس آخری دور میں شریعت وطریقت کے امام علماء ومشائخ کے مرجع مقتدا، سرحلقہ عشاق اور قطب الاقطاب تھے۔ عنایت ازلیہ نے انکے وجود باجود میں اوصاف وکمالات کی ایسی جامعیت کبریٰ ودیعت فرمائی تھی جس سے ہر صدی میں خاص خاص افراد ہی مشرف ہوتے ہیں اور اسی جامعیت کی بناء پر وہ اپنے معاصرین سے ممتاز اور منفرد نظر آتے ہیں، ان کی عظیم شخصیت اپنے اندر ظاہری و باطنی کمالات کے بہت سے متنوع پہلو رکھتی ہے اور وہ ہر کمال میں ایسے فرد یگانہ ہوتے ہیں کہ بسا اوقات یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کے کمالات میں کلیدی وصف اور سب سے غالب پہلو کون سا ہے؟(16) حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ علیہ کے اوصاف وکمالات بہت زیادہ تھے جن میں سے تین وصف نمایاں تھے۔

۱۔ حضرت شیخ الحدیث سے متعلق خود حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ پر اتباع سنت کا ایسا غلبہ تھا کہ اخلاق میں عادات میں، معاشرت میں، معیشت میں، جذبات میں، احساسات میں محبت میں، بغض میں، صلح وجنگ میں، انتقام میں عفو ودرگزر میں، غرضیکہ ایک ایک چیز میں آپ کے یہاں اتباع سنت کا اہتمام تھا، کوئی عمل و خلق ایسا نہ تھا جو سنت کے سانچے میں ڈھلا ہوا نہ ہو۔(17)

۲۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے حوالہ سے اپنے شیخ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"شیخ کے علم، تصنیفی انہماک، وقار وسکنیت اور ضبط و تحمل کے فانوس میں عشق ومحبت کا ایک ایسا شعلہ تھا جو جاننے والوں کی نگاہوں سے مستور نہیں، ان کا خمیر عشق و محبت کے اس جوہر کو ساتھ گوندھا گیا تھا اور وہ شاید ان کے خمیر کے تمام اجزاو عناصر سے زیادہ مقدار میں تھا، ان کا حال وہ تھا جو سودا نے اپنے شعر میں بیان کیا ہے:

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا

کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

عشق ومحبت کے اس جوہر کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے اور اس کے شرارے اسی وقت نظر آتے ہیں جب عشقِ الہیٰ، ذات رسالت پناہی اور واصلان بارگاہ الٰہی کا تذکرہ ہو۔(18)

۳۔ ایک جگہ مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ شانہ کی کسی بندے پر سب سے بڑی عنایت یہ ہے کہ اسے اپنے کام کے لئے استعمال فرمائے، حضرت شیخ نو اللہ مرقدہ اس عنایت الٰہیہ کے خاص مورد تھے، ان کے دم قدم سے دین کے تین شعبے جن پر دین کی بقاء کا مدار ہے بڑی کامیابی وخوش اسلوبی سے چل رہے تھے، ایک دینی علوم کی نشر و اشاعت، اور درس و تدریس کا شعبہ، دوسرا دعوت و تبلیغ اور تیسرا مجالس ذکر کو زندہ کرنا۔(19)

حضرت لدھیانوی شہید کو اپنے شیخ، شیخ الحدیث رحمۃ اللہ سے بھی بہت عقیدت اور غایت درجہ محبت تھی اور ساتھ ساتھ حضرت پر شیخ کارعب بھی کافی تھا جس کی وجہ سے حضرت موصوف کی حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ سے زیادہ خطِ وکتابت نہ رہی ایک بار اپنے شیخ کے رعب کے بارے میں فرمایا جس کو مفتی خالد محمود صاحب مدظلہ نے نقل فرمایا لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ فرمایا: جب میں حضرت بنوریؒ کے متعلق لکھنے کے لئے قلم اُٹھاتا ہوں تو قلم خوب چلتا ہے لیکن جب حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ کے بارے میں لکھنا چاہتا ہوں تو شیخ کے رعب کی وجہ سے کچھ لکھا نہیں جاتا۔(20)

حضرت لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ کو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے خلافت واجازت بیعت بھی حاصل تھی اور یہ حضرت شیخ کا حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ پر مکمل اعتماد کی علامت ہے۔ چنانچہ ایک مکتوب کے جواب میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے حضرت موصوف کو اجازت بیعت مرحمت فرمائی اور تحریر فرمایا:

"توکلاً علی اللہ تعالیٰ آپ کو بیعت کی اجازت دیتا ہوں جو کوئی طالب آئے اس کو بیعت کرلیا کریں۔" (21)

حضرت قطب الاقطب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ کا وصال ۲۹ رجب ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء کو مدینہ منورہ میں ہوا اور جنت البقیع میں آسودہ خاک ہوئے۔

حضرت بنوریؒ سے تعلق:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ محدث العصر حضرت مولانا سید یوسف بنوریؒ سے نہ باقاعدہ بیعت ہوئے نہ ہی حضرت بنوریؒ حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے باقاعدہ استاذ تھے لیکن حضرت یوسف لدھیانویؒ نے حضرت بنوری کو ہمیشہ اپنا شیخ اور اپنا استاذ مانا ہے۔اور حضرت بنوری سے ہمیشہ وہی عقیدت و محبت والا معاملہ رکھا جو ایک مرید کو اپنے شیخ سے یا ایک تلمیذ کو اپنے استاذ سے ہو تاہے اسی طرح حضرت بنوریؒ بھی حضرت لدھیانویؒ سے بے انتہاء محبت رکھتے تھے اور آپ کی عنایات والطاف و عطوفت بھی حضرت لدھیانویؒ پر بے شمار تھیں۔اسی تعلق کی بناء پر حضرت بنوری کی چاہت تھی کہ آپ مستقل قیام کراچی میں فرمالیں لیکن آپ عذر فرماتے رہے اور حضرت بنوری کی زندگی میں حضرت کی تمنا پوری نہ ہو سکی حضرت بنوری کے انتقال کے بعد حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ مستقل کراچی تشریف لے آئیں اور اہل کراچی کی

قسمت جاگ اُٹھی چونکہ کراچی مستقل آنے کے بعد حضرت کے فیوض و برکات سے اہل کراچی کو استفادہ کا موقع ملا۔

حضرت بنوری کی کتنی شدید اور پر زور تمنا تھی کہ آپ موصوف کراچی تشریف لے آئیں،یہ بات خود حضرت موصوف کی زبانی سنئے تحریر فرماتے ہیں:

"جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں قیام کرنے کے بعد یہ ناکارہ ہر مہینے پابندی سے دس دن کے لئے ساہیوال سے کراچی آتا۔"بینات" کا کام سمیٹتا (جو اب کلیۃً اس کے سپرد تھا)اور دس دن بعد چلا جاتا کبھی کبھی حنفیہ کے طرز پر "جمع بین الشہرین" کی شکل بھی ہوجاتی کہ ایک مہینے کے آخری دس دن اور دوسرے کے پہلے دس دن جمع کر کے بیس دن کا قیام ہو جاتا۔میری پابندی آمد و رفت کے باوجود حضرت کی خواہش تھی کہ میں مستقل یہاں آجاؤں۔تقریباً ہر حاضری کے موقع پر ہمیشہ یہی اصرار رہتا کہ بس یہاں آجاؤ۔مگر یہ ناکارہ اس پر آمادہ نہ ہوتا اصرار و انکار کا یہ سلسلہ آخر تک رہا۔(22)

حضرت بنوریؒ کو حضرت لدھیانوی شہیدؒ سے کتنی محبت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے خود حضرت شہیدؒ تحریر فرماتے ہیں

"میرے چھوٹے بھائی کا مکان خیر المدارس ملتان کے قریب ہے جس دن حضرت میرے مکان کے سلسلے میں خیر المدارس تشریف لے گئے اس دن حسن اتفاق سے میرے والد ماجد بھی بھائی صاحب کے مکان پر تشریف فرما تھے حضرت کی تشریف آوری کا سن کر وہ بھی زیارت کیلئے خیر المدارس میں حاضر ہوئے، میرے حضرت نے بہت تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔سلام و دعا اور معانقہ مصافحہ کے بعد میرے والد ماجد سے دریافت فرمایا کتنے بیٹے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا چار۔فرمایا پانچواں یوسف بنوریؒ۔ بعد میں میرے والد ماجد جب کبھی اس کا تذکرہ کرتے تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے۔اس لطف و عنایت اور محبت و شفقت کی کوئی حد ہے؟(23)

حضرت بنوریؒ سے تعلق اور آپ کی حضرت مولانا یوسف لدھیانوی پر شفقتیں جس قدر و نمایت در جہ تھیں اس کا صرف اندازہ لگایا جا سکتا ہے ذیل کے واقعہ سے معلوم ہو گا کہ ان دو حضرات کا ایک دوسرے سے کیا تعلق تھا۔چنانچہ حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت کی بیٹھک میں جب کبھی تنہائی میں شرف باریاں ہوتا تو حضرت اس ناکارہ کے بارے میں بعض اوقات ایسے الفاظ ارشاد فرماتے جو اس ناکارہ کی حیثیت سے بہت ہی بلند وبالا ہوتے تھے۔یہ ناکارہ حضرت کے ایسے الفاظ کو سن کر محجوب ہو جاتا اور مالک کی ستاری کے قر بان جاتا کہ اس ناکارہ کی وہ گندگیاں،جو اس مالک کے علم میں ہیں ان پر کیسا پردہ ڈال دیا ہے ورنہ کوئی شر یف آدمی اس ناکارہ کو اپنے پاس بھی نہ بیٹھنے دیتا۔ایک بار حضرت نے بہت ہی شفیقانہ انداز میں بہت سی با تیں ارشاد فرمائیں،اور فرمایا: میں تم کو اور مفتی ولی حسن کو اپنے مد رسہ کا مدار سمجھتا ہوں۔“ اور پھر ایسی نصیحتیں فر مائیں جس طرح شفیق باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہاہو۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے والد ماجد حضرت زبیر رضی اللہ عنھما کا واقعہ ذکر فرمایا،جو امام بخاری نے ”برکتہ مال الغازی حیاً و میتاً“ میں روایت کیا ہے حضرت زبیرؓ نے اپنی شہادت سے پہلے اپنے صاحب زادے کو قر ضوں کے ادا کرنے کی وصیت فرمائی او ر فرمایا:

”یابنی ان عجزت عن شئی منہ فاستعن علیہ مولائی۔“

ترجمہ: بیٹا اگر اس کی کسی چیز سے عاجز ہو جاؤ اور وسائل ساتھ نہ دیں تو اس کیلئے میرے مولا سے مد د لینا۔“

حضرت عبداللہؓ فر ماتے ہیں کہ میں نہیں سمجھا کہ ”میرے مولا“ سے ان کی کیا مراد ہے؟ اس لئے میں نے عرض کیا ”یاابہ من مولاک؟قال:اللہ“ (ابا جان! آپ کے مولا کون ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ان کے قرض کی ادائیگی میں جب بھی کو ئی مشکل پیش آتی تو میں کہتا: یا مولیٰ الز بیر اقض عنہ دینہ (اے زبیر کے مولا قرضہ ادا کر دیجئے۔اس واقعہ کو ذکر کر کے

میرے حضرت نے مجھ سے فرمایا: تمہیں جب بھی کوئی مشکل پیش آئے،میرے مولا سے مد د لینا اور یہ کہنا اے یو سف بنوری کے مولا میر ا یہ کام کر دے۔"

یہ میرے حضرت کا خاص عطیہ تھا،جو حضرت نے اس خاص انبساط کی حالت میں عطا فرمایا اور الحمد للہ حضرت کا یہ نسخہ کیمیا بہت سے مو اقع میں کام آیا۔(24)

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کی شخصیت:

حضرت مولانایوسف بنوری رحمۃ اللہ وقت کے بڑے محدث،عالم دین اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے مایۂ ناز شاگرد تھے۔

خاندان:۔

حضرت مولانایوسف بنوریؒ کا نسب حضرت آدم بنوریؒ سے ملتاہے جن کے بارے میں صاحب نزھت الخواطر نے " الشیخ العارف الولی الکبیر " میں لکھاہے سید آدم بنوری مغل بادشاہ،شاہ جہاں کے زمانے میں غزنی سے ہندوستان تشریف لائے اور ریاست پٹیا کہ ایک گاؤں چھت بنور میں سکونت اختیار کی،اسی گاؤں کی نسبت سے آپ بنوری کہلاتے ہیں، آپ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے سب سے بڑے خلیفہ تھے۔(25)

۱۰۵۲ھ میں حضرت آدم بنوری لاہور تشریف لائے تو دس ہزار علماء ومشائخ آپ کے شریک سفر تھے،موصوف کی یہ عظمت وجلال دیکھ کر سعد اللہ خان وزیر اعظم کی شکایت پر شاہ جہاں نے آپ کی ملک بدری کے احکام جاری کیے۔روایت ہے کہ اس حکم کے بعد شاہ جہاں کو تنبیہ ہوئی کہ " سلطنت خود را تباہ کردہ" اس پر پشیماں ہو کر بادشاہ نے واپسی کی استدعا کی جسے حضرت نے قبول نہ فرمایا۔۱۰۵۳ھ میں انتقال ہوا۔سیدنا عثمان غنیؓ کے پہلو میں دفن ہوئے۔غرض یہ کہ حضرت بنوریؒ ایک علم سے معمور ومنور خاندان کے چشم وچراغ تھے آپ کا شجرہ نسب اوپر سے نواسہ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملتاہے اسی لئے آپ سید تھے۔

آپ کے پر دادا سید احمد شاہ بڑے ذی وجاہت بزرگ تھے موصوف نے پشاور میں ایک محلہ آباد کیا، جو ان ہی کے نام پر ''گڑھی احمد شاہ'' کے نام سے معروف ہے اس محلہ میں صرف اس شخص کو سکونت کی اجازت تھی جو نماز کا پابند ہو سید احمد شاہ کے ساحبزادے سید مزمل شاہ تھے، یہی سید مزمل شاہ مولانا سید زکریا کے والد اور مولانا محمد یوسف بنوری کے دادا ہیں۔ حضرت بنوری کے خاندان کو یہ شرف حاصل ہے کہ سیدنا حسین ابن علیؓ سے شیخ بنوری تک اس خاندان کی کوئی پشت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی صاحب علم و عمل نہ ہو۔

ولادت:۔

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ میں پشاور کے مضافات میں سید محمد زکریا کے ہاں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا یوسف بنوریؒ اپنی خود نوشت میں تحریر فرماتے ہیں

''راقم الحروف محمد یوسف بن سید محمد زکریا بن میر مزمل شاہ بن میر احمد شاہ البنوری الحسینی کی ولادت ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ بروز جمعرات بوقت سحر پشاور کے مضافات کی ایک بستی میں ہوئی سلسلہ نسب نویں جد امجد عارف محقق حضرت سید آدم بن اسمٰعیل الحسینی الغزنوی البنوری المدنی کی وساطت سے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔(26)

ذہانت و فہم:۔

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ چونکہ خاندانی طور پر شرافت و کرامت اور بزرگی اور عالی حسب نسب والے تھے جس کا اثر تھا کہ بچپن سے ہی آپ بہت ذہین و فطین تھے حضرت بنوری کے داماد مولانا طاسینؒ آپ کی ذہانت سے متعلق ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ

'' دراصل علم کے لئے دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں ایک فہم کی عمدہ صلاحیت دوسری اچھی قوت حافظہ، سو اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں مولانا کو پیدائشی طور پر اعلی درجہ کی عطا فرمائی تھی خود حضرت مولانا بنوری قدس سرہ کی زبان

مبارک سے میں نے متعدد مرتبہ سنا! کہ جب ان کی عمر چار پانچ سال کی تھی کہ گھر میں کسی سے ایک برتن گرا اور اس میں جو چیز کھانے کی تھی ضائع ہو گئی، اس پر والدہ ماجدہ نے فرمایا! اسی میں خیر ہو گی جو ہوا سو اچھا ہوا۔ اس کے جواب میں والد ماجد نے فرمایا کہ: یہ معتزلہ کا مذہب ہے، اہلسنت والجماعت کا نہیں اور اس کی تفصیل بیان فرمائی، مولانا فرماتے تھے کہ !مجھے اس گفتگو کا ایک ایک حرف یاد ہے، حالانکہ ساٹھ سال سے زیادہ گزر گئے اور یہ کہ اس گفتگو کا جو مطلب اس وقت سمجھا تھا، آگے چل کر جب علم الکلام میں یہ بحث خود پڑھی تو بچپن کے سمجھے ہوئے مطلب میں ذرہ برابر اضافہ نہ ہوا۔(27)

ابتدائی تعلیم:۔

محدث العصر حضرت یوسف بنوریؒ نے بہت چھوٹی عمر میں ہی تعلیم دین کی خاطر گھر کو خیر باد کہہ دیا تھا اور کم عمری میں علم کے حصول کے لئے دور دراز کا سفر اختیار کیا۔ چنانچہ آپ صغر سنی میں کابل چلے گئے اور کابل کے اہل علم سے کتابیں بھی پڑھیں کابل میں آپ کے اساتذہ قاضی القضاۃ مولانا عبد القدیر صاحبؒ اور مولانا صالح محمد قیلغوی افغانیؒ اور دیگر اساتذہ جن سے آپ نے فقہ، اصول فقہ، منطق، معانی وغیرہ مختلف علوم وفنون کی متوسطہ درجہ کی کتابیں پڑھیں آپ کچھ عرصہ کابل میں رہ کر پشاور واپس تشریف لائے۔

دارالعلوم دیوبند سے تعلق:۔

حضرت بنوریؒ پھر مزید تحصیل علم کے لئے دارالعلوم دیوبند چلے گئے حضرت مولانا یوسف بنوری اپنا دارالعلوم دیوبند سے منسلک ہونا اس طرح بیان کرتے ہیں:

" علم کے شوق نے مجھے ہندوستان کے سفر پر اور از ھر ہند "دارالعلوم دیوبند" میں داخلہ لینے پر آمادہ کیا، میں نے ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور وہی اعلیٰ درجات میں تفسیر، فقہ، اصول فقہ بڑے اساتذہ سے پڑھی، اور ۱۳۴۸ھ تک دیوبند میں رہا اس عرصہ میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسے مشائخ کبار سے استفادہ حاصل کیا۔(28)

دارالعلوم دیوبند میں آپ نے مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب سے مقامات حریری، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی عزیز الرحمان عثمانی سے جلالین شریف، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے مشکوۃ المصابیح، مولانا عبد الرحمان امروہی (تلمیذ رشید حضرت نانوتویؒ) سے بخاری شریف، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے ترمذی شریف، استاد الکل مولانا رسول خان ہزاروی سے مسلم شریف، امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری سے مؤطا امام مالک ترمذی شریف کا کچھ حصہ اور بخاری شریف " باب حب الانصار من الایمان " تک پڑھی۔ حضرتؒ نے سب سے زیادہ اکتساب فیض اپنے شیخ انور شاہ سے کیا اور ان کے رنگ میں رنگے گئے۔

یہ جہاں فانی ہے کوئی چیز لافانی نہیں

پھر بھی اس دنیا میں انور شاہ کا ثانی نہیں

مولانا مرحوم کو امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سے اسی زمانہ میں انتہا درجہ کی عقیدت پیدا ہوئی تھی، اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے نفس قدسی نے آپ میں عشق رسالت مآب کی وہ روح پھونکی کہ اس کے بعد بنوری نوجوان سے علم و عمل اور عشق نبیؐ کے ہزاروں چراغ روشن ہوئے اور آپ اپنے شیخ کے صحیح علمی جانشین ثابت ہوئے۔ دارالعلوم میں قیام پر کچھ عرصہ گزرا تو آپ نے عربی میں ایک طویل خط حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں لکھا، جس میں ان سے استدعا کی گئی تھی کہ مجھے اپنا خادم بنالیں، شاہ صاحب نے خط پڑھا، لے کر رکھ لیا اور دوسرے وقت آنے کو کہا، مولانا مقررہ وقت پر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شاہ صاحب نے سب سے پہلا سوال کیا کہ ادب کہاں پڑھا ہے؟ عرض کیا کہیں نہیں فرمایا بس آپ کو حاجت نہیں اتنا کافی ہے۔ درخواست کے جواب میں فرمایا تھا" میں آپ کو اپنے ساتھ ملحق کر لوں گا۔"(29)

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل:۔

جب علامہ انور شاہ کشمیریؒ دیوبند سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے تو حضرت مولانا یوسف بنوری بھی ساتھ چلے گئے اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے ہی دورہ حدیث کی تکمیل کی، اس کے بعد اپنے وطن پشاور واپس لوٹ آئے۔

مصر کا سفر:۔

حضرت بنوری ۱۹۳۷ء میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے کتابوں کی طباعت کے سلسلے میں مصر تشریف لے گئے اور وہاں بھی آپ نے عربی میں کئی مقالات لکھے جس میں علمائے دیوبند کا تعارف اور فتنہ قادیانیت سے آگاہی اور حقیقت کو واضح کیا یہ مقالات مصر کے مجلات میں چھپتے رہے یہاں کہ مصر کے اس وقت کے معروف ومشہور عالم دین علامہ محمد زاہد الکوثری آپؒ سے اور علمائے دیوبند سے بہت متاثر ہوئے اور حضرت بنوری سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے حاصل شدہ اجازت حدیث مانگی، تو حضرت بنوری نے ان کو اجازت دے دی۔ مصر سے واپسی پر حضرت بنوری نے ساری سرگذشت حضرت تھانویؒ کو عرض کی تو حضرت تھانویؒ بھی آپ کے فضل وکمال سے خوش ہوئے اور آپ کی مجاز صحبت فرمایا۔

پاکستان ھجرت:۔

محدث العصر حضرت بنوریؒ خود اپنی پاکستان ھجرت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"جب شیخ شبیر احمد عثمانی اور بدر عالم مدنیؒ نے پاکستان ھجرت کا عزم کیا تو ان دونوں کی اتباع اور شوق میں (حضرت بنوری) نے بھی ۲۶ جنوری ۱۹۵۱ء میں پاکستان ھجرت کی، اور پاکستان تشریف لاکر دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈولہ یار میں پڑھانا شروع کیا اور شیخ التفسیر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔(30)

کراچی آمد:۔

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کچھ عرصہ ٹندولہ یار میں پڑھاتے رہے اور جب ۱۹۵۳ کی تحریک ختم نبوت چلی تو آپ نے اس تحریک میں باقاعدہ حصہ لیا ۱۹۵۹ میں آپ ٹنڈولہ یار سے کراچی تشریف لے آئے "مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن" کی بنیاد رکھی، انتہائی بے سروسامانی میں مدرسہ کا آغاز کیا اور حضرت بنوری خود بھی اور اپنے ساتھیوں کو بھی بلامعاوضہ پڑھانے کے لئے متوجہ کیا۔ حضرت بنوریؒ نے مدرسہ عربیہ قائم کرنے کے بعد فتنہ قادیانیت کے خلاف سرگرم ہوئے۔ ملک اور بیرون

ملک، عوام وخواص صاحب اقتدار سب ہی کو اس فتنہ کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ چنانچہ حضرت یوسف لدھیانوی شہیدؒ لکھتے ہیں:

"بہر حال اس دور میں حضرتؒ نے عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کے لئے خاموشی سے کام شروع کر دیا

اوّل: اندرون ملک ہر طبقہ کے وہ سعید قلوب، جو اس مقصد کے لئے موئثر اور کارآمد ہو سکتے تھے، آپ نے انہیں تلاش کر کے جوڑنا اور قادیانیت کے خلاف انہیں منظم اور بیدار کرنا شروع کیا، ان میں علماء بھی تھے، وکلاء بھی، کاروباری بھی تھے اور سرکاری ملازمین بھی۔

حضرت کو معلوم تھا کہ ملک میں "مجلس تحفظ ختم نبوت" اس فتنہ کے خلاف منظم طور پر پوری یکسوئی تندہی اور جانفشانی سے کام کر رہی ہے حضرت نے اس کی بھی سرپرستی شروع کر دی اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی اعانت و نصرت فرمائی۔ کچھ آگے تحریر فرماتے ہیں

دوّم: قادیانی مسئلہ صرف پاکستان کا نہیں بلکہ خود اسلام کا مسئلہ تھا، اس لئے حضرت نے عالم اسلام کے تمام اکابر و علماء سے بھی رابطہ رکھا، انہیں قادیانی سازشوں کی تفصیلات سے مسلسل آگاہ کرتے رہے ان کے گھناؤنے عقائد و نظریات کے علاوہ ان کی مسلم کش پالیسیوں سے انہیں چوکنا کرتے رہے اور اس رابطہ کے لئے تین ذرائع تھے، اول یہ کہ باہر سے علماء کے جو وفود پاکستان آتے نیوٹاؤن میں ان کی تشریف آوری ہوتی، دوسرے حضرت بھی بین الاسلامی کانفرنسوں میں شرکت کے لئے تشریف لے جاتے، تیسرے سال میں کم از کم دوبار حرمین شریفین حاضری ہوتی، جہاں عالم اسلام کا دل و دماغ سمٹ آتا ہے ان تمام مواقع میں جہاں حضرتؒ کی عظمت و محبت کا نقش عالم اسلام کے قلب پر مرتسم ہوتا، وہاں قادیانیت سے نفرت وبیزاری کی تحریک کو بھی انگیخت ہوتی۔ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ اپریل ۱۹۷۴ میں مکہ مکرمہ میں "رابطہ عالم اسلامی" کی کانفرنس میں دنیا بھر کی ۱۴۴ تنظیموں کے نمائندوں نے جو قرارداد متفقہ طور پر منظور کی تھی کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کس جانشین مجدد الف ثانیؒ کی محنتوں کے بغیر یہ سب کچھ ہو گیا تھا!

حضرت اقدس جہاں دنیا بھر کے علماء ومشائخ اور اعیان واکابر سے رابطہ قائم کئے ہوئے انہیں قادیانی فتنہ کی سنگینی سے مسلسل آگاہ کر رہے تھے، وہاں ارباب قلوب اور اصحاب باطن سے بھی رابطہ استوار تھا، اور انہیں بھی اس سلسلہ میں "صرف ہمت" اور دعا والتجاء کی طرف متوجہ رکھتے تھے۔

سوم: اور آخری کام جو آپ نے کیا وہ عالم اسلام کے ارباب اقتدار (جن میں ملکوں کے سربراہ اور وزراء وسفراء سبھی شامل تھے) سے رابطہ قائم کرنا اور انہیں قادیانی فتنہ سے باخبر رکھنا تھا۔ عرب ممالک کے جو سفراء ہمارے ملک میں وقتاً فوقتاً تعینات ہوتے رہے، ان میں سے اکثر وبیشتر حضرت کے شناسا بلکہ قدر دان محب تھے، اسلامی ممالک کے امراء وزراء سے بھی اچھا تعارف تھا۔ خصوصاً پاسبان حرم شاہ فیصل شہید تو آپ کے بہت قدر شناس تھے۔ شہید مرحوم سے آپ نے متعدد بار ملاقات بھی کی اور انہیں بالمشافہ قادیانی فتنہ کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا۔ (31)

چنانچہ حضرت بنوریؒ نے مختلف اسلامی ممالک کے سربراہان کو خطوط بھی لکھے جس میں انہیں فتنہ قادیانیت سے آگاہ کیا۔

بر سر پیکار:۔

حضرت بنوریؒ جہاں قادیانیت کے خلاف پوری دنیا میں محاذ قائم کیئے ہوئے تھے وہی دیگر فتنوں کا بھی بھرپور آپ نے تعاقب کیا۔ عنایت اللہ مشرقی، غلام احمد پرویز، ڈاکٹر فضل الرحمن کے فتنوں کا آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور آپ کی محنتوں سے ان فتنوں کا قلع قمع کیا۔

سیرت و کردار:۔

حضرت بنوریؒ کس اخلاق کی بلندیوں کو چھو رہے تھے اور آپ سیرت و کردار کے کتنے عظیم مرتبت پر قائم تھے اس کی وضاحت کے لئے ہم حضرت بنوریؒ کے گھر کے آدمی یعنی ان کے داماد مولانا طاسین صاحب کے مضمون کے اقتباسات نقل کریں گے کہ وہ حضرت بنوریؒ کے اندورن خانہ اور بیرون خانہ دونوں کرداروں سے اچھی طرح واقف تھے وہ رقم طراز ہیں:

"شرف مضاہرت سے مشرف ہونے کے بعد تقریباً بائیس سال سایہ شفقت اور ظل عاطفت میں گزرے، اس عرصہ میں مجھے اپنے نسبتی باپ اور مشفق ومہربان سسر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ العزیز کی شخصیت اور سیرت کو جلوت میں بھی اور خلوت میں بھی، اندرون خانہ بھی اور بیرون خانہ بھی بہت قریب سے مشاہدہ کرنے اور خصوصی توجہ کے ساتھ دیکھنے اور سننے اور سمجھنے کا اچھا خاصا موقع ملا، چنانچہ اس طویل مدت میں جمال العلم والعلماء حضرت شیخ مولانا بنوری نور اللہ مرقدہ کے جو اوصاف وکمالات شمائل وفضائل، محاسن ومکارم، عاشاتر وخصائل، عواطف و مشاعر اور خصائص ومزایا، میرے مشاہدہ اور علم وادراک میں آئے، ناممکن ہے کہ ان کا عشرِ عشیر بھی ضبط تحریر میں لاسکوں، چند جزئیات پر تفصیلی روشنی ڈالنے سے پہلے اجمالی طور پر ہی کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ "اعلی اللہ مقامہ" ان نادرہ روزگار اور اعجوبۂ زماں ہستیوں میں سے ایک تھے جو اتفاق سے کبھی کبھی صفحہ دھر پر جلوہ گرہ ہوتیں اور اپنی آپ وتاب اور چمک دمک سے دنیا کو حیران وششدر کرکے رکھ دیتی ہیں جو اپنی غیر معمولی عظمت ورفعت کی بناپر آیۃ من ایات اللہ کا مصداق ہوتی ہیں۔ حضرت مولانا بنوریؒ ان عظیم تاریخی شخصیتوں میں سے ایک تھے جو قوموں کی تاریخ میں اہم رول ادا کرتی اور اپنے شاندار تاریخی کارناموں کی وجہ سے تاریخ میں بلند مقام پاتی ہیں جنہیں قومیں اپنے لئے سامیہ عزوافتخار سمجھتی اور ان کے تعلق پر فخر وناز کرتی ہیں اور جن کے کام اور نام ہمیشہ تاریخ میں روشن وتابندہ رہتے اور قومیں ان سے ہدایت روشنی حاصل کرتی اور ان کی یاد کو ہمیشہ تازہ رکھتی ہیں۔

حضرت بنوری تغمدہ اللہ بغفرانہ ان جلیل القدر علماء فضلاء میں سے ایک تھے، جو کبھی کبھی آسمان علم وفضل پر آفتاب وبہتاب بن کر چمکتے اور اپنی علمی شعاعوں وضیاء پاشیوں سے اذہان کی ایک دنیا کو روشن ومنور کرکے رکھ دیتے ہیں، جن کے بحر علم سے بے شمار تشنگان علم کو اپنی پیاس بجھانے اور ٹھنڈک وسکون حاصل کرنے کا موقع ملتا اور جن کے گوہر ہائے علم سے انسانیت کے علمی خزانوں میں گراں قدر اضافہ ہوتا ہے، جن کی عظیم الشان علمی خدمات کا دنیا اعتراف کرتی ہے اور فیاضی کے ساتھ ان کو خراج تحسین پیش کرتی ہے جو اپنی عبقریت اور علمی عظمت کے ایسے نقوش اور نشان قائم کر جاتے ہیں جو کبھی مٹائے مٹ نہیں سکتے۔

حضرت مولانا بنوری نوراللہ مرقدہ ان اہل اللہ خاصان خدا، اور مقربین بارگاہ رب العزت میں سے ایک تھے جو شعائر اللہ کی طرح ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا، اور ایمان تازہ ہوتا ہے، جن کے فیضان صحبت سے بگڑے نفوس کی اصلاح ہوتی ہے اور مضطرب دلوں کو سکون و اطمینان ملتا ہے، جن کی توجہ سے ایمانی عقائد میں حرارت پیدا ہوتی اور جذبات عمل میں جوش و ہیجان بپا ہوتا ہے۔

حضرت مولانا بنوری برد اللہ مضجعہ ان عاشقان دین اور والہان حق میں سے ایک تھے جو ناموس دین پر مر مٹنے اور غیرت حق پہ قربان ہو جانے میں مسرت محسوس کرتے ہیں، جنہیں ہر وہ حرکت اور ہر وہ بات تڑپا دیتی ہے جسے وہ دین کے لئے مضر اور حق کے لئے نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ اور جو دین کی حفاظت اور حق کی حمایت میں سر بکف اور کفن بدوش رہتے اور اپنی جان پر کھیل جاتے۔

حضرت مولانا بنوریؒ اُن مردان خدا میں سے ایک تھے جو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور کلمہ حق کہنے سے انہیں دنیا کی کوئی جابر سے جابر طاقت بھی باز نہیں رکھ سکتی۔ جو اظہار حق کے معاملہ میں نہ کسی لومۃ لائم کی پرواہ کرتے اور نہ کسی مخالفت کو خاطر میں لاتے ہیں اور نہ کوئی ذاتی مصلحت ان کو آڑے آتی اور کوئی لالچ اس راہ سے ہٹا سکتی اور جو باطل کا ڈٹ کر مردانہ وار مقابلہ کرتے اور کبھی اس کے سامنے نہیں جھکتے باطل کے مقابلہ میں ان کی گردن کٹ تو سکتی لیکن جھک نہیں سکتی۔

غرض یہ کہ حضرت مولانا بنوریؒ اپنے ظاہری باطنی اوصاف و کمالات اور اپنے معنوی اور صوری محاسن و فضائل کے لحاظ سے واقعی اور صحیح معنوں میں ایک عظیم شخصیت تھی جس کی مثالیں تاریخ میں بہت کم اور خال خال ہی ملتی ہیں، بلا شک اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت کے تحت آپ کی ذات گرامی کے اندر بہت سے وہ فضائل و محاسن یکجا جمع فرما دیئے تھے، جو شاذ و نادر کسی شخصیت میں جمع ہوتے ہیں۔

اگر حضرت مولانا بنوریؒ کی شخصیت کو ایک حسین و جمیل گلدستے سے تشبیہ دی جاسکتی ہو تو پھر اس میں اعلی ایمان و ایقان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت محبت خشیت اور اطاعت کے پھول بھی تھے۔ اور شدید محبت اور عشق کے ساتھ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہا احترام اور اتباع سنت کے پھول بھی تھے، اونچے تقوی اور اخلاص کے ساتھ حسن عبادت حسن خلق اور حسن عمل کے پھول بھی تھے، اور اسلامی تعلیمات کے مطابق حسن معاشرت، حسن معیشت اور حسن سیاست کے پھول بھی، پاکیزہ ذوق کے ساتھ حسن نظافت حسن نفاست، حسن لطافت کے پھول بھی تھے اور فطری انداز میں خندہ جبینی شگفتہ روئی اور خوش مزاجی کے پھول بھی، دینی جذبہ کے تحت دیانت و امانت شجاعت اور سخاوت کے پھول بھی تھے ،اور اظہار حق کی خاطر حق گوئی صداقت و استقلال و استقامت کے پھول بھی، اعلی درجہ کی عفت و پاکبازی اور نجامت وشرافت کے پھول بھی تھے اور غیر معمولی شرم وحیا، غیرت اور خوداری کے پھول بھی اعلی وقار سنجیدہ گی، متانت اور وجاہت کے پھول بھی تھے، اور مسرت بخش ظرافت حسن مزاح اور خوش دطبعی کے پھل بھی، اولوالعزمی عالی ہمتی اور جفا کشی کے پھول بھی تھے اور استغناء قناعت اور سیر چشمی کے پھول بھی، قرابت داروں سے صلہ رحمی، مسکینوں سے ہمدردی کے پھول بھی تھے، اور دوستوں سے دلنوازی اور محسنوں سے احسان مندی اور شکر گزاری کے پھول بھی، چھوٹوں پر شفقت ومہربانی اور بڑوں کی توقیر و تعظیم کے پھول بھی تھے، اور خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے خلق خدا کی خیر خواہی اور نفع رسانی کے پھول بھی تھے، صوفیان باصفا اہل اللہ حضرات سے قلبی محبت اور اصحاب کشف و کرامت سے گہری عقیدت کے پھول بھی تھے۔ رقت قلب، سوز گداز آہ بکا، اور وجد وحال کے پھول بھی تھے، وسیع اور راسخ علم کے ساتھ علم کی اشاعت اور تعلیم و تدریس کے پھول بھی تھے، اور عقل ودانش کے ساتھ غیر معمولی ذہانت زکاوٹ اور اعلی فہم وفراست کے پھول بھی، بہترین حافظے کے ساتھ وسیع مطالعے غور فکر، استحضاء اور رتیقظ کے پھول بھی تھے۔ اور موئثر خطابت ،دلکش تحریر مہارت تصنیف و تالیف اور حکیمانہ دعوت وارشاد کے پھول بھی تھے۔

پھر جس طرح قسم قسم اور رنگارنگ پھولوں سے سجے ہوئے گلدستے میں بعض پھول حسن اور نکھار میں بڑھے ہوئے اور ان کے اندر دوسرے پھولوں کی بہ نسبت رنگینی، رعنائی اور جاذبیت زیادہ ہوتی ہے، اسی طرح حضرت بنوریؒ کی شخصیت میں جو اوصاف و محاسن اور جو فضائل و کمالات مجتمع تھے، ان میں سے نکھرا ہوا، اجاگر اور نمایاں وصف علم کا وصف تھا، لہذا گو اہل نہیں لیکن جی چاہتا ہے کہ پہلے اس کی کچھ جھلکیاں پیش کروں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم کا مولانا بنوریؒ کا تعلق غیریت کا نہیں، عینیت کا تھا مولانا عالم نہ تھے، بلکہ سراپا علم تھے۔ علم آپ کی ذات میں ایسا رچا بسا ہوا تھا جیسے پھول کے اندر رنگ و بو، اور یا ہیرے کے اندر چمک، علم آپ کی ہر ہر ادا اور ہر ہر نقل و حرکت سے جھلکتا تھا، آپ علم کا ایک بلند و بالا پہاڑ اور ایک بحر ناپید کنار تھے۔ ایک سلیم العقل حقیقت شناس اجنبی جب آپ کو دیکھتا تو اس کا دل بول اٹھتا کہ یہ ضرور عالم دین ہیں۔(32) "

کچھ سطور آگے مولانا طاسین صاحب حضرت بنوری کی عربیت پر مہارت کو بیان کرتے ہیں۔

"حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ علم کا ایک گرانمایہ خزینہ اور بیش بہا گنجینہ، ایک ٹھاٹھے مارتا ہوا دریا، اور ایک پر بہار گلستان تھے اور بلا شبہ لفظ علامہ کے صحیح اور کامل معنوں مصداق۔ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا ایک بڑا حصہ ایسا تھا جس کی ظاہری اور عادی اسباب کی روشنی میں توجیہہ نہیں ہو سکتی لہذا اسے خارق عادت اور وہبی ہی کہا جا سکتا ہے، مثلاً عربی ادب کو لیجئے مولانا اس کے بلند پایہ عالم اور ایک عظیم ادیب تھے، لیکن آپ نے عربی ادب کسی سے نہیں پڑھا تھا، جن اساتذہ کے پاس مولانا کی ابتدائی تعلیم ہوئی وہ صرف و نحو، منطق و معقول اور فقہ و کلام کے عالم تو تھے لیکن عربی ادب میں عام طور پر ان کا یہ حال تھا کہ چند سطریں بھی نہ لکھ سکتے تھے، جب کہ مولانا بنوریؒ کافیہ پڑھتے وقت اچھی عربی لکھتے تھے، آپ کے کافیہ پر کئی جگہ عربی حاشیہ لکھے ہوئے موجود ہیں، جو آپ نے پڑھتے وقت لکھے۔(33)

یہی وجہ تھی کہ مولانا بنوری عربی میں اس انداز سے تکلم فرماتے کہ اہل عرب آپ کو داد تحسین دیئے بغیر نہ رہتے اور بعض تو آپ کی عربی سن کر فرط محبت میں کہہ بیٹھتے کہ آپ عجمی نہیں عربی ہیں اور حضرت بنوری کو بھی حرمین شریفین یا دیگر عرب ممالک میں اجلاسات میں شرکت کے لئے تشریف لے جاتے اور مولانا کو بیان کے لئے کہا جاتا تو مولانا بنوری بعض مواقع پر برجستہ تقریر فرماتے اور عربی اسے فراٹے سے بولتے کہ عرب حیران رہ جاتے۔

محبت رسول ﷺ:۔

حضرت مولانا بنوری کو حضور اکرم ﷺ سے بہت شدید محبت تھی چنانچہ اس بارے میں مولانا طاسین صاحب لکھتے ہیں

”حضرت مولانا بنوریؒ کے علم میں جامعیت کے ساتھ بڑ جامعیت بھی تھی وہ بیک وقت منقولات کا علم بھی رکھتے تھے، اور معقولات کا علم بھی، وہ ظاہری علوم کے ساتھ باطنی، قدیم علوم کے ساتھ جدید، اور دینی حقائق و معارف کے وسیع علم و عرفان کے ساتھ دنیوی امور و معاملات سے بھی حیرت انگیز حد تک آگاہی اور واقفیت رکھتے تھے لیکن علم کے جس شعبے میں انہیں معراج کمال حاصل ہوا اور علم کے جس میدان کے وہ شہسوار بنے وہ شعبہ اور میدان قرآن و حدیث کے علم کا تھا در اصل اس میں بڑا دخل اس شدید محبت کا تھا جو مولانا کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے تھی، ظاہر ہے کہ جس سے محبت ہو اس کے کلام سے محبت ہونا ایک فطری بات ہے مولانا پورا یقین رکھتے تھے کہ جس ہدایت پر انسان کی اخروی اور دنیوی سعادت اور فلاح و کامیابی کا دارو مدار ہے اس کا منبع اور سرچشمہ قرآن و حدیث اور کتاب سنت ہے اور دوسرے علوم کی جو اہمیت اور قدر منزلت ہے وہ قرآن و حدیث کے تعلق کی بنا پر ہے جتنا جس علم کا قرآن و حدیث سے تعلق ہے اتنا ہی وہ اہم اور قابل قدر ہے لہذا آپ کی اصل اور بنیادی توجہ قرآن و حدیث کے علم کی طرف ہو گئی اور تقریبا نصف صدی آپ نے اس مقدس مبارک علم کی تحصیل نشر و اشاعت اور تعلیم تدریس میں صرف کی اور آخر دم تک اس میں مشغول رہے۔(34)

حیات بنوریؒ کا ایک پہلو اور ہیں جو حضرت بنوری کی زندگی کا بہت اہم پہلو ہیں اور وہ عباداتی پہلو ہے آپ عبادت میں بھی اپنی مثال آپ تھے وگرنہ بہت سے اہل علم و فضل اپنی علمی مصروفیات کی بناء پر عبادات کے باب میں زیادہ انہماک نہیں رکھتے، مگر حضرت بنوری عبادات خواہ فرائض ہوں یا نوافل بدنی عبادات ہوں یا مالی ہر ایک کو بہت اہتمام فرماتے اور بہت ہی شوق کے ساتھ ادا کرتے آداب و مستحبات کی مکمل رعایت فرماتے۔ خاص کر رمضان المبارک میں تو آپ سراپا عبادت بن جاتے تھے، دن میں بھی تلاوت اور ذکر فرماتے اور رات کا ایک بڑا حصہ بھی عبادت کرتے۔ حضرت بنوری اپنی پیرانے سالی کے باوصف تراویح میں کھڑے ہو کر کئی پارے قرآن کریم سنتے تھے۔

حضرت یوسف بنوریؒ کی دریادلی:۔

حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص آتا خواہ حضرت اسے جانتے ہوں یا نہیں وہ اپنی غربت اور پریشانی کا تذکرہ کرتا حضرت بنوری فوراً جو اپنے پاس ہوتا اسے عنایت فرمادیتے تھے۔ چنانچہ اسی طرح واقعہ مولانا عبدالرشید نعمانی لکھتے ہیں۔

"(حضرت بنوری کے) جود و کرم کا یہ حال تھا کہ بے تحقیق سائلوں کو دیتے رہتے تھے، ایک بار (میں) بیٹھا ہوا تھا، عصر سے پہلے دو صاحب مولانا کو پوچھتے ہوئے آئے، میں نے کہا کیا کام ہے؟ کہنے لگے مکان بنوانا ہے۔ مولانا سے اعانت کی ضرورت ہے میں نے کہا تم لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ مولانا کے پاس کون سی دولت ہے جو وہ تمہیں مکان بنانے کے لئے دیں گے، تمہیں مولانا کو تنگ نہیں کرنا چاہیے، مگر وہ اپنی بات پر مصر رہے اتنے میں مولانا بھی تشریف لے آئے اور صورت حال معلوم کر کے اپنی جیب سے کچھ رقم نکالی اور بڑی معذرت کے ساتھ ان کے حوالے کر دی میں صورت دیکھتا رہ گیا۔ اس طرح میں ایک دفعہ مولانا کے پاس دفتر میں بیٹھا ہوا تھا اٹھ کر گھر جانے لگے تو صاحبزادہ محمد بنوری نے بتایا کہ فلاں صاحب اس لئے بیٹھے کہ ان کے یہاں میت ہو گئی ہے۔ تجہیز و تکفین کی ضرورت ہے، مولانا فوراً گھر تشریف لائے اور بغیر کسی تحقیق اور تفتیش کے سو روپے کا نوٹ صاحبزادہ کے حوالہ کیا کہ ان کو دے دو۔ میں نے اس واقعہ کا ذکر حضرت مولانا ولی حسن صاحب سے کیا اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ حضرت کی سخاوت تو بجا، مگر اتنی سی تحقیق کر لی جاتی کہ واقعی کوئی میت ہوئی بھی ہے یا نہیں زیادہ اچھا تھا، اس پر مفتی صاحب نے فرمایا کہ: میرا بھی یہی ذوق ہے، میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا، میں یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ بہر حال اللہ والوں کی شان الگ ہے۔(35)

حضرت بنوریؒ اور تحریک ختم نبوت:

حضرت بنوریؒ نے ہر اُٹھنے والے فتنہ کے خلاف علی الاعلان صدا بلند کی اور ڈٹ کر مقابلہ کیا خاص کر دورِ حاضر کا بڑا فتنہ قادیانیت کا آپ نے بھر پور تعاقب کیا اور بے مثال قربانیاں دے کر ۱۹۷۴ میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلایا۔اس کے علاوہ حضرت بنوری کی خدمات ملک و بیرون ملک سبھی جگہ

تھیں۔حضرت کی شخصیت پر ہم یہاں مولانا یو سف لد ھیانوی شہید کے ایک مضمون سے جو حضرت لدھیانویؒ نے آپ کی وفات پر لکھا تھا نقل کر تے ہیں:

"حق تعالیٰ شانہ نے حضرت قد س سرہ کو اس قدر ظاہری و باطنی کمالات سے نوازا اور اتنی خو بیوں سے آراستہ فر مایا تھا کہ نہ توان کا صحیح ادراک ہو سکتا ہے نہ ان کے لئے مناسب الفاظ و تعبیرات مل سکتی ہیں تمام عام لوگ انہیں اخباری اصطلاح میں بس ایک ممتاز عالم دین اور عظیم ر ہنمائے ملت کی حیثیت سے جانتے ہیں اہل علم ان کے فضل و کمال ان کے تدین و تقوی ان کے اخلاص و عزیمت ان کی شہادت و نجابت کے معتر ف تھے،حکام ان کی حمیت و غیرت ان کی جرأت و استقا مت اور ان کی حق گوئی و بے باکی سے خائف تھے۔ اہل زیغ ملاحدہ ان کی ضرب ید اللھی سے لرزاں تھے۔طلبہ ان کے حد یثی و تفسیری،فقہی و کلامی،معارف و افا دات پر سر دھنتے تھے۔احباب ان کی حسن صورت، حسن سیر ت مصا حبت، حسن معاشرت،حسن تکلم،حسن تبسم پر گر ویدہ تھے مگر سچی با ت یہ ہے کہ:

خوبی ہمہ کر شمہ و ناز و خرام نیست

بسیار شیو ہ ہا است بتاں را کہ نام نیست

حضرت قد س سرہ کی ایک ایک ادا اپنے اندر "بسیار شیوہ" رکھتی تھی۔ان کی ایک ایک جبنش لب بجلیاں گراتی تھی،ان کا ایک ایک نقش پا جارہ استقا مت کی نشاندہی کر تاتھا:

ذهب الذی یعاش فی اکنافهم

حضرت قدس سرہ علم کا خزانہ تھے،عمل کا نمونہ تھے عاقل و فہیم تھے،ذکی ولیب تھے، عابد و زاہد تھے، متقی و پر ہیز گار تھے، جری و بہادر تھے،نڈر حق گو، فیاض اور سخی تھے، انہیں جو کچھ ملاتھا مو ہبت خداوندی سے ملاتھا اور ان کے تنہا وجو د میں اس قدر فو ق العادت اوصاف و کمالات قدرت نے جمع کر دیئے تھے کہ ایک بڑی جماعت پر تقسیم کر دیئے جائیں تو محاسن سے مالا مال ہو جائے۔

حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے عبدیت و محبوبیت کا بلند ترین مقام عطاء فرمایا تھا، اور صحیح بخاری شر یف کی حدیث: **ثم یو ضع له القبول فی الارض** کے مطابق ان کی یہ محبوبیت عطیہ آسمانی تھا، وہ ہر محفل میں "چراغ محفل" ہو تے تھے خواہ یہ محفل بادشاہوں کی ہو تی یا در ویشوں کی، طلباء کی یا دانشوروں کی، احباب کی یا اغیار کی، وہ سب پر بھاری نظر آتے(36)

حضرتؒ کی شخصیت کے متعلق اور بہت سے کمالات وصفات صفحہ قرطاس،نقو ش تاریخ پر منضبط ہیں کیونکہ حضرت بنوری ایک عالِم ہی نہیں بلکہ ایک عالَم بھی تھے۔ختم نبوت کی حفاظت کے لئے پوری دنیا کے اسفار فرمائے شاہ فیصل سے ملاقات کر کے انہیں فتنہ قادیانیت کی سنگینی سے آگاہ کیا اور پوری دنیا میں قادیانیت پر ایسی ضرب لگائی کہ قا دیانیت کی عمارت کی قلعی اکھڑ گئی۔یہ آفتاب علم و حکمت صاحب عرفان و معر فت ۱۹۷۷ میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو کر واصل بحق ہو گیا۔

رہبر طر یقت ڈاکٹر عبد الحیٔ عارفیؒ:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی کا راہ سلوک میں ر ہبری وارشاد کا تعلق ڈاکٹر عبد الحیٔ عارفی صاحب سے بھی رہا۔حضرت عارفیؒ صاحب حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے یہ رہبر و راہنما کیسے تھے خودمولانا یوسف لدھیانوی حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ عارفی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت اقدس ڈاکٹر صاحب نو راللہ مرقدۃ کا وجود سامی سایہ ء رحمت اور چشمہ فیض تھا،جس سے نہ جانے کتنی مخلو ق خدا سیر اب ہو تی تھی،انکی زندگی واقعۃً ایک عارف باللہ مر د مو من ولی کامل کی زندگی تھی۔ مبداء فیاض نے ان کی فطرت میں بہت سے خصا ئص و کمالات ودیعت فر مائے تھے۔مر شد تھانوی کے فیض صحبت و تعلق نے ان کمالات کو جلا بخشی۔وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے شیخ کے ذوق و مزاج اور قال و حال کو اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق پوری

طرح اپنے اندر جذب کر لیاتھاوہ مرشد تھانوی کے علوم وافادات کے امین تھے۔ان کی ہر ادا شیخ ؒ کے ذوق مذاج میں ڈوبی ہوئی تھی،اور وہ شیخ کی اداؤں کا مرقع اور ان کی زندگی کی تصویر بن گئے تھے،انہیں اپنے شیخ سے مدۃ العمر ایسا والہانہ تعلق رہا جو نادر الوجود بھی ہے اور سبق آموز بھی(37)

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت کے عناصر ترکیبی میں محبت کا عنصر سب سے غالب تھا (والذین اٰمنو ا اشد حبا للہ) ان کا خمیر محبت کی مٹی سے گوندھا گیا تھا، اور شیخ کامل کی نظر کیمیا اثر کی کرامت سے حسن ازل کا عشق ان کے رگ و پئے میں سرایت کر گیا تھا،وہ کشتۂ محبت ہی نہیں، سراپا محبت بن گئے تھے۔(38)

حضرت لدھیانوی کے شیخ و رہبر طریقت نرم مزاج،مشفق مہربان حلیم الطبع بزرگ تھے نہ کبھی کسی کو مارتے نہ ڈانٹتے اور نہ کسی ناگوار بات پر بگڑتے تھے۔یہی وصف حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ عارفی کی صحبت و برکت سے حضرت یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے خمیر میں حلول کر گیا تھا اس بارے میں حضرت خود تحریر فرماتے ہیں:

"راقم الحروف کو سالہاسال تک حضرت کی خدمت میں حاضری کو توفیق وسعادت میسر آئی،لیکن اس طویل عرصے میں حضرتؒ کو کسی ناگوار بات پر بگڑتے ہوئے یا کسی کو ڈانٹتے کبھی نہیں دیکھا۔۔۔البتہ اپنے بیان میں جب دورِحاضر کی بے حیائی بے پردگی،مرد وزن کا اختلاط، ریڈیو، ٹی وی اور دیگر فواحش و منکرات پر نکیر فرماتے تو بے ساختہ حضرت کالب و لہجہ تیز تر ہوجاتا،چہرہ پر نفرت و بیزاری کے آثار ظاہر ہوجاتے اور لب و لہجہ سے غیظ و غضب ٹپکتا،جس طرح حضرتؒ کی مسکراہٹ کی ادا بہت پیاری معلوم ہوتی تھی اس وقت حضرت کا منہ چوم لینے کو جی چاہتاتھا اس طرح حضرت کا یہ غضب ناک لہجہ بھی بھلا لگتا تھا۔(39)

حضرت مولانا لدھیانویؒ کو اپنے شیخ عارف باللہ عبد الحئی عارفیؒ سے خصوصی شغف اور تعلق تھا حضرت لدھیانویؒ اپنے شیخ کی مجلس میں حاضری دینے اور اپنے دل کو تسکین بخشتے۔اسی طرح حضرت عارفیؒ کو بھی حضرت لدھیانویؒ سے خصوصی محبت و شفقت تھی ایک بار حضرت ڈاکٹر عارفی صاحبؒ نے حضرت مولانا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

"الحمد اللہ ہمیں یہ ایک سخن دان مل گیا۔" (40)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کوڈاکٹر عبد الحئی عارفی صاحبؒ سے اجازت بیعت بھی حاصل تھی چنانچہ حضرت ڈاکٹر عبد الحئی عارفیؒ نے حضرت لدھیانوی شہیدؒ کو خلافت و اجازت کی خلعت عطا فرماتے ہوئے درج ذیل مکتوب لکھا:

"محبی و مشفقی مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ الحمد اللہ ایک مدت مدید سے احقر کے ساتھ آپ کا رابطہ اخلاص و محبت و حسن ارادت قائم ہے جو باعث مسرت بھی ہے، باعث تقویت بھی،اللہ تعالیٰ نے آپ کو فراست دین اور نسبت باطنی سے نوازا ہے یہ محض اللہ کا فضل عظیم ہے حالانکہ آپ کے مرشد کامل کی طرف سے آپ کو شرف خلافت حاصل ہے، میرا جی چاہتاہے کہ میں بھی اظہار مسرت اور آپ کی قلبی طمانیت کے لئے اپنی طرف سے بھی آپ کے لئے تجدید اجازت کر دوں۔اللہ تعالیٰ اس کو ظاہری و باطنی خیر وبرکت کا باعث بنادیں۔ آمین(41)

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ عارفی نو راللہ مرقدہ کا وصال ۵۱ رجب ۱۴۰۶ ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۹۸۶ بروز جمعرات کو ہوا۔حضرت مولانا یوسف لد ھیانوی شہیدؒ کو اپنے مشائخ کی نسبتیں اور توجہات حاصل تھیں اس با رے میں مفتی خالد محمو د صاحب مد ظلہ لکھتے ہیں:

"حضرت کی تر بیت ان عظیم اکابر اور شیو خ کے سایہ عاطفت میں اس طر ح ہوئی کہ ان شیو خ نے اپنی توجہات اور بھر پو رشفقتوں اور عنا یتوں سے آپ کو نوازا، ان ہی اکابر و شیو خ کی برکات و نظر کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذا ت میں بھی وہی صفات اور جو ہر پیدا کر دیئے ہیں جن اوصاف سے یہ حضرات متصف تھے، اور حضرت والا نے ہمیشہ اپنے اکابر کی لاج رکھی اور ان کے اعتماد پر پورے اترےاور اپنے شیو خ کے بتائے ہوئے خطو ط پر ہمیشہ ز ندگی بھر تعلیم و تد ریس اور اصلاح و ارشاد کا کام سر انجام دیتے رہے اور اپنے اکا بر کے فیض کو ہر جگہ پھیلایا۔" (42)

مصادر ومراجع

(1)القرآن

(2)القرآن

(3)شخصیات وتاثرات جلد اوّل ص۴۸۲

(4) آپ بیتی جلد اول، ص۵۴۔۵۵

(5)بینات ص۳۳

(6)بینات ص۴۳

(7)بینات ص۴۱۳

(8)بینات ص۵۱۳

(9)بینات ص۳۳

(10)بینات ص۴۳

(11) شخصیات وتاءثرات ص۲۳۱

(12) بیس مردانِ حق ص۴۵

(13) بیس مردانِ حق ص۷

(14) بیس مردان حق ص۷۶۔۸۶

(15) شخصیات وتاثرات ص۱۳۷

(16) قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث ص۴۲۔۵۲

(17) قطب الاقطاب شیخ الحدیث ص۱۲۳

(18) قطب الاقطاب شیخ الحدیث ص۲۲۳

(19) شخصیات وتاثرات ص۲۰۰

(20) بینات لدھیانوی نمبر ص۹۷

(21) قطب الاقطاب ص۹۲

(22) شخصیات وتاثرات ص۲۴۱

(23) شخصیات وتاثرات ص۵۴۱

(24) شخصیات وتاثرات ص۱۵۸۔۱۵۹

(25) سوانح وافکار حضرت بنوریؒ ص۳۷

(26) بینات حضرت بنوری نمبر ص۱۸

(27) بینات حضرت بنوری نمبر ص۳۶۸۔۳۶۹

(28) معارف السنن ج۱ ص۹

(29) سوانح وافکار حضرت بنوری ص۴۰

(30) معارف السنن ج۱ ص۱۱

(31) شخصیات و تاثرات ج ۱ ص ۴۸۔۴۹

(32) بینات بنوری نمبر ص ۳۶۴۔۳۶۵۔۳۶۶

(33) بینات بنوری نمبر ص ۳۶۸

(34) بینات حضرت بنوری نمبر ص ۳۶۹

(35) بینات حضرت بنوری نمبر ص ۵۴۰

(36) بینات حضرت بنوری نمبر

(37) شخصیات و تاءثرات ص ۳۹۲

(38) شخصیات و تاثرات ص ۴۹۲

(39) شخصیات و تاثرات ص ۹۹۲

(40) بینات حضرت یوسف لدھیانوی نمبر ص ۰۱۱

(41) بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۲۱۱

(42) بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۲۱۱

باب دوم: تدریسی و تصنیفی خدمات

فصل اول: تدریسی خدمات

درس و تدریس کا سلسلہ جس طرح تسلسل اور خاص شان کے ساتھ علماء امت محمدیہ کو ملا ہے اس کی نظیر اقوام عالم میں نہیں ملتی۔ اس شعبہ میں سلف و خلف نے جو خدمات اور اس عظیم روایت کو قائم و دوائم رکھنے کے لئے جن مشقتوں آزمائشوں اور کٹھن مراحل و سنگینیوں کا سامنا کیا وہ تمام خدمات و مراحل اسلام و مسلمین کی تاریخ کا درخشاں و تابندہ ستارہ اور امت مسلمہ کے ماتھے کا جھومر ہے مسلمانوں کے عروج کے زمانے میں جب اطراف عالم میں ہر جانب مسلمانوں کی حکومت و سلطنت شان و شوکت و عظمت کا غلغلہ تھا اور جس سمت نظر اٹھائی جاتی وہاں اسلامی پھریرا لہراتا ہو اسلام کے عظیم سپوتوں کو سلامی پیش کرتا تھا تو اس دوران حکومتِ وقت و خلیفہ مسلمین کی طرف سے ہر ملک و شہر میں ایک مدرسہ سرکاری خرچ پر قائم کیا جاتا اور اس کے علاوہ ہر بستی میں ایک چھوٹا مکتب قائم ہوتا اور تمام درس و تدریس کے اخراجات اساتذہ کی تنخواہیں، طلبہ کے اخراجات تمام انتظام اسلامی خلافت کی طرف سے کیا جاتا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں کا عروج زوال پذیر ہوا اور مسلمان پستی اور تنزلی کی راہ پر جا لگے، مختلف ممالک سے مسلمانوں کے تسلط اور نگہبانی کا انخلاء ہوا تو ان ممالک میں خاص طور پر اور تمام اسلامی ممالک میں عام طور پر مدارس، درس و تدریس کا نظام متأثر ہونے لگا اور بعض مواضع اور مقامات پر یہ نظام انتہائی دشوار ہو گیا۔ اور بعض اسلامی سلطنت میں خاص مزاج وطبعیت والے امراء کے برسرِ اقتدار آنے سے بھی احباب درس و تدریس کو مسائل و آزار کا سامنا ہوا لیکن اس راہ کے راہی، درس و تدریس کے میدان کے شہسوار، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نعرہ مستانہ لگانے والے مسافر اسی راہ کی دشواریوں، سنگین وادیوں، سفر کی صعوبتوں، کو برداشت کرتے رہیں اور درس و تدریس کے مشغلے کو جاری رکھا۔ یہی سب کچھ برصغیر کے علماء مدرسین کو پیش آیا۔ لیکن علماء پاک وہند انتہائی بے سروسامانی کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دے رہے ہیں۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ بھی اسی میدان کے شہسوار ہیں مولانا کی شخصیت جامع الکمالات تھی، علمی، عملی، ادبی اور روحانی میدان میں کون سا ایسا شعبہ تھا جس میں مولانا حظِ وافر اور ید طولیٰ نہ رکھتے ہوں۔ اور تدریس کے میدان میں مولانا لدھیانویؒ نے جب قدم رکھا تھا تو علمی، و تحقیقی شیفتگی کی بہاریں قائم کر دی بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی

تدریسی خدمات کا ذکر کرنے سے پہلے تدریس کی صفات کا کچھ تذکرہ کیا جائے جس کے تناظر میں مولانا کی تدریسی خدمات کس پائے اور اعلی مقام کی تھیں قارئین کے لئے اندازہ کرنا آسان ہو گا۔

تدریس کے اوصاف:۔

سرورِ دوعالم حضرت محمد ﷺ پوری انسانیت کے لئے نبی الرحمۃ اور عظیم و مثالی معلم و مدرس بنا کر مبعوث ہوئے۔ ایسے معلم جن کی تربیت کے ذریعہ بہت مختصر مدت یعنی تیئیس سال کے عرصہ میں تمام عرب و عجم کی کایاپلٹ گئی اور پوری دنیا میں رشد وہدایت کے ایسے چراغ روشن کئے جو رہتی دنیا تک انسانیت کو عدل و انصاف امن و سکون اور عافیت و اطمینان کی راہ دکھاتی رہیں گی۔

حضور ﷺ کی محنت و تربیت کے خوبصورت اسلوب نے عالم میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اثر انگیز تعلیم و تربیت سے صرف تیئیس سال کی مختصر مدت میں سارا عرب حلقہ بگوش اسلام ہوا جس کے ہمہ گیر اثرات نے ان لوگوں کو بھی انگشت بدنداں کر دیا جو آپؐ کے سخت مخالف رہے۔ آپؐ کی تعلیم و تربیت کا یہ حیرت انگیز کرشمہ ہی تھا کہ انتہائی قلیل مدت میں اسلام عرب کے صحرا سے گذر کر عجم کے بیانوں تک پہنچا، کیا عرب کیا عجم سبھی اسلام کے زیر نگین ہوگئے۔ سیرت کی کتب مطالعہ کرنے سے حضور ﷺ میں بحیثیت معلم بہت صفات تھیں۔ اور آپؐ کی زندگی کی یہ صفات ہر معلم و مدرس کے لئے اسوہ اور نمونہ ہیں کیونکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

ترجمہ: تحقیق تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔

چنانچہ ہم یہاں آپ ﷺ کی سیرت سے ماخوذ چند اوصاف ذکر کریں گے۔

ا۔ تعلیم بالعمل:۔

ا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تعلیم کا سب سے اہم اور واضح طریقہ اور صفت تعلیم بالعمل ہے آپ ﷺ نے امت کو اپنی سیرت اور اخلاق سے تعلیم دی نبی کریم ﷺ جب کسی کام کا حکم فرماتے تو پہلے آپؐ بذات خود اس پر عمل کرتے۔ پھر لوگ اس پر عمل کرتے اور آپؐ کے عمل سے راہنمائی لیتے۔

ڈاکٹر عبد الفتاح ابو غدۃ نے اپنی کتاب الرسول المعلم میں اصابہ فی تمیز الصحابہ للحافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر بن عاص کو عمان کے بادشاہ جلندی کی طرف اسلام کی دعوت کے لئے بھیجا۔

روایت ملاحظہ کیجئے۔

عن ابن اسحاق ان النبی ﷺ بعث الیہ عمرو بن العاص یدعوہ الی الاسلام، فقال "لقد دعوتنی علی ھذا النبی لامی: أنہ لا یامر بغیر الا کان اول آخذ بہ، و لا ینھی عن شر الا کان اول تارک لہ۔(1)

ترجمہ: ابن اسحاق نے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے حضرت عمرو بن عاص کو (شاہ عمان) کی طرف اسلام کی دعوت کے لئے بھیجا، تو انہوں نے کہا کہ (عمرو بن عاص نے) میری راہنمائی اس نبی امی پر کی کہ جب وہ کسی خیر کا حکم کرتے تو سب سے پہلے خود عمل کرتے اور جب کسی برائی سے منع کرتے تو سب سے پہلے خود اس سے دور رہتے۔ خود عمل کر کے سکھانا یہ وصف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نمایاں وصف ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے

عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال اتانا رسول ﷺ فی مسجدنا ھذا، و فی یدہ عرجون ابن طالب فرأی فی قبلۃ المسجد نخامۃ فحکھا بالعرحون ۃ ثم اقبل علینا فقال: ایکم یحب ان یعرض اللہ عنہ؟ قال فخشینا ثم قال ایکم یحب ان یعرض عنہ؟ قال: فخشینا ثم قال: ایکم یحب أن یعرض اللہ عنہ؟ قلنا لا اینا یا رسول اللہ قال فان احدکم اذا قام یصلی فان اللہ تبارک و تعالیٰ قبل و جھہ فلا یبصقن قبل و جھہ، و لا عن یمینہ و لیبصق عن یسارہ تحت رجلہ الیسری، فان عجلت بہ بادرۃ فلیفعل بثوبہ ھکذا، ثم طوی ثوبہ بعضہ علی بعض۔(2)

ترجمہ: حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس ہماری اس مسجد میں آئے آپ ﷺ کے ہاتھ میں ابن طالب کی کھجور کی لکڑی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی جانب رینٹھ دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑی سے اسے کھرچ دیا۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم میں سے کون یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ اس اعراض (رحمت سے دور) کرے تو ہم ڈر گئے پھر آپ ﷺ نے دوبارہ پھر سے بارہ اسی طرح فرمایا ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے، پس وہ اپنے سامنے اور دائیں جانب نہ تھوکے (اگر تھوکنے کی ضرورت) تو چاہیئے کہ اپنے بائیں جانب بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے، اگر جلدی ہو جائے تو اپنے کپڑے میں اس طرح کرے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے ایک حصہ کو دوسرے پر لپیٹا۔

غرض تعلیم و تدریس کا سب اول طریقہ عمل کر کے سکھانا ہے جو طالب کے قلب و ذہن میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔

۲۔ اعتدال:۔

۲۔ دوسرا طریقہ یا دوسری صفت یہ ہے کہ تدریس و تعلیم میں اعتدال پر رہنا حد سے تجاوز نہ ہو کہ متعلم و سامع اکتاہٹ محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں ذکر کیا:

عن شقيق ابی وائل قال: کنا جلوساً عند باب عبد اللہ بن مسعود ننتظرہ، فمر بنا یزید بن معاویۃ النخعی، فقلنا أعلمہ بمکاننا فدخل علیہ، فلم یلبث ان خرج علینا عبد اللہ، فقال انی اخبر بمکانکم فما یمنعنی ان اخرج الیکم الا کراھیۃ ان املکم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یتخولنا بالموعظۃ فی الایام فحافۃ السامۃ علینا (3)

ترجمہ: حضرت ابو وائل کہتے ہیں کہ ہم عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے کے پاس بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے ہمارے پاس سے یزید بن معاویہ نخعی گزرے ہم نے کہا کہ آپ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ہمارا یہاں (انتظار میں) بیٹھنا بتایئے وہ ان کے پاس گئے تو جلد ہی ہمارے پاس عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور فرمایا کہ مجھے تمہارے اس جگہ بیٹھنے کی خبر دی گئی اور تمہارے پاس آنے سے مجھے اس بات نے روکا کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ تمہیں اکتاہٹ میں ڈال دوں۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنوں میں نصیحت کرنے میں ہماری رعایت فرماتے تھے ہم پر اکتاہٹ کہ خوف سے۔

اسی طرح آپ علیہ السلام نے امت کو بھی ہی یہی تعلیم دی کہ جو بھی کوئی اس عظیم منصب پر فائز ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ شعبہ تعلیم وتدریس کے لئے قبول فرمائے تو وہ بھی اپنے پڑھنے والوں پر آسانیاں اور نرمی کا برتاؤ کرے اور متعلمین کو اپنے کسی طرز عمل سے منفرد نہ کرے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے:

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: یسروا ولا تعسروا، وبشروا ولا تنفروا۔"

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آسانیاں فراہم کرو، تنگیاں پیدا نہ کرو، خوشخبریاں عام کرو نفرتیں پیدا نہ کرو۔

الغرض تدریس وتعلیم کی دوسری صفت اعتدال پر رہنا ہے۔

۳۔ واردین کی رعایت کرنا:۔

۳۔ تیسری صفت متعلمین میں سے ہر فرد کی علیحدہ طور پر رعایت کرنا اس سے مراد یہ ہے کہ ہر سائل کو اس کی سمجھ اور حال کے مناسب جواب دینا اور ہر شخص کو انہی باتوں کی ابتدائی طور پر تعلیم دینا جس کو وہ آسانی سے سمجھ سکے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ:

عن انس بن مالک ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ بن جبل ردیفہ علی الرحل قال یا معاذ: قال: لبیک رسول اللہ وسعدیک قال: یا معاذ قال لبیک یا رسول اللہ وسعدیک قال یا معاذ! قال لبیک رسول اللہ وسعدیک قال: ما من عبد یشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمد عبدہ ورسولہ صدقا من قلبہ الا حرمہ اللہ علی النار۔ قال یا رسول اللہ افلا اخبر بہ الناس فیستبشروا!؟ قال لا اذاً یتکوا (4)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت معاذؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ! عرض کیا: اے اللہ کے رسول میں حاضر ہوں۔ (تین بار آپ نے اسی طرح آواز دی حضرت معاذؓ نے اسی طرح ہر بار جواب دیا) فرمایا: جو بھی کوئی بندہ صدق دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ تو اللہ اس کو آگ (جہنم) پر حرام کر دیتا ہے حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ! اے اللہ کے رسول کیا میں لوگوں کو یہ بات بتادوں تاکہ وہ خوش ہو جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں ورنہ وہ اسی پر بھروسہ کرلیں گے۔

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فردی رعایت فرماکر حضرت معاذؓ کو یہ بات ارشاد فرمائی اور دیگر لوگوں کو اطلاع کرنے سے منع فرمایا حضرت معاذؓ نے بھی یہ حدیث اپنے انتقال سے چند ایام پہلے بتائی۔

۴۔ سوال و مکالمہ:۔

۴۔ تدریس و تعلیم کی چوتھی صفت سوال و مکالمہ کے ذریعے تعلیم یعنی سامعین و متعلمین کو شوق دلانے کے لئے حاضرین مجلس سے سوال کرنا پھر خود ہی اس کا جواب دینا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے:

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول:

تدرون من المسلم؟ قالو ! اللہ و رسولہ اعلم، قال المسلم من سلم المسلمون من السانہ و یدہ۔قال تدرون من المؤمن؟ قالو: اللہ و رسولہ اعلم، قال من أمنہ المؤ منون علی انفسھم و اموالھم، و المھاجر من ھجر السوء فا جتنبہ۔ہ(5)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ نے روایت کیا کہ میں نے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فرمایا: تم جانتے ہو مسلم کون ہے؟ (صحابہؓ نے) عرض کیا اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ پھر فرمایا: تم جانتے ہو مومن کون ہے؟ (صحابہ نے) عرض کیا اللہ اور رسول خوب جانتے ہیں فرمایا وہ شخص جس سے دوسرے مومن اپنی جان اور مال پر بے خوف رہیں۔ اور (حقیقی) مہاجر وہ ہے جو برائی کو چھوڑ دے اور اس سے اجتناب کرے۔

یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے از خود سوال فرمایا سامعین میں شوق بڑھانے کے لئے تاکہ سامعین جواب پانے کے لئے زیادہ شوقین ہو جائیں۔

۵۔ عقلی موازنہ اور قیاسات کے ذریعہ تعلیم دینا۔

بعض اوقات متعلم اور سائل سے سوال وجواب کر کے قیاساً سمجھایا جاتا ہے تاکہ ذہن میں موجود باطل کا وھم وخیال مٹ جائے اور حق کا رسوخ دل میں ہو جائے۔

حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے زنا کی اجازت دیجئے اس کی یہ بات سن کر صحابہ ناراض ہو کر اسے سخت باتیں کہنے لگے آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو اور اس شخص کو اپنے قریب بلایا اور فرمایا کیا تو یہ عمل اپنی ماں کے لئے پسند کرتا ہے کہ کوئی اس کے ساتھ یہ فعل کرے۔ عرض کیا اللہ کی قسم نہیں پسند کرتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ لوگ بھی اس کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کی ماؤں کے ساتھ یہ عمل کریں۔ پھر آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کیا تو یہ عمل اپنی بیٹی کے لئے پسند کرتا ہے عرض کیا: یا رسول اللہ اللہ کی قسم نہیں پسند کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ بھی اسکو پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کی بیٹیوں کے ساتھ یہ عمل کرے اسی طرح آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے تمام محرم رشتے گنوا کر سمجھایا اور وہ شخص انکار کرتا رہا۔

پھر نبی کریم صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس شخص پر اپنا دست مبارک رکھ کر دعاء فرمائی کہ:

اللهم اغفر ذنبه و طهر قلبه و حصن فرجه

ترجمہ: اے اللہ اس کے گناہ معاف فرما اس کے دل کو پاک فرما اور شرمگاہ کی حفاظت فرما۔ اس کے بعد اس شخص کو اس گناہ سے شدید نفرت ہو گئی۔

٦۔ تعلیم بالتدریج:۔

حضور اکرم صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے طریقہ تعلیم میں ایک بہت اہم بات یہ ملتی ہے کہ آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تدریجا تعلیم کی رعایت فرماتے تھے۔ سب سے اہم چیز کی تعلیم کو مقدم فرماتے آپ تھوڑا تھوڑا کر کے سکھاتے تاکہ لوگوں کے لئے بات کو لینا، سمجھنا اور یاد کرنا آسان ہو۔

چنانچہ حضرت جندب بن عبد اللہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں

"كنا مع النبي صلى الله عليه وآله وسلم و نحن فتيان حزاورة، فتعلمنا الايمان قبل ان نتعلم القرآن، ثم تعلمنا القرآن فازددنا به ايماناً۔(6)"

ترجمہ: ہم نبی صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ تھے ہم (اس وقت) نوعمر تھے تو آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ہمیں اس سے پہلے کہ ہم قرآن سیکھتے ایمان (کی حقیقت کو) سکھایا، پھر قرآن (سیکھنے سے) ہمارا ایمان اور بڑھ گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک صرف ایمانیات کے متحمل تھے تب تک ایمان کی حقیقت کو دلوں میں رچایا اور بسایا گیا اس کے بعد آپ ﷺ نے مزید قرآن پاک کے احکام و مضامین بتائے سکھائے۔ اسی طرح ایک اور روایت ابن عباسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

"ان النبی ﷺ بعث معاذا الی الیمن، فقال انک ستأتی قوماً من اھل الکتاب، فادعھم الی شھادۃ ان لا الہ الا اللہ و أنی رسول اللہ۔ فان اطاعوا لذالک فاعلمھم ان اللہ افترض علھم صدقۃ، تؤخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم۔ فان ھم اطاعوا لذالک فایاک و کرائم اموالھم واتق دعوۃ المظلوم، فانہ لیس بینھا و بین اللہ حجاب۔(7)"

ترجمہ: بیشک نبی ﷺ نے معاذؓ کو یمن بھیجا، اور فرمایا کہ تم اھل کتاب کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے، تو انہیں (پہلے) اس کی دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ " اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں، اگر وہ اس کو مان لیں تو انہیں بتا نا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی، اور ان کے غرباء پر (تقسیم) لوٹائی جائے گی، اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو تم ان کے عمدہ مال (کو لینے) سے بچنا اور مظلوم کسی بد دعا سے ڈرنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان پردہ نہیں۔

مذکورہ حدیث میں بھی تعلیم دی جارہی ہے کہ ان تھوڑے تھوڑے احکام بتائے جائیں۔

ایک اور روایت میں ہے، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں

"کان لرجل منا اذا تعلم عشر آیات لم یجاوزھن حتی یعرف معانیھن و العمل بھن۔(8)

ترجمہ: ہم میں سے جب کوئی آدمی دس آیات سیکھ لیتا تو اس سے آگے نہیں بڑھتا یہاں تک کہ اس کے معانی اور عملی باتیں نہ جان لے۔

یعنی تھوڑا تھوڑا سیکھ کر ذہن نشین کیا جاتا پھر اس پر مکمل عمل کرے پھر مزید سیکھتے تھے۔

۷۔ قیاس سے سمجھانا:۔

حضور اکرم ﷺ کبھی کبھی احکامات کو قیاس اور علل بیان فرما کر سمجھاتے اور مثال سے بات واضح فرماتے تھے تا کہ سامعین کو شرعی حکم اچھی طرح سمجھ آجائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھہ سے روایت مروی ہے۔

"ان اسراۃ من جھینۃ، جاءت الی النبی ﷺ فقالت: ان امی نذرت، ان تحج، فلم تحج حتی ماتت، افأحج عنھا؟ قال: نعم حجی عنھا، ارایت لو کان علی امک دین اکنت قاضیتہ؟ قالت نعم، فقال اقضو اللہ الذی لہ، فان اللہ احق بالوفاء۔(9)"

ترجمہ: قبیلہ جھینہ کی ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری ماں نے نذر مانی تھی کہ وہ حج کریں گی، پس وہ حج نہ کر سکی کہ انتقال کر گئی، کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں (آپ ﷺ نے) فرمایا: جی ہاں! ان کی طرف سے حج کر لو۔ اور تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر آپ کی والدہ پر قرض ہوتا تو آپ اس کو ادا کرتی؟ عرض کیا: جی ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کو ادا کرو جو اس کا حق ہے، بیشک اللہ وفاء کا زیادہ حق دار ہے۔

مذکورہ روایت میں حضور ﷺ نے قیاس سے صحابیہ کو شرعی حکم کی وضاحت سمجھائی۔

۸۔ تشبیہ اور مثال:۔

حضور اکرم ﷺ کے طریقہ تعلیم ایک بہت عمدہ اور پیارا طریقہ تشبیہ اور مثال دے کر سمجھانا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

"قال رسول ﷺ: مثل المؤمن الذی لا یقرأ القرآن کمثل التمرة، طعمها طیب لا ریح لها، و مثل الفاجر الذیقرأ القرآن کمثل الریحانة ریحها طیب و طعمها مز، و مثل الفاجر الذی لا یقر القرآن کمثل الحنطلة ، طعمها مر، و لا ریح لها۔ (10)"

ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اس مؤمن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے (اترنج پھل) کی ہے کہ اس کی خوشبو اچھی اور ذائقہ بھی اچھا، اور اس مؤمن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا، کھجور کی ہے کہ اس کا ذائقہ اچھا ہے (پر) خوشبو نہیں ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے گل ریحانہ کی ہے کہ خوشبو اچھی ہے اور ذائقہ کڑوا ہے، اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا حنظل پھل کی ہے کہ جس کا ذائقہ بھی کڑوا اور خوشبو بھی نہیں۔

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار قسم کے افراد کی صفت خاص کو کسی اور مرئی چیزوں سے تشبیہ دے کر مثال سے سمجھا رہے ہیں کہ ایک ناخواندہ انسان بھی جب یہ بات سنے تو اسے ان چاروں قسم کے لوگوں امتیاز و تفاوت واضح سمجھ آجائے۔ اسی مذکورہ حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں آپ ﷺ نے نیک و بد صحبت کے نتائج و اثرات کو تشبیہ اور مثال سے بیان فرمایا جو مندرجہ ذیل ہے

"و مثل الجلیس الصالح کمثل صاحب المسک ان لم یصبک منہ شئ، اصابک من ریحہ، و مثل جلیس السؤ کصاحب الکیر ان لم یصبک من سوارہ اصابک من دخانہ۔ (11)"

ترجمہ: نیک ہمنشین کی مثال ایسی ہے جیسے صاحب مشک، کہ اگر تجھے اس میں سے کچھ نہ بھی ملے تو خوشبو تو ملے گی، اور برے ہمنشین کی مثال ایسی ہے جیسے بھٹیارہ، کہ اس کی کالک نہ بھی ملے، دھواں تو تجھے ملے گا۔

۹۔خط کھینچ کر سمجھانا:۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض موقعوں پر اپنے صحابہ کو خط کھینچ کر یا انگلی سے زمین پر نشانات ڈال کر بھی تعلیم فر مائی ہے۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"کنا جلوساً عند النبی ﷺ، فخط بیدہ فی الارض خطا ھکذا امامہ، فقال: ھذہ سبیل اللہ عز و جل و خط خطین عن یمینہ، و خطین عن شمالہ، و قال ھذہ سبل الشیطان، ثم وضع یدہ فی الخط الاوسط، ثم تلا ھذہ الایۃ: و ان ھذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ، و لا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ، ذلکم وصاکم بہ لعلکم تتقون۔"

ترجمہ: ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سامنے کی جانب اس طرح ایک لکیر کھینچی، پھر فرمایا: کہ یہ اللہ کا راستہ ہے، اور دو لکیر دائیں طرف کھینچی، اور دو لکیر بائیں طرف کھینچی اور فرمایا: یہ شیطانی راستے ہیں ، پھر اپنا ہاتھ درمیانی لکیر پر رکھا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ایک اور روایت میں ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

"خط النبی ﷺ خطا مربعًا، و خط خطا فی الوسط خارجًا منہ، و خط خطوطا صغارا الی ھذا الذی فی الوسط من جانبہ الذی فی الوسط، فقال: ھذا الانسان، و ھذا أجلہ محیط بہ، و ھذا الذی ھو خارج أملہ و ھذہ الخطوط الصغار: الاعراض، فان اخطأہ ھذا نھشہ ھذا، و ان اخطأہ کلھا اصابہ الھزم۔(12)"

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع لکیر کھینچی، اور ایک لکیر درمیان میں کھینچی جو اس مربع سے باہر نکل رہی تھی ، اور (چند) چھوٹی لکیریں درمیان میں اسی طرف کھینچی اور فرمایا: یہ انسان ہے اور یہ (مربع لکیر) اس کی موت ہے جو اسے گھیرے ہوئی ہے، اور یہ (لکیر) جو مربع سے باہر جا رہی ہے وہ اس کی امید ہے، اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں حوادثات و مصائب ہیں اگر اس سے بچ جائے تو یہ اسے اچک لے، اور اگر اس (دوسری مصیبت) سے بچ جائے تو یہ (کوئی اور مصیبت) اچک لے۔ اگر تمام مصائب سے بچ بھی جائے، تو موت آلیتی ہے۔

مذکورہ دونوں حدیثوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر لکھ کر بیان فرمایا کہ انسان کی زندگی محدود اور امیدیں طویل ، پھر اس میں مصائب و حوادث بھی پے درپے آتے رہتے ہیں، اگر مصائب نہ بھی آئیں لیکن موت تو آنی ہی ہے۔

۱۰۔ تعلیم بالاشارہ:۔

تعلیم کے ذرائع ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ گفتگو کے ساتھ ساتھ مناسب اشارے بھی کئے جائیں تاکہ سامعین متنبہ رہیں اور ان پر بات مکمل واضح ہوں۔

حضور اکرم ﷺ کا بھی یہی طرز تھا کہ آپ ﷺ گفتگوں کے درمیان اپنے دست مبارک سے اشارے سے بھی فرماتے تھے چنانچہ ابو موسی اشعری ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

''المؤمن للمؤمن کا لبنیان یشد بعضہ بعضًا ثم شبک رسول اللہ بین اصابعہ۔(13)''

ترجمہ: ایک مومن دوسرے مؤمن کے لئے ایک عمارت کی طرح ہیں کہ بعض نے بعض کو مضبوط کیا ہوا ہے پھر اللہ کے رسول ﷺ نے (ایک ہاتھ کی) انگلیوں کو (دوسرے ہاتھ کی) انگلیوں میں ڈال کر سمجھایا۔

ایک اور روایت میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انا و کافل الیتیم فی الجنۃ کھاتین و اشار باصبعیہ السبابۃ و الوسطی و فرج بینھما شیئًا۔''

ترجمہ: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت اور درمیانی انگشت سے اشارہ فرمایا اور دونوں میں تھوڑا فاصلہ کیا۔

مذکورہ دونوں احادیث میں آپ ﷺ نے کلام فرمانے کے ساتھ ہاتھ سے اشارہ بھی فرمایا تاکہ سامعین کو بات ذہن نشین ہو جائے۔

۱۱۔ منہیات سے روکنا ہاتھ کے ذریعہ:۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کے طریقہ میں ایک یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ منہیات و منکرات سے روکتے تو منع کردہ چیزیں آپ ہاتھ میں لے کر ان چیزوں پر لکیر فرماتے اور ان کی حرمت بتاتے تاکہ حرمت کی تاکید میں مفید ہو۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''اخذ رسول ﷺ حریرا بشمالہ و ذھبا بیمینہ ثم رفع بھما یدیہ فقال: ان ھذین حرام علی ذکور امتی حل لاناثھم۔(14)''

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم اپنے بائیں ہاتھ میں، اور سونا اپنے دائیں ہاتھ میں لیا، پھر اپنے ہاتھ میں لے کر انہیں اٹھایا اور فرمایا: بیشک یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور ان کی عورتوں کے لئے حلال ہے۔

۱۲۔ سوال کے بغیر فائدہ دینا:۔

تعلیم کے طریقوں میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مخاطب کے حال کے مناسب اس کے سوال کئے بغیر فائدہ کی غرض سے بات بتانا، خاص کر ایسی باتیں جو عمومی ہوں لیکن کسی وجہ سے ہر شخص نہ پوچھ سکتا ہو۔ تو ایسے موقع پر از خود فائدہ کی بات بتادینا۔ یہ طریقہ تعلیم بھی حضور اکرم ﷺ کے طریقہ تعلیم ہی سے امت کو ملا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یاتی الشیطان أحد کم فیقول: من خلق کذا و کذا؟ حتی یقول له: من خلق ربک؟ فاذا بلغ ذالک، فلیستعذ باللہ و لینته۔ (15)"

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم میں سے کسی کے پاس شیطان آئے گا (وسوسہ ڈالنے) اور کہے گا کہ وہ کس نے پیدا کیا، یہ کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ بندہ سے کہہ دیتا ہے (وسوسہ کے لئے) کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ پھر جب اس تک پہنچے تو اللہ سے پناہ مانگو اور (سوچنے) سے رُک جاؤ۔

ایک اور روایت میں ہے:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یزال الناس یتاءلون حتی یقال ھذا، خلق اللہ الخلق، فمن خلقه اللہ؟ فمن وجد من ذالک شئیا، فلیقل امنتُ باللہ۔ (16)"

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ مسلسل ایک دوسرے سے سوال کرتے رہتے ہیں (مخلوق کے بارے میں) یہاں تک کہ یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ نے مخلوقات کو پیدا کیا، پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ پس جو کوئی بھی یہ (وسوسہ) محسوس کرے اسے چاہیے کہ وہ یہ پڑھے "آمنت باللہ" یعنی میں اللہ پر ایمان لایا۔

مذکورہ حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ایسی بات کی وضاحت از خود ہی بیان فرمادی، کیونکہ یہ ایسی بات ہے اللہ کے بارے میں وسوسوں کا آنا کہ ہر شخص ان وسوسوں کو خود بیان نہیں کر سکتا، اور اکثر لوگوں کے وہم میں شیطان ایسے وسوسے ڈالتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سراپا رحمت ہی رحمت ہیں آپ نے امت پر شفقت فرمائی اور امت کی ضروریات کو اکثر خود ہی بیان فرمادیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تعلیم انتہائی آسان اور عام فہم تھا، دنیا نے حقیقت میں تعلیم دینے کے صحیح انداز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سیکھا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوں کہ آپ کو ہادی ورہنما بنا کر بھیجا گیا۔

ہم نے یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین طریقہائے تعلیم میں سے چند طریقے بطور نمونہ وبرکت کے لئے ذکر کئے ہیں وگرنہ آپ ﷺ کے انداز و تعلیم کے طریقے بہت زیادہ ہیں۔

مندرجہ بالا تدریس کرنے والے افراد و اساتذہ کے لئے ضروری چند صفات آپ ﷺ کی زندگی سے اسوہ اور نمونہ کے طور پر "مشتے از خروارے" کے نقل کئے ہیں جن کی تفصیلات کے لئے اس موضوع کی مطول کتب دیکھی جا سکتی ہیں اس کے ساتھ یہاں پر تدریس کے چار بنیادی اصول کا تذکرہ بھی مفید ہو گا جس کو مفتی حنیف صاحب نے اپنی کتاب مثالی استاذ میں درج کیا۔ چنانچہ تدریس کے چار بنیادی اصول ہیں جب تک ان چار بنیادی اصول کے ستون فراہم نہیں ہونگے عمدہ تدریس کی عمارت کھڑی نہیں ہو سکے گی وہ چار اصول یہ ہیں۔

۱۔ مضمون درس اور نفس سبق پر قدرت:

جو سبق آپ نے پڑھانا ہے، ضروری ہے کہ پہلے آپ خود اسے اچھی طرح سمجھے ہوں، اس کے لئے ضروری معلومات آپ کے پاس ہوں۔ اس کے متعلق جو شبہات اور سوالات ایک طالب کے ذہن میں آسکتے ہیں ان کی اور ان کے حل و جوابات کی تفصیل آپ کے ذہن میں ہو۔ ظاہر ہے یہ چیز اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب آدمی نے متعلقہ سبق کے لئے بھرپور مطالعہ اور تیاری کی ہو۔(17)

مطلب یہ کہ تدریس کرنے والے کو سبق پڑھانے سے پہلے خوب اور بھرپور مطالعہ کرنا چاہیے بغیر مطالعہ یا سرسری مطالعہ سے سبق نہ پڑھائے، حضرت دوسرے اصول کے بارے میں لکھتے ہیں

۲۔ تعبیر:

اچھی تدریس کی دوسری بنیاد" تعبیر اور اظہار مافی الضمیر" پر قدرت ہے یعنی جس سبق کا آپ نے مطالعہ کیا ہے تیاری کی ہے آپ خوب صورت اسلوب اور دل نشین انداز میں وہ طلبہ کے سامنے بیان کر سکیں، صحیح، اور واضح اور دل نشین تعبیر اور انداز بیان کے بغیر عمدہ تدریس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔(18)

موصوف اسی عنوان کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کچھ سطور بعد رقمطراز ہیں کہ!

"اظہار مافی الضمیر کی صلاحیت" سے مراد، وہ خطیبانہ صلاحیت نہیں جو وعظ و ارشاد، جلسوں اور جمعوں کے خطبوں میں کام آتی ہے وہ ایک مختلف چیز ہے اور اس کے صول اور تقاضے بھی الگ ہیں بلکہ اس سے مراد مدرّسانہ صلاحیت ہے جس کا اظہار مسند درس پر بیٹھ کر ہوتا ہے۔(19)

ظاہر بات ہے کہ ایک مدرس کے لئے ضروری ہے کہ اس میں احسن تعبیر کرنے کا ملکہ ہو۔ تاکہ طلبہ و متعلمین کے لئے سبق کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

۳۔ نظم ترتیب:۔

تدریس کا تیسرا اصول نظم ترتیب قائم رکھنا اس کی وضاحت میں صاحب کتاب مثالی استاذ نے کیا لکھا ملاحظہ کیجئے۔

" عمدہ تدریس کے لئے تیسرا بنیادی اصول " نظم و ترتیب " ہے یعنی آپ نے درس کے لئے جو مطالعہ کیا ہے اور سبق کے متعلق جو کچھ آپ طلبہ کے سامنے کہنا چاہتے ہیں، ضروری ہے کہ اس میں آپ نے ذہنی خاکہ بنا کر ایک ترتیب اور نظم قائم کرلی ہو کہ کون سی بات کہاں کہنی ہے اور کون سی بحث کس بحث سے پہلے یا بعد میں کرنی ہے۔(20)

یہ امر لابدی ہے کہ کوئی بھی مضمون یا سبق کتنے ہی عمدہ معانی و مفاہیم اور مطالب کو حسین ترتیب موتیوں میں سمیٹے ہوئے ہوں لیکن ان کی " نظم و ترتیب " نہ کی گئی ہو تو ساری خوبصورت عبارتیں و مضامین بے فائدہ ہوتے نظر آتے ہیں۔ تدریس کے اصول میں سے چوتھا اصول " طلبہ کے معیار و مستوی کی رعایت رکھنا ہے اس سلسلے میں مصنف "مثالی استاذ لکھتے ہیں۔

" تدریس میں طلبہ کے معیاراور مستوی کا خیال رکھنا بھی ایک ضروری امر ہے ابتدائی طلبہ کے لئے سبق آسان اسلوب ،عام فہم اور علمی اصطلاحات کے بجائے عمومی زبان اختیار کرنی چاہیے۔ایک بات کو بار بار دہرانہ بھی ان کے لئے مفید رہتاہے،جب کہ اگلے درجوں میں علمی اور فنی اصطلاحات کو بے تکلف استعمال کیاجاسکتاہے۔(21)

" مذکورہ بالا تفاصیل سے اندازہ لگایاجاسکتاہے کہ تدریس کتنا اہم اور مہتم بالشان فریضہ اور منصب ہے اور ایک مدرس میں جتنی زیادہ صفات ہو نگی اتنا ہی اس کا درس و سبق عام اور مقبولِ خلائق ہو گا۔اب ہم حضرت مولانا محمد یوسف شہیدؒ کی تدریسی خدمات کا ذکر کریں گے۔

تدریس کا آغاز:

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے 1954 میں دورہ حدیث اور درجہ تکمیل سے فراغت کے بعد اپنے پیر و مرشد مولانا خیر محمد صاحب کے حکم سے پنجاب کے ضلع فیصل آباد (لائلپور) کے ایک علاقہ روشن والا میں ایک مدرسہ میں تدریس کا آغاز کیااور تقریباً دو سال اسی مدرسہ میں تدریس کی اور صرف دو سال کے عرصہ میں ابتدائی کتب سے لے کر مشکوۃ تک تقریباً تمام کتب پڑھائی چنانچہ حضرت موصوف کی تدریس کے آغاز کے بارے میں مفتی مزمل حسین لکھتے ہیں:

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اپنے مرشد کے حکم سے روشن والا ضلع لائل پور (فیصل آباد) کے مدرسہ سے تدریس کا آغاز کیااور وہاں دو سال تک ابتدائی عربی کتب سے لے کر مشکوۃ شریف تک تقریباً تمام ہی کتب پڑھائیں۔(22)

حضرت مولانا محمد یوسف شہید چونکہ اس بات کے قائل تھے کہ انسان اپنی من مانی کرنے کے بجائے اپنے آپ کو اپنے بڑوں کے حوالہ کر دے۔اسی وجہ سے حضرت نے جب تدریس کا ارادہ کیاتو خود کو اپنے پیر و مرشد مولانا خیر محمد صاحبؒ کے حوالہ کیااور شیخ ہی کے حکم سے روشن والا ضلع لائلپور (فیصل آباد) کے ایک چھوٹے مدرسہ سے تدریس کا آغاز کیااور پورے جوش و جذبے لگن و ہمت سے پڑھایا۔اور دو سال کا عرصہ فیصل آباد گذارنے کے بعد اپنے مرشد کے حکم سے ہی ماموں کانجن ضلع فیصل آباد چلے گئے اور وہاں پر تقریباً دس سال پڑھایا۔ چنانچہ حضرت کے صاحبزادے محمد سعید لدھیانوی رقم طراز ہیں۔

" تعلیم سے فراغ پر مرشد کے حکم سے روشن والا ضلع لائلپور کے مدرسہ میں تدریس کے لئے تقرر ہوا اور دو سال میں وہاں ابتدائی عربی سے لے کر مشکوۃ شریف تک تمام کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی۔ دو سال بعد حضرت مرشد نے ماموں کانجن، ضلع لائلپور بھیج دیا۔ وہاں حضرت الاستاذ مولانا شفیع ہوشیارپوریؒ کی معیت میں تقریباً دس سال قیام رہا۔"(23)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے ایک عرصہ ماموں کانجن میں پڑھانے کے بعد ضلع ساہیوال جامعہ رشیدیہ میں بھی تدریس کی پھر حضرت بنوریؒ کے بہت اصرار پر جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے منسلک ہوئے اور کئی سال تک دورہ حدیث کے طلبہ کو درس حدیث سے معطر و محظوظ کرتے رہے۔ اس سرگذشت کو فاضل دیوبند مولانا عبدالمجید سکھر ویؒ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

" فراغت کے بعد مرشد کے حکم سے روشن والا فیصل آباد پھر ماموں کانجن چار سال پڑھایا، اس کے بعد جامعہ رشیدیہ میں بھی پڑھاتے رہے اور آخری میں تادم واپسیں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں رہے، ابو داؤد اور پھر طحاوی شریف پڑھاتے رہے۔"(24)

جامعہ رشیدیہ ساہیوال:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا ماموں کانجن سے جامعہ رشیدیہ ساہیوال منتقل ہونے کا سبب یہ ہوا کہ ۱۹۶۲ میں جب ایوب خان پاکستان کے صدر بنے تو انہیں "اکبر اعظم" بننے کا شوق ہوا۔ اس شوق کی تکمیل کے لئے ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس کے رفقاء نے شیطانی کردار ادا کیا اور اسلام کے خلاف ماہنامہ " فکر نظر" میں زہر افشانی کرتے ہوئے اسلامی عقائد و نظریات واعمال کو زد کوب کرنے کی ناکام ومذموم کوشش کی۔ حضرت مولانا سید یوسف بنوریؒ کی ساری توجہ اس "فضل الرحمانی فتنہ" کی سرکوبی میں صرف ہو رہی تھی اور ماہنامہ بینات میں اس فتنہ کے خلاف حضرت بنوری کے مضمون شائع ہوئے۔ انہی اقتباسات کی روشنی میں مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے فضل الرحمانی فتنہ کے خلاف ایک مفصل مضمون لکھا جس کی تصحیح کے لئے ماموں کانجن سے بنوری ٹاؤن کراچی بھیجا۔ حضرت بنوریؒ نے مضمون دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ میں چھپا جو ہر نایاب پہچان گئے اور ایک سال کے لئے آپ کو کراچی مدرسہ سے رخصت لے کر بلا لیا پھر جب سال مکمل ہوا تو حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ نے واپس جانا چاہا حضرت بنوری کا اصرار تھا کہ آپ مستقل کراچی میں قیام فرمائے حضرت لدھیانوی نے عذر کیا تو فرمایا کم از کم ہر ماہ دس دن کراچی میں ماہنامہ بینات کے لئے وقف کر دیجئے۔ اس سلسلے میں ماموں کانجن کے مدرسہ والوں سے بات کی تو وہ راضی نہ ہوئے۔ حضرت بنوریؒ کی اس خواہش کا جب جامعہ رشیدیہ ساہیوال والوں کو علم ہوا تو انہوں نے اس خواہش کی تکمیل کا اظہار

کیا کہ اگر مولانا یوسف لدھیانویؒ ہمارے مدرسہ میں ہر ماہ بیس دن پڑھانا قبول فرمائیں اور بقیہ دس دن کراچی تشریف لے جائیں اس طرح حضرت لدھیانویؒ جامعہ رشیدیہ ساہیوال سے منسلک ہوئے چنانچہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی کے صاحبزادہ مولانا سعید لدھیانوی اس روئیداد کو اس طرح ذکر فرماتے ہیں

''فیلڈ مارشل ایوب خان ۱۹۶۲ میں بی ڈی نظام کے تحت ملک کے صدر بنے تو پاکستان کے '' اکبر اعظم '' بننے خواب دیکھنے لگے۔ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس کے رفقاء کو ابو افضل اور فیض کا کردار ادا کرنے کے لئے بلایا گیا۔

ڈاکٹر صاحب نے آتے ہی اسلام پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ان کے مضامین اخبارات کے علاوہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ماہنامہ ''فکر و نظر'' میں شائع ہو رہے تھے۔حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ کی تمام تر توجہ '' فضل الرحمانی فتنہ '' کے کچلنے میں لگی ہوئی تھی اور ماہنامہ ''بینات'' کراچی میں اس فتنہ کے خلاف جنگ کا بگل بجایا جا چکا تھا۔مہنامہ ''بینات '' میں ڈاکٹر صاحب کے جو اقتباسات شائع ہو رہے تھے ان کی روشنی میں آپؒ نے ایک مفصل مضمون لکھا جس کا عنوان تھا''ڈاکٹر فضل الرحمان کا تحقیقاتی فلسفہ اور اس کے بنیادی اصول'' یہ مضمون ''بینات'' کو تصحیح کے لئے بھیجا تو حضرت اقدس بنوریؒ نے کراچی طلب فرمایا اور حکم فرمایا کہ ماموں کانجن سے ایک سال کی رخصت لے کر کراچی آجاؤ۔

یہ ۱۹۶۶ کا واقعہ ہے۔چنانچہ حکم کی تعمیل کی،سال ختم ہوا تو حکم فرمایا کہ یہاں مستقل قیام کرو۔بعض وجوہ سے ان دونوں کراچی میں مستقل قیام مشکل تھا۔جب معذرت پیش کی تو فرمایا کہ کم سے کم ہر مہینے میں دس دن ''بینات'' کے لئے دیا کرو۔ماموں کانجن کے حضرات سے اس سلسلے پر بات کی، مگر انہوں نے ہر ماہ دس دن کی چھٹی دینا قبول نہ کیا تو جامعہ رشید یہ ساہیوال کے ناظم اعلی حضرت مولانا حبیب اللہ رشیدی مرحوم و مغفور کو جب حضرت بنوری کی اس خواہش کا علم ہوا تو انہوں نے نہایت محبت سے نہ صرف اپنے مدرسہ میں تدریس کا اظہار کیا بلکہ اس شرط پر کہ آپ ہمارے مدرسہ میں صرف بیس دن پڑھانا قبول فرمائیں اور دس دن بینات کے لئے کراچی تشریف لے جایا کریں چنانچہ تدریس کے لئے ماموں کانجن سے ساہیوال جامعہ رشیدیہ میں تقرر ہو گیا یہ سلسلہ ۱۹۷۴ء تک رہا۔(25)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا یہ سلسلہ کہ ہر ماہ دس دن کراچی ''ماہنامہ بینات'' کے لئے تشریف لاتے اور بقیہ بیس دن جامعہ رشید یہ ساہیوال میں تدریس فرماتے ۱۹۷۴ تک اسی طرح قائم رہا البتہ یہ بات ضرور تھی کہ حضرت لدھیانویؒ پر مدرسہ رشیدیہ والوں کی طرف سے ماہنامہ بینات کے لئے مختص دس ایام متعین نہ تھے۔حضرت اکثر مہینہ کہ

آخری دس ایام کے لئے کراچی تشریف لاتے اور کبھی ضرورت پڑنے پر ایک مہینہ کے آخری دس دن اور دوسرے مہینہ کہ شروع کے دس دن ملاکر جمع صوری فرمالیتے۔

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی جب کراچی تشریف لاتے تو ہر بار کی آمد پر حضرت اقدس بنوریؒ کا اصرار رہتا کہ مستقل کراچی میں قیام کرلو۔ اس بات کو خود حضرت موصوف اپنی کتاب شخصیات و تاثرات میں لکھتے ہیں۔

''جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں قیام کرنے کے بعد یہ ناکارہ ہر مہینے پابندی سے دس دن کے لئے ساہیوال سے کراچی آتا۔'' بینات'' کا کام سمیٹتا (جواب کلیتہً اس کے سپرد تھا) اور دس بعد چلا جاتا۔ کبھی کبھی حنفیہ کے طرز پر'' جمع بین الشھرین'' کی شکل بھی ہو جاتی کہ ایک مہینہ کے آخری دس دن اور دوسرے مہینہ کے پہلے دس دن جمع کر کے بیس دن کا قیام ہو جاتا ۔ میری پابندی آمد ورفت کے باوجود حضرتؒ کی خواہش تھی کہ میں مستقل یہاں آجاؤں۔ تقریباً ہر حاضری کے موقع پر ہمیشہ یہی اصرار رہتا کہ بس یہاں آجاؤ مگر یہ ناکارہ اس پر آمادہ نہ ہوتا اصرار وانکار کا یہ سلسلہ آخری تک رہا۔''(26)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ ۱۹۶۶ سے ۱۹۷۴ تک جامعہ رشیدیہ میں تدریس کرتے رہے۔ مگر جب ۱۹۷۴ میں حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری نے ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی ذمہ داری و امارت قبول فرمائی تو حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کی جامعہ رشیدیہ سے اجازت لے کر ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان بلالیا حضرت بنوریؒ کی مسلسل یہ تمنا رہی کہ آپ مستقل قیام کراچی میں فرمالیں لیکن یہ تمنا لئے حضرت بنوریؒ دنیا سے رخصت ہوگئے مگر یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ جب ۱۹۷۷ میں حضرت بنوریؒ کی وفات ہوئی تو اس کے بعد سے حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کا مستقل قیام کراچی میں ہو گیا۔ اور حضرت لدھیانویؒ اس قیام کو حضرت اقدس مولانا بنوریؒ کی کرامت قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔

''میری پابندی آمد ورفت کے باوجود حضرت کی خواہش تھی کہ میں مستقل یہاں آجاؤں۔ تقریباً ہر حاضری کے موقع پر ہمیشہ یہی اصرار رہتا کہ بس یہاں آجاؤ۔ مگر یہ ناکارہ اس پر آمادہ نہ ہوتا، اصرار وانکار کا یہ سلسلہ آخر تک رہا۔ یہاں تک کہ حضرت آخری مجلس میں (جو مسجد کے عقب میں شوال کے آخری بدھ کو ہوئی) حضرت نے فرمایا: مولانا! آپ یہاں آجایئے! آپ جیسا مکان چاہیں گے آپ کو لے دوں گا۔'' یہ حضرت کی کرامت تھی کہ ان کے وصال کے بعد یہ ناکارہ کراچی ہی ہو کر رہ گیا۔(27)

بنوری ٹاؤن میں تدریس:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ ۱۹۶۶ سے حضرت بنوری رحمہ اللہ کا اصرار پر ہر ماہ دس دن کے لئے کراچی تشریف لاتے اور ماہنامہ "بینات" کا کام انجام دیتے۔ جب ۱۹۷۷ میں حضرت اقدس مولانا بنوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی تو مولانا یوسف لدھیانویؒ نے مستقل قیام کراچی بنوری ٹاؤن میں فرمالیا اور تادم حیات بنوری ٹاؤن سے منسلک رہے آپ نے کراچی میں مستقل قیام کے بعد مہنامہ بینات کی ادارت کے ساتھ ساتھ تدریس بھی شروع کی اور دورہ حدیث شریف میں طلبہ کو ابو داؤد اور طحاوی شریف پڑھائی جو شہادت سے پہلے تک پڑھاتے رہے۔

طریقہ تدریس:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید کے تدریس کا انداز نہایت سہل کہ درس میں موجود عام آدمی کو بھی بات سمجھ آجائے۔ دلچسپ تقریر کے ذہن نشین ہو جائے عربی کتب میں آپ عبارت کی صحت، صرفی، لغوی قواعد کی رعایت فرماتے۔ آپ کے شاگرد مولانا محمد اسلم صاحب آپ کے سبق کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

" مدرسہ احیاء العلوم ماموں کانجن میں علم و فن کی درسی متداول اور غیر متداول تمام کتابیں حضرت اقدس نے پڑھائیں اور پڑھانے کا حق ادا کیا بغیر مطالعہ کے اسباق پڑھانے کا قطعاً معمول نہ تھا۔ طلباء سے باقاعدہ سبق سنتے ہفتہ بھر کے آموختہ کو سنتے۔ عبارت کی صحت کا بہت اہتمام تھا۔ ترجمہ کی ضرورت محسوس فرماتے تو ترجمہ بھی کرتے ورنہ سبق کی تقریر ایسی ذھن نشین، سہل محصول، مختصر، جامع اور مطلب خیز فرماتے کہ غبی (کمزور) طالب علم بھی سمجھ جاتا۔ مشکل اور پیچیدہ مقام اور سبق سے پہلے بتلائے بغیر سمجھانے اور ذہن نشین کروانے کے بعد فرماتے یہ ہے وہ مسئلہ جو معرکۃ الآرا، دقیق اور مشکل سمجھا جاتا ہے۔ طلباء کے لئے بھی اگلے سبق کا مطالعہ ضروری تھا۔ جس میں عبارت کی تصحیح، صرفی ولغوی قواعد کا لحاظ رکھنا، ترجمہ اور مطلب بیان کرنا شامل تھا۔ سالانہ امتحان کے موقع پر فرماتے کہ کون سی کتاب کے کون سے حصہ کو دہرانے کی ضرورت ہے؟ بتانے پر رات گئے تک خود امتحان کی تیاری کراتے تعلیم میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہ فرماتے بلکہ سخت مواخذہ فرماتے۔"(28)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید سبق پڑھانے میں بہت احتیاط فرماتے اگر کوئی طالب علم عبارت خوانی میں غلطی کرے تو فوراً ٹوکتے اور تصحیح کرواتے اور جب کبھی مشاجراتِ صحابہ سے متعلق سبق ہوتا تو آپ پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی اور خوب روتے تھے۔ حضرت مولانا قاری نثار احمد لکھتے ہیں۔

"حضرت اقدس جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ابو داؤد کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ مختصر تقریر فرماتے جو کہ نہایت جامع اور پُر مغز ہوتی، عبارت پر خوب ٹوکتے تھے، جب مشاجرات صحابہ پر بحث فرماتے تو حضرت اقدس کی ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ طلباء سے فرمایا کرتے یہ بہت مشکل مقام ہے، ایمان کے امتحان کا مقام ہے، نہایت احتیاط چاہیے۔ ایسی احتیاط سے نکلو جیسے بال گھی سے نکالا جاتا ہے۔ ورنہ آدمی رافضی یا مودودی بن جاتا ہے۔(29)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی اپنے طلباء کو خوب محنت اور لگن سے پڑھاتے تھے اور جب کوئی طالب علم خوب محنت کرتا اور اول، دوم، سوم پوزیشن حاصل کر لیتا تو حضرت بہت خوش ہوتے اور حوصلہ افزائی کے لئے کتابیں انعام میں عنایت فرماتے۔

حضرت تمام کتابوں کو نصاب کے مطابق مکمل کرانے کا خصوصی اہتمام فرماتے سالانہ امتحان کے موقع پر اول، دوم، سوم پوزیشن لینے والے طلباء کو خصوصی شاباش کے ساتھ کتابیں انعام میں دینے کا معمول تھا۔۔(30)

حضرت درس و تدریس کے ساتھ تربیت کو بہت ضروری سمجھتے طلباء کی تربیت میں فکر مند رہتے اور بہت اہتمام فرماتے تھے۔

"حضرت اقدس تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء کی اخلاقی تربیت پر بطور خاص نگاہ رکھتے، کبھی کبھی طلباء کے کمروں اور سامان وغیرہ کا اچانک معائنہ فرماتے اور قابل اصلاح امور کی سختی سے اصلاح فرماتے۔"(31)

یوں تو حضرت لدھیانوی شہیدؒ کا ہر سبق تدریسی اصولوں پر منطبق، دلچسپ شگفتہ اور اکابرین علماء دیوبند کے سبق کا عکس تھا چنانچہ حضرت کے شاگرد مولانا مشتاق احمد عباسی لکھتے ہیں۔

" حضرت اقدس لدھیانوی شہیدؒ میرے استاذ تھے، مجھے حضرت کی خدمت میں زانوائے تلمذ طے کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ غالباً یہ ۱۹۷۳ کی بات ہے جب راقم الحروف ملک کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں زیر تعلیم تھا، حضرت شہید سے عقائد کی مشہور کتاب "شرح عقائد" پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی اکثر اوقات کتاب کی عبارت بھی راقم ہی پڑھا کرتا تھا، ہمارا سبق ظہر کی نماز کے بعد ہوا کرتا تھا، مدرسہ کی جانب سے ہر سبق کے لئے صرف ایک گھنٹہ بلکہ ایک گھنٹے سے بھی کم وقت مقرر تھا۔ مگر حضرت شہید شوقِ تعلیم میں کسی وقت کے پابند نہ تھے بلکہ اپنے اور طالب علم کے فارغ وقت کو استعمال کرنے کی غرض سے ظہر کے بعد دیر تک ہمیں سبق پڑھاتے رہتے، پچھلا سبق سنتے، اشکالات حل فرماتے، آگے کا مطالعہ کراتے یوں ہمارا سبق تقریباً عصر تک چلا جاتا تھا۔

حضرت شہید کی شکل میں ہمارے سامنے علم کا بحر ذخار موجزن ہو تا یچ تو یہ ہے کہ ہمیں تو صحیح معنی میں حضرت کی علمی گہرائی کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موصوف کو صرف تدریسی علم سے نہیں نوازہ تھا بلکہ آپ علم لدنی وہبی کا حسین مرقع تھے۔ آپ کے سبق میں علوم روحانی اور ظاہری دونوں کی تقسیم ہوتی تھی، حضرت کا حافظہ اتنا زبردست تھا کہ وہ گھنٹوں کے علمی مباحث فرماتے تھے مگر مجال ہے کہ ان کو کبھی کسی مسئلہ میں یا اس کی دلیل کے بیان کرنے میں تردد و نسیان ہوا ہو، ہم تھک جاتے تھے مگر حضرت کے علوم کا کنارہ دکھائی نہ دیتا۔(32)

حضرت موصوفؒ کا سبق ہر خاص و عام پر اثر کرتا آپ کا سبق میں انداز شیریں و تحقیقی ہوتا، آپ علمی نکات کا واشگاف فرماتے، اشکالات اور الجھنوں کو دور فرماتے اس کے ساتھ ساتھ آپ کے سبق کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ درس میں بہترین الفاظ کا انتخاب فرماتے اس طرح آپ کا سبق علمی و تحقیقی ہونے کا ساتھ ساتھ ادبی بھی ہوتا تھا ذیل میں حضرت کا ابو داؤد کا سبق مکمل نقل کریں گے جو حضرت نے ۲۱ شوال ۱۴۰۹ء میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے تعلیمی سال کے آغاز میں دورۂ حدیث میں پڑھایا تھا جس کو جناب ڈاکٹر مولانا وسیم احمد صاحب نے قلم بند فرما کر محفوظ کر لیا تھا۔

" الحمد اللہ ولسلام علی عبادہ الذین اصطفی حجیت حدیث کے تین طرق ہیں

اول۔ قطعی امور یقینی اور متواتر ہیں۔ ان کا منکر کافر ہے، سنت کا حجت ہونا دین کی ضرورت میں سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**و اما بنعمة ربک فحدث**"(والضحیٰ) ترجمہ اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر۔ یعنی جو انعامات اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمائے ان کو بیان کیجئے خصوصاً وہ نعمت ہدایت جس کا ذکر "**وو جدک ضالا فهدی**" میں ہوا، اس کا لوگوں میں پھیلانا اور کھول کر بیان کرنا تو آپ کا فرض منصبی ہے، شاید آپ ﷺ کے ارشاد وغیرہ کو جو حدیث کہا جاتا ہے وہ اسی لفظ "فحدث" سے لیا گیا ہو۔

دوم: جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمادیں وہ سراپا ہدایت ہو گا

سوم: سورہ قیامہ میں ہے۔ "**لا تحرک به لسانک لتعجل به**" (33)

فرمایا دو مشقیں ساتھ ساتھ نہ اٹھایئے یعنی ایک سننے کی دوسرے پڑھنے کی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "**ان علینا جمعه و قرانه**"(34) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں جمع کر دینا اور پھر اس کو آپ کی زبان مبارک سے پڑھوا دینا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا، اور آگے ارشاد ربانی ہے۔ "**ثم ان علینا بیانه**" (35)(اس کا بیان کر دینا ہمارے ذمہ ہے) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم الگ چیز ہے اور اس کا بیان الگ چیز ہے اسی بیان کا نام "حدیث" ہے اور یہ

بات بھی معلوم ہو گئی کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اسی طرح بیانِ قرآن (یعنی حدیث) کا بھی ذمہ لیا۔ ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ بیان کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب بات سمجھ میں نہ آسکے، اور اگر بات واضح ہو تو اس کی شرح کی ضرورت نہیں۔

اب میں کہتا ہوں کہ کیا اس بیان کی ضرورت صرف رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تھی؟ اور بعد کی امت کو اس کی ضرورت نہیں؟ اگر یہ بات ہے تو پھر بعد کی امت کا اپنے نبی ﷺ سے کوئی تعلق نہیں، اگر بعد کی امت بھی وہی تعلق ہے جو صحابہ کرامؓ کو تھا تو جس طرح صحابہ کرامؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح کی ضرورت تھی اسی طرح بعد والی امت بھی آپ کی تشریح کی محتاج ہے اب لازم ہوا کہ بیان (حدیث) کو باقی بھی رکھا جائے اور اس کی حفاظت بھی کی جائے

الحمد اللہ! اللہ تعالیٰ نے وعدہ پورا فرمایا اور حدیثیں محفوظ کر دی گئیں۔ قرآن پاک کا ایک ایک حرف قطعی ہے البتہ احادیث میں درجے ہیں۔ انہیں درجات کے اعتبار سے ان کے منکر کا حکم مختلف ہو گا مثلاً احادیث متواتر کا منکر کافر ہے اور مشہور، صحیح، مقبول اور ضعیف حدیث کا منکر فاسق ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھو حدیث کی درجہ بندی سے قطع نظر نفس حدیث کا منکر کافر ہے۔

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن کریم آپ ﷺ کی احادیث اور آپ کی اطاعت کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اس کے لئے مجھے پانچ دفعہ قرآن پاک پڑھنا پڑا تب معلوم ہوا کہ تہائی قرآن اسی مسئلے پر محیط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کی احادیث کی اتباع ہر مسلمان پر لازم ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ"(36)

ترجمہ: اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جائے۔

اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازم نہیں جیسا کہ منکرین حدیث بکتے ہیں تو دین ہی ختم ہو جائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا منکر ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا منکر ہے۔ دوسری جگہ ارشاد عزاسمہ ہے۔

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ"

ترجمہ: جس شخص نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔

یعنی رسول ﷺ کی اطاعت ہے، رسول ﷺ کی اطاعت تمام ایمانیات کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مانا جاتا ہے ،رسول ﷺ کے کہنے پر، قرآن کو مانا جاتا ہے رسول ﷺ کے کہنے پر۔ اگر حضور ﷺ کی بات قابل اعتماد نہیں ،تو کوئی چیز بھی قابل اعتماد نہیں، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری فرماتے تھے:

”یہ تو میرے میاں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا کمال ہے کہ وہ فرمادیتے یہ اللہ کا کلام ہے اور یہ میرا کلام ہے۔ کیونکہ ایک ہی زبان مبارک سے دونوں کلام نکلے۔ لوگوں نے فرشتوں کو اترتے نہیں دیکھا صرف ادراک کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہی سے قرآن پاک بھی نکلتا اور اسی زبان مبارک سے حدیث بھی نکلی“

یہاں تک تو حجیت حدیث کے دلائل، اور منکرین حدیث کی تردید تھی، اب چند آداب (حدیث کے سلسلے میں) بیان ہوں گے۔ البتہ حجیت حدیث کے موضوع پر مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا۔

۱۔ تدوین حدیث: مولانا مناظر احسن گیلانی

۲۔ فتنہ انکارِ حدیث: مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ

آداب:

اتنی بات تو معلوم ہونی چاہیے کہ علم جتنا دقیق ہو گا اس کے آداب بھی اتنے ہی دقیق اور نازک ہوں گے۔ علم حدیث اشرف العلوم ہے، تو اس کے حاصل کرنے کے لئے بھی اشرف انسان کو چنا جاتا ہے، اس لئے علم حدیث کے طالب علم کو اشرف الاخلاق ہونا چاہیے، کیونکہ جتنا اونچے اور بلند اخلاق کا مالک ہو گا اتنا ہی اس علم سے مستفیض ہو گا۔ اس لئے کہ جتنی زیادہ قیمتی چیز ہوتی ہے، اتنے ہی قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے، کھیر کو کوڑے سے اٹھائے ہوئے ٹھیکرے میں نہیں رکھتے ،پس بازاری لوگوں کو علم حدیث کیسے دیں گے؟ اس لئے اخلاق کا پاک ہونا اور عالی ہونا بڑا ضروری ہے۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب نوراللہ مرقدہ جو حضرت حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اجل تھے اور خیر المدارس ملتان کے بانی تھے، آداب حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ: بعض اکابر کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی طالب علمی میں تقوی اختیار نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اسے تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مبتلا کر دیتے ہیں۔

۱۔ یا تو وہ حکومت کا کل پرزہ بن جاتا ہے

۲۔ یا بازار میں لگا دیں گے۔

۳۔ یا جوانی کی موت سے دوچار کر دیں گے۔

جن لوگوں نے حدیث شریف کو اس کے آداب کا خیال رکھ کر سیکھا، اللہ تعالیٰ ان سے دین بڑا کام لیں گے، ورنہ ایک بزرگ کے بقول کہ: سند کا مصلےٰ تو مل جائے گا لیکن علم میں برکت اور قبولیت نہیں ہوگی۔

لہذا پوری محنت اور جہد کے ساتھ اس علم کو حاصل کیا جائے، روزانہ آٹھ، دس گھنٹے پڑھتے رہنا کوئی معمولی مجاہدہ نہیں، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث کی سند اس وقت جاری ہوتی ہے جب حدیث استاد سے پڑھی ہو، فقط قرأت فلاں حدیث" پر یہ سند نہیں ملتی۔

اکابر کا اہتمام ہوتا تھا کہ ایک حدیث بھی ناغہ نہ ہو دورہ حدیث کا مجاہدہ رجب تک چلے گا اس مجاہدہ میں جو کامیاب ہوگا وہ سعادت مند طالب ہوگا۔ چھ (۶) چیزوں سے علم حاصل ہوتا ہے

۱۔ ذکاء ۲۔ حرص (یعنی شوق) ۳۔ سفر ۴۔ محنت ۵۔ صحبت استاد ۶۔ زمانے کا لمبا ہونا

محض مطالعہ کا علم خطرناک ہوتا ہے

حضرت ڈاکٹر عبدالحئ عارفی فرمایا کرتے: اپنے فہم کی اصلاح کراؤ۔ علم وہی ہے جو اکابر سے حاصل ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس علم شریف کے انوار و برکات عطاء فرمائیں گے۔

حضرت علیؓ فرماتے تھے: بقدر مشقت بلندیاں تقسیم کی جاتی ہیں جو بلندیوں کا طالب ہو اس کو راتوں کو بیدار ہونا ہوگا۔ تم عزت کے طالب ہو اور رات کو سو بھی جاتے ہو۔ جو شخص موتیوں کا طلبگار ہو اس کو سمندر میں غوطہ لگانا ہوگا۔

برخوردار! آخری سال میں اتنی محنت کرنی پڑتی ہے کہ انسان پاگل ہو جائے اوقات کی پابندی جائے ایک حدیث بھی کسی کتاب کی ناغہ نہ ہو۔ جتنی محنت بقدر تحمل کر سکو اس کا حق ادا کرو۔

ایک بات یہ بھی یاد رکھو کہ حدیث شریف ناول یا افسانہ نہ نہیں، بلکہ سینہ نبوت سے نکلے ہوئے وہ حقائق ہیں جو صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور یہ وہ علوم ہیں جن کا واحد منبع حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے تو پھر ان علوم کا حق یہ ہے کہ ہماری گردنیں ان کے سامنے جھک جائیں۔ اور ان سے قلب منور ہو جائے اور بدن ان کے سانچے میں ڈھل جائے یعنی جو حدیث بھی پڑھیں اس پر عمل کریں۔ ایک بزرگ محدث کا ارشاد ہے: اے حدیث پڑھنے پڑھانے والو! حدیث کی زکوۃ ادا کیا کرو۔ اور وہ یہ ہے کہ کم از کم سو (۱۰۰) حدیث میں سے ایک پر تو عمل کر لو اگر ایک پر بھی عمل نہیں کیا تو گویا تم نے حدیث پڑھی ہی نہیں احادیث پر عمل کرنے کی شکل یہ ہے کہ: وضو کی فضیلت کی حدیث پڑھی، ایک دن اس پر عمل کرو تحیہ المسجد کی حدیث پڑھی ایک مرتبہ تو اس پر عمل کرو۔ ایام بیض کے روزے کی حدیث پڑھی ایک مرتبہ تو اس پر عمل کرو اور اگر

عمل کا داعیہ دورانِ سبق بھی پیدا نہ ہو تو پھر عمل کی توفیق کب ہو گی؟ ایک بات اور یاد رکھو وہ یہ کہ علم کے ذرائع کا بھی ادب کیا جائے مثلاً استاد، کتابیں، کاغذ، قلم حتی کہ کاغذ کے پرزہ کا بھی احترام کرو۔

اساتذہ کا احترام کرنے والے بھی دیکھنے اور اساتذہ کا مذاق اڑانے والے بھی بہت دیکھے۔ مگر جن کے دل میں استادوں کا احترام، عظمت اور محبت تھی، اللہ نے ان کو نوازا۔ اکابر اساتذہ میں سے ایک کالڑکا اپنے باپ کا مذاق اڑاتا تھا، میں نے اپنی آنکھوں سے اس کو ذلیل ہوتے دیکھا جتنا زیادہ ادب ہو گا اتنا ہی نوازے جاؤ گے، ورنہ علم کا نور مٹ جائے گا۔

ایک اور بات سنو! پہلے زمانے میں استاد استاد ہوتے تھے اور طالب علم طالب علم، قدرتی طور پر دونوں میں مرشد اور مرید کا رشتہ ہوتا تھا۔ سال ختم ہوتے ہوتے طلباء استاد کے رنگ میں رنگ جاتے تھے۔ لیکن اب دیکھ رہا ہوں کہ استاد اور طلباء وہ رشتہ باقی نہیں رہا، یا ٹوٹ چکا ہے یا ٹوٹتا جارہا ہے، اسکول اور کالجوں میں طلباء استاد کی پٹائی کرتے ہیں اب تو یہ ایڈز (Aids) کی بیماری دینی مدارس میں بھی آرہی ہے اور اس میں طلبہ ءاور اساتذہ دونوں کا قصور ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں استاد کا زیادہ ہے، کیونکہ استاد اپنے اندر وہ کیفیت ہی پیدا نہیں کرتے جس سے طلبہ متأثر ہوں پہلے زمانے میں استاد اور شاگرد کا رشتہ بہت مقدس سمجھا جاتا تھا، خصوصاً علم حدیث کہ اس کو حاصل کرتے ہوئے طلبہ صاحب نسبت ہو جاتے تھے اس لئے کہ وہ علم کو اس کے آداب کے ساتھ حاصل کرتے تھے۔ لیکن اب وہ بات نہیں رہی پڑھانے والوں اور پڑھنے والوں کے ذہن میں ہی نہیں ہوتا کہ ہمیں علوم نبوت پڑھانا اور علوم نبوت حاصل کرنا ہے اور اس کا حق ادا کرنا ہے۔ ان بے توجہیوں کا علاج کیا جانا چاہیے۔

پرانے زمانے میں طلباء کو بیعت نہیں کیا جاتا تھا حضرت تھانویؒ نے حضرت گنگوہی سے بیعت کی درخواست کی، فرمایا تعلیم سے فارغ ہو جاؤ پھر دیکھا جائے گا تعلیم سے فارغ ہوئے تو حضرت گنگوہیؒ کے پیر (حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) نے مکہ مکرمہ میں بیعت کی اور چھ ماہ بعد خلافت دے دی۔

زمانے کا تغیر ہے، اب طلباء میں بے قاعدگی آگئی ہے علم کی طرف یکسو نہیں رہے، اس لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ طلباء کو بیعت کرنے لگے تھے، اس لئے اب موجودہ بزرگوں میں سے جو بھی نظر میں جچے اس سے بیعت کرلو اور اپنی اصلاح کرلو، ہمارے لئے موجودہ بزرگ بھی بہت غنیمت ہیں۔ طالب علموں کو بے قید اور شترِ بے مہار نہیں ہونا چاہیئے اپنی زندگی کے فیصلے خود نہ کرو بلکہ کسی کو اپنا بڑا بنالو۔

حضرت خواجہ دہلوی سلطان الہند بابا فرید الدین گنج شکر پاک پتن والوں کے خلیفہ تھے ان کے ملفوظات میں ہے کہ ایک بزرگ شاہ ابوالخیرؒ ایک دن جمعہ کی نماز کے لئے جانے لگے تو فرمایا جامع مسجد کا راستہ کس طرف ہے؟ کسی نے عرض کیا کہ

حضرت آپ ۲۵ سال سے اس میں جمعہ پڑھ رہے ہیں اور پھر بھی اس مسجد کا راستہ پوچھتے ہیں؟ فرمایا کسی کے کہنے پر چلنا چاہتا ہوں خود رائی نہیں چاہیے۔

خلاصہ آداب کا یہ ہے کہ رسول ﷺ کے ارشادات پڑھتے ہوئے ان کو زبان تک محدود نہ رکھو بلکہ قلب تک ان کا اثر ہونا چاہیئے اور اپنے وجود میں اس کے آثار ظاہر ہونے چاہیں، ہماری نظر فکر صحیح ہو جائے، ہمارے اخلاق و اعمال بھی صحیح ہو جائیں بہت سے طلباء شروع سے آخر تک مدرسے میں رہے، مگر نہ صحیح فکر پیدا ہوئی نہ ذہن بدلا۔

ہم کہتے ہیں" اهد نا الصراط المستقیم "(چلا ہمیں سیدھی راہ) ایک دفعہ دو دفعہ نہیں، روزانہ پانچ بار ایک ہی بات بار بار دہراتے ہیں، بڑی اہم بات ہے، یہ ہر وقت وظیفہ اور ورد زبان رہے، ہمارا دل دماغ سوچ و فکر چال ڈھال، اخلاق و اعمال صراط مستقیم پر رہیں اور یہی احادیث میں ہے مگر لوگ احادیث پڑھ تو لیتے ہیں لیکن ان کی کوئی چیز بھی صراط مستقیم پر نہیں ہوتی خیر المدارس ملتان سے ہم تین ساتھی دورہ حدیث سے فارغ ہوئے ایک مولانا غلام رسول دوسرے مشتاق صاحب اور تیسرا میں تھا۔ مولانا غلام رسول صاحب ساہیوال والے نے سال پورا کیا اور علامہ بنے۔ خیر المدارس میں ہر سال جلسہ دستار بندی ہوتا تھا ایک سال بعد دیکھا کہ مشتاق صاحب کی داڑھی کٹی ہوئی تھی زرا اندازہ کریں کے آٹھ، نو سال کی صحبت بھی اثر انداز نہیں ہوئی۔

کچا رنگ آہستہ آہستہ اتر جاتا ہے پکا رنگ ایسا ہوتا ہے کہ اگر ابلتے پانی میں ڈالیں تو بھی رنگ نہیں جائیگا، بڑی حیرت کی بات ہے کہ نو سال بزرگوں سے پڑھتے رہے مگر علم نبوت کا کوئی رنگ نہیں چڑھا۔

میری تو اس وقت داڑھی نہیں آئی تھی میں نے مشتاق صاحب سے پوچھا کہنے لگے داڑھی کوئی ضروری تھوڑی ہے؟ میں نے کہا انسان کے اعمال اس کی بنیاد کے تابع ہوتے ہیں پہلے نظریہ بدلتا ہے پھر اعمال بدلتے ہیں ایسے کچے ذہن کے لوگ جب اسکول چلے جاتے ہیں اور لوگوں نے عیب لگانا شروع کیا تو قینچی لے کر داڑھی کاٹنا شروع کر دیتے ہیں

بڑے صدمے سے عرض کر رہا ہوں یہاں پر نو سال میں اتنا کچا رنگ چڑھا کہ باہر کے ماحول میں دو، تین ماہ میں بدل گئے کس کی شکایت کریں بغیر کسی بناوٹ کے صاف صاف عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ علوم نبوت کو ہضم کرو یہ علوم تمہارے بدن کا جز بن جائیں، اخلاق، سیرت اور کردار کا جزو بن جائیں فرمایا: کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر گھٹی (گلے) سے نیچے نہیں ہو گا۔ ملازمت کے لئے علوم نبوت نہ پڑھو ایسا نہ ہو کہ قال اللہ اور قال الرسولؐ دنیا کمانے کا ذریعہ بن جائے۔

میرے دو دوست تھے مولانا محمد صدیق اور دوسرے صاحب کا نام بھی صدیق تھا۔ مولانا محمد صدیق بڑے لائق فائق دورہ کی اکثر حدیثیں وہی پڑھتے تھے فارغ ہونے کے بعد کچھ اور کتابیں پڑھیں، انہوں نے ساتھ ساتھ مولوی فاضل کی تیاری

بھی شروع کر دی کہنے لگے آپ بھی داخلہ بھیج دیں، میں نے کہا میں غریب آدمی ہوں، اسّی روپے کہاں سے لاؤں گا؟ وہ ہمیشہ کہتے میں یہی جواب دیتا، مولانا محمد صدیق صاحب نے کہا میں فیس دے دوں گا، میں نے کہا سنجیدگی سے یا مذاقاً؟ کہنے لگے حلفیہ کہتا ہوں، میں نے کہا میرا جواب سنو! اگر یونیورسٹی کی طرف سے میرے نام آجائے کہ بغیر امتحان کے اول درجہ میں پاس کر دیں گے، تو بھی میں وہاں جانے کو اور قدم رکھنے کو اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ کبھی ہوس پیدا نہیں ہوئی بڑی بڑی ڈگریوں والوں کو دیکھا، ظاہری شکل وصورت غیروں کی تھی اور علم میں تہی دست تھے۔ جن لوگوں کو اللہ نے علوم نبوت سے عطاء فرمایا اور پھر دنیا والوں کو دیکھ کر اپنی حیثیت پر افسوس کیا انہوں نے علوم نبوت کی قدر نہیں کی، اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے یہ سعادت بڑی نعمت ہے ملائکہ طالب علم کی رضامندی کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔

کچھ مصنف کے بارے میں:

امام ابو دوٗد، کنیت سلیمان، نام: اشعث بن اسحاق، ولادت: سیستان ۲۰۲ھ معرب سجستان، ہرات کے قریب مشہور شہر ہے ،وفات ۲۷۵ھ بصرہ میں بروز جمعہ زیادہ حصہ زندگی کا بغداد میں گذرا آخری چار سال بصرہ میں گذرے۔ امام موصوف نے مختلف بلاد کا سفر کیا، عراق، خراساں، شام، الجزائر وغیرہ، انہوں نے بے شمار لوگوں سے حدیثیں حاصل کیں۔ ان کے شیوخ کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے، امام بخاری سے بہت سے شیوخ میں شریک ہیں، اساتذہ میں امام احمد بن حنبل ،یحیٰی بن معین وغیرہ شامل ہیں، حلقہ درس میں ہزاروں کا اجتماع ہوتا تھا شاگردوں میں امام ترمذی، امام نسائی، وغیرہ ہیں امام احمد بن حنبل نے حدیث عتیرہ ان سے سنی تھی ان کا مسلک حنبلی ہے۔

تصنیفات:

لاتعداد ہیں سب سے مشہور سنن ابو داؤد ہے جس کو انہوں نے پانچ لاکھ احادیث میں سے چن کر چار ہزار آٹھ سو احادیث سے مرتب کیا، چھ سو مراسیل ہیں۔

شروح:

اس کتاب کی شروح بہت ہیں، شرح بذل المجہود حضرت مولانا خلیل احمدؒ کی مشہور ہے امام ابو داؤد کی ایک آستین تنگ ہوتی تھی، کشادہ آستین میں نوشتہ رکھتے اور دوسری آستین کو چوڑی رکھنے کی ضرورت نہ تھی،

ان کے لئے یہ فقرہ بہت مشہور ہوا کہ اللہ نے ان کے لئے حدیث کو اس طرح نرم کر دیا تھا جیسے داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا، فرماتے تھے کہ صرف چار احادیث انسان کے دین کے لئے کافی ہیں:

۱۔ان لاعمال بالنیات

۲۔من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ

۳۔لا یکون المؤمن مؤمناً حتی یرضی لاخیہ مایرضی لنفسہ

۴۔الحلال بین و الحرام بین۔

امام ابو داؤد نے فرمایا کہ میں نے جو احادیث جمع کی ہیں ان پر تمام علماء کا اعتماد ہے اور ایسی کوئی روایت نقل نہیں کی جس کو کسی نے بھی قبول نہ کیا ہو۔

ابو داؤد کی روایتوں کی ترتیب اور ان کی قسمیں:

۱۔اعلیٰ ترین روایات جن پر شیخین کا اتفاق ہو، اور وہ کتاب کا نصف ہے۔

۲۔وہ روایات جن کو شیخین میں سے کسی ایک نے روایت کیا ہے۔

۳۔صحیحین میں نہیں ہیں لیکن سند جید اور وہ صحیح ہیں۔

۴۔سند صالح ہے دو سندوں سے منقول ہو، علماء نے اس کو قبول کیا ہے۔

۵۔اسناد میں ضعف لیکن امام ابو داؤد اس پر خاموش ہیں۔

۶۔شدید ضعف پایا جاتا ہے اس پر امام ابو داؤد کلام کرتے ہیں، مگر امام ترمذی ہر روایت پر گفتگو کرتے ہیں اور راوی پر بھی کلام کرتے ہیں۔

صحت کے اعتبار سے یہ کتاب تیسرے یا چوتھے درجے میں ہیں۔

صحت میں درجات:

۱۔بخاری ۲۔مسلم ۳۔ابو داؤد ۴۔نسائی ۵۔ترمذی ۶۔ابن ماجہ

تدوین کے لحاظ سے یہ کتاب دورہ کی تین مرکزی کتابوں میں سے ایک ہے جن پر درس کا مدار ہے۔

۱۔ترمذی مقدم ہے ۲۔دوسرے درجے میں بخاری ۳۔تیسرے میں ابو داؤد

سند حدیث:

ہماری سند رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک تین حصوں میں پہونچتی ہے، ایک حصہ ہم سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تک، دوسرا حصہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے لے کر مؤلفین صحہ ستہ تک، تیسرا حصہ سند کا ہر حدیث کی وہ سند جو رسول ﷺ سے

روایت ہے، مجھے (حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید) حدیث کی چار سندیں ملی ہیں۔

۱۔ سند حدیث: حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ (خیر المدارس ملتان)

۲۔ سند حدیث: مفتی شفیع صاحب (مفتی اعظم پاکستان)

۳۔ سند حدیث: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ (مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور)

۴۔ سند حدیث: مولانا محمد یوسف بنوریؒ (جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن)

۱۹۷۴ء کی ختم نبوت کی تحریک میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے دارالعلوم میں حاضر ہوا، مٹھائی منگوائی اور خود اپنے اصرار سے مجھے سند بھی عطاء فرمائی، اس پر حضرت مفتی صاحبؒ کے دستخط موجود ہیں۔

۱۹۶۸ء میں حج پر گیا حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ ہر سال جاتے تھے، والد ماجد کے ساتھ عصر کی نماز کے بعد حضرت میرا ہاتھ پکڑ کر ایک بزرگ کے پاس لے گئے صفا مروہ کے درمیان ملنا تھا، وہ نہیں ملے واپسی پر آتے ہوئے فرمایا تیس سال پہلے ان سے دوستی ہوئی تھی میں نے ان سے اجازت مانگی تو انہوں نے اجازت دے دی، میں عرض کیا ہمیں تو نہیں ملی بڑے ہنسے اور پھر مدینہ منورہ پہنچ کر عربی میں روضہ شریف کے سامنے یہ حدیث کی سند لکھ کر عطاء فرمائی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ رمضان میں مفتی زین العابدین صاحب کے مدرسہ میں فیصل آباد میں تشریف لائے، تو حضرت شیخ الحدیثؒ سے اجازت کی تحریک ہوئی، حضرت شیخ الحدیث صاحب نے تمام علماء کو اجازت دی، حدیث مسلسلات کی بھی اجازت دی، اور دوسری احادیث کی بھی اجازت دی، بغیر مانگے سند ملی۔

میری سندوں کے واسطوں کی حسب ذیل تفصیل ہے۔

اول:

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

دوم:

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ

حضرت مولانا محمد قاسم ناتویؒ

حضرت شاہ عبد لغنیؒ

حضرت شاہ اسحٰق محدث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

سوم:

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

حضرت شاہ عبد لغنی محدث دہلویؒ

حضرت شاہ اسحٰق محدث دہلویؒ

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

پاکستان، ہندوستان کی تمام سندیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تک پہنچتی ہیں حضرت شاہ صاحب سے آگے کی سند کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

شیخ ابو طاہرؒ

شیخ حسن عجمیؒ

شیخ عیسی معربی

شیخ شہاب الدین محمد ابن احمد غفاریؒ

بدرالدین حسن کرخیؒ

حافظ جلال الدین سیوطیؒ

شیخ محمد ابن مقبل مغربی

شیخ صلاح الدین ابن ابی محمد المقدسیؒ

ابوالحسن فخر الدین علی ابن محمد ابن احمد ابن بخاریؒ

ابوالحفص طبرزد بغدادیؒ

ابراہیم ابن محمد کرخیؒ

اس سے آگے کی سند کتاب میں دیکھو میرے (حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ) اور حضرت امام ابو داؤد کے درمیان ۲۲ واسطے ہیں۔ کچھ حدیثیں ثلاثی ہیں۔ اس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ۲۵ واسطے ہوئے۔(انتہی)(37)

درج بالا سبق سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا سبق کتنا عموم النفع، علمی، روحانی ہوتا تھا۔ جس کی آج نظیر خال خال ہے۔

فصل دوم: تصنیفی ذوق اور منفرد اسلوب تحقیق و تصنیف

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ میں اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی ذہانت وذکاوت ودیعت کی تھی جس کا اثر حضرت موصوف کے زندگی کے تمام اعمال وافعال میں ہوا۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ جس طرح تقریر و تدریس میں کمال رکھتے تھے اسی طرح حضرت کو تحریر میں ید طولی حاصل تھا۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کی کسی بھی تحریر کو دیکھ لیں وہ اپنے اندر جامعیت سمیٹے ہوئے ہوگی۔ آپ کی تحریرات سہل، عام فہم، علمی اور تحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ الفاظ نہایت شائستہ اور شگفتہ انداز ہوتا تھا آپ کی تحریر سے شستگی، حد درجہ خیر خواہی اور دل سوزی کا جذبہ جھلکتا تھا۔

قلمی میدان:

آپ نے سب سے پہلے قلم حق کی تائید اور باطل کی تر دید میں اٹھایا۔ایک مرتبہ ماہنامہ "صدق جدید" میں مولانا عبد الماجد دریابادی نے ایک مضمون قادنیوں کی حمایت میں لکھا تھا، تو حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید نے اس کے رد میں جواب تحریر فرمایا۔ اس مضمون سے متعلق آپ کے صاحب زادے مولانا محمد سعید لدھیانوی رقمطراز ہیں۔

"سب سے پہلا مضمون مولانا عبد الماجد دریابادی کے رد میں لکھا موصوف نے صدق جدید میں ایک شذرہ قادیانیوں کی حمایت میں لکھا تھا اس کے جواب میں ماہنامہ " دار لعلوم دیوبند" میں ایک مضمون شائع ہوا تھا لیکن اس سے تشفی نہیں ہوئی اس لئے جناب مستری ذاکر اللہ صاحبؒ کی ایماء پر مرحوم کی تر دید میں مضمون لکھا جو ماہنامہ "دارالعلوم دیوبند" ہی کی دو قسطوں میں شائع ہوا (38)

اسکے علاوہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے مختلف عنوانات پر مضامین لکھے جو ملک کے مختلف جرائد ورسائل میں چھپے۔ حضرتؒ کا تصنیفی ذوق شروع سے تھا یہی وجہ ہے کہ آپ نے مشکوۃ شریف پڑھنے کے زمانے میں مشکوۃ کی تقریر "التقریر النجیح" کے نام سے تالیف کی تھی۔

ماہنامہ بینات:

۱۹۶۲ء ایوبی دورِ حکومت میں "فضل الرحمانی" فتنہ اُٹھا۔ جس کے خلاف حضرت اقدس بنوریؒ نے ماہنامہ بینات کے ذریعہ علم جہاد بلند کیا اور فضل الرحمانی فتنہ کے خلاف بینات میں مضامین شائع ہو رہے تھے۔ان دنوں مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید ماموں کانجن میں تدریس انجام دے رہے تھے، آپ نے ان فضل الرحمانی نظریات وفکر پر مبنی اقتباسات

کی روشنی میں جو ماہنامہ ''بینات'' میں چھپ رہے تھے ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا'' فضل الرحمانی کا تحقیقاتی فلسفہ اور اس کے بنیادی اصول'' یہ مضمون ماہنامہ ''بینات'' کو تصحیح کے لئے بھیجا، جس پر حضرت بنوریؒ نے حضرت موصوف کو ماہنامہ ''بینات'' کی ادارت کے لئے بلالیا اور اس طرح حضرت موصوف کا تعلق ماہنامہ بینات سے قائم ہوا جو حیاتِ مستعار کے آخری سانس تک قائم رہا۔

علمی رسوخ:

حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کی تحریر کی پختگی اور علمی رسوخ کا یہ عالم تھا کہ آپ لکھتے جاتے اور کاتب کو دیتے جاتے کسی اصلاح وترمیم کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی، آپ کی تحریر کی روانی اس بلا کی تھی کہ تھوڑے ہی وقت میں کئی صفحات لکھ دیتے۔ حضرتؒ کے تحریر علمی رسوخ اور روانی سے متعلق مولانا عبد الرشید ارشد لکھتے ہیں۔

''ہمارے ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا خیال ہوا کہ دارالعلوم دیوبند پر ایک عمدہ نمبر شائع کیا جائے اور مرحوم نے تین چار سو صفحات ہونے پر زور دیا کہ اب اسے شائع کر دیا جائے، لیکن راقم ٹالتا رہا کہ اب جب نمبر نکالنا ہے تو پھر دارالعلوم کے شایانِ شان نکالا جائے۔ چنانچہ تقریباً آٹھ صد صفحات پر مشتمل یہ نمبر شائع ہوا۔ مولانا شہیدؒ ان دنوں مجلس ختم نبوت میں آچکے تھے۔ چنانچہ میں نے درخواست کی کہ دارالعلوم دیوبند کی ختم نبوت پر خدمات پر آپ مضمون لکھیں، آپ بالکل آخری دنوں میں لاہور تشریف لائے اور مکتبہ رشیدیہ کے ایک کمرے میں بیٹھ کر ایک دو دن میں بڑے سائز پر ۵۳ صفحات کا ایک مضمون '' قلم برداشتہ'' لکھا گو یہ ایک مستند باحوالہ مضمون ہے اور شہیدؒ نے لکھتے ہوئے حوالے بقید صفحات و کتابیات دیے، لیکن لکھتے گئے اور کاتب کو دیتے گئے، کسی لفظ کو کاٹا نہ نظر ثانی کی۔ یہ آپ کے علمی استحضار کی بڑی دلیل ہے۔ بعد میں یہ مضمون عام کتابی سائز کے دو صد صفحات کی کتاب کی شکل میں چھپا۔ میرے سامنے یہ سب کچھ ہوا اور میں حیران تھا کہ میرے عزیز دوست میں لکھنے کی کس قدر صلاحیت ہے!!؟

آگے مزید لکھتے ہیں

'' اسی طرح ماہنامہ ''الخیر'' کے مدیر جناب مولانا محمد انور صاحب رقمطراز ہیں کہ '' ایک مرتبہ مولانا مرحوم نے ایک ہی نشست میں فل اسکیپ کے اسی صفحات قلم برداشتہ تحریر فرمائے ایک صاحب نے مولانا مرحوم کی علمی استعداد و مقام کا امتحان لینے کے لئے ایک مسئلے پر پانچ سوالات تحریر کئے جواباً مولانا نے ہر سوال کے جواب میں سو صفحات لکھے اور یوں پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک علمی خزانہ منظر عام پر آگیا۔(39) یہ بات بڑے تعجب کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا یوسف لدھیانوی میں ایسی صلاحیت ودیعت کی کہ حضرت کے قلم میں روانی بھی بھرپور آب و تاب کے ساتھ تھی اور کسی

لفظ کو کاٹنے یا مضمون پر نظر ثانی کی نوبت نہ آتی اس پر مولانا عبد الرشید ارشد اپنی حیرانی و تعجب کا اظہار ان خوبصورت جملوں میں فرماتے ہیں

"یہ مزید حیرانی اور استعجاب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہید کو غیر معمولی استعداد سے نوازا تھا۔ میرے سامنے اس وقت بڑے بلند پایہ حضرات کے خطوط یا پھر ان کی کتب کے مسودات کے عکس ہیں۔ جگہ جگہ لفظ لکھ کر کاٹے گئے ہیں ااور فقرات کی نشست و برخاست کے نظر ثانی میں ادھیڑ بکھیڑا گیا ہے۔ لیکن شہید کے قلم کی خوبی، قوتِ اخذ و استنباط اور تحریر کے وقت ذہنی یکسوئی کا یہ عالم تھا کہ لکھتے جاتے مگر کانٹ چھانٹ نہ کرتے تھے، یہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے"(40)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی کئی تصنیفات اور مختلف جرائد میں چھپنے والے مضامین حضرتؒ کی سرعتِ تحریر و علمی رسوخ کا منہ بولتا ثبوت ہیں انہی میں سے ایک تصنیف جو اہل حق کی ہر دلعزیز ہے وہ "اختلاف امت اور صراط مستقیم " ہے۔ جو حقیقت میں ایک الہامی تحریر ہے آپؒ نے یہ کتاب رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں بحالتِ اعتکاف صرف ۷ ایام میں ایک سائل کے جواب میں تصنیف فرمائی۔

تحقیقی انداز:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا تحقیقی انداز بہت نرالا، جامع اور کامل ہے آپ کسی بھی مسئلہ کی تحقیق فرماتے تو دلائل کے انبار کے ساتھ ساتھ اس کی حقیقت کو بہترین پیرایہ بیان میں واشگاف فرماتے چناچہ جب رد بدعات پر قلم سے ضرب کاری فرماتے ہوئے عید میلاد النبی ﷺ کے جشن کی شرعی حیثیت کی تحقیق فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" سلف صالحین نے کبھی سیرت النبی کے جلسے نہیں کیے نہ میلاد کی محفلیں سجائیں، اس لیے کہ وہاں ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برأت کا قصہ تھا، ظاہر ہے کہ جب ان کی پوری زندگی سیرت النبی ﷺ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی جب ان کی ہر محفل و مجلس کا موضوع ہی سیرت طیبہ تھا، اور جب ان کا ہر قول وہ عمل سیرت النبی ﷺ کا مدرسہ تھا تو ان کو اس نام کے جلسوں کی نوبت کب آسکتی تھی۔(41) آگے مزید تحقیق فرماتے ہیں اور اس مسئلے کی اصل جڑ تک پہنچ کر آشکارا کرتے ہیں" میلاد کی محفلوں کے وجود سے امت کی چھ صدیاں خالی گزرتی ہیں اور ان چھ صدیوں میں جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں، مسلمانوں نے کبھی سیرت النبی ﷺ کے نام سے کوئی "جلسہ" یا"میلاد" کے نام سے کوئی محفل نہیں سجائی۔ "محفل میلاد" کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۴ھ میں سلطان ابو سعید مظفر اور ابو الخطاب ابن دحیہ نے کیا

، جس میں تین چیزیں بطور خاص ملحوظ تھیں ا۔ بارہ ربیع الاول کی تاریخ کا تعین ۲۔ علماء وصلحا کا اجتماع ۳۔ اور ختم محفل پر طعام کے ذریعے آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب۔

ان دونوں صاحبوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس قماش کے آدمی تھے ؟ بعض مؤرخین نے ان کو فاسق و کذاب لکھا ہے اور بعض نے عادل اور ثقہ ، واللہ اعلم۔ جب یہ نئی رسم نکلی تو علمائے امت کے درمیان اس کے جواز وعدم جواز کی بحث چلی، علامہ فاکہانی رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء نے ان خود ساختہ قیود کی بنا پر اس میں شرکت سے عذر کیا، اور اسے بدعتِ "سیئہ" قرار دیا، اور دیگر علماء نے سلطان کی ہم نوائی کی اور ان قیود کو مباح سمجھ کر اس کے جواز واستحسان کو فتویٰ دیا۔ پھر جب ایک بار یہ رسم چل نکلی تو یہ صرف علماء وصلحاء کے اجتماع تک محدود نہ رہی۔ بلکہ عوام کے دائرے میں آکر ان کی نئی نئی اختراعات کا تختہ مشق بنتی چلی گئی۔ آج ہمارے سامنے عید میلا النبی ﷺ کی جو ترقی یافتہ مشکل موجود ہے (اور ابھی خدا بہتر جانتا ہے کہ اس میں کتنی ترقی مقدر ہے) اب ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے۔

سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جو فعل صحابہ وتابعین کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا بلکہ جس کے وجود سے اسلام کی چھ صدیاں خالی چلی آئی ہیں، آج وہ " اسلام کا شعار" کہلاتا ہے، اس شعارِ اسلام کو زندہ کرنے والے " عاشقان رسول" کہلاتے ہیں اور جو لوگ اس نوایجاد شعار اسلام سے ناآشنا ہوں ان کو دشمنانِ رسول تصور کیا جاتا ہے ، انا للہ و انا الیہ رٰجعون!

اس مسئلہ کی مزید حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

دراصل اسلام سے پہلے قوموں میں اپنے بزرگوں اور بانیانِ مذہب کی برسی منانے کا معمول ہے ، جیسا کہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت پر "عید میلاد" منائی جاتی ہے۔ اسکے برعکس اسلام نے برسی منانے کی رسم کو ختم کر دیا تھا، اور اس میں دو حکمتیں تھیں ایک یہ کہ سالگرہ کے موقع پر جو کچھ کیا جاتا ہے وہ اسلام کی دعوت اور اس کی روح و مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا ، اسلام اس ظاہری سج دھج ، نمود و نمائش اور نعرہ بازی کا قائل نہیں ، اور اس شور و شغب اور ہاؤ ہو سے ہٹ کر اپنی دعوت کا آغاز دلوں کی تبدیلی سے کرتا ہے ، اور عقائد حقہ ، اخلاق حسنہ اور اعمالِ صالحہ کی تربیت سے " انسان سازی" کا کام کرتا ہے اس کی نظر میں یہ ظاہری مظاہرے ایک کوڑی کی قیمت بھی نہیں رکھتے جن کے بارے میں کہا گیا ہے

"جگمگاتے درودیوار دل بے نور ہیں"

دوسری حکمت یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح کسی خاص موسم میں برگ وبار نہیں لاتا، بلکہ وہ تو ایسا سدا بہار شجرہ طوبیٰ ہے جس کا پھل اور سایہ دائم و قائم ہے گویا اس کے بارے میں قرآنی الفاظ میں "أُكُلُهَا دائم و ظلُّها" کہنا بجا ہے۔ اس کی دعوت اور اس کا پیغام کسی خاص تاریخ کا مرہون منت نہیں بلکہ آفاق وازماں کو محیط ہے۔

اور پھر دوسری قوموں کے پاس تو دو چار ہستیاں ہوں گی جن کی سالگرہ منا کر وہ فارغ ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کے دامن میں ہزاروں، لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں ایسی قد آور ہستیاں موجود ہیں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اور جن کی عظمت کے سامنے آسمان کی بلندیاں ہیچ اور نورانی فرشتوں کا تقدس گرد راہ ہے۔ اسلام کے پاس کم وبیش سوا لاکھ کی تعداد تو ان انبیاء علیہم السلام کی ہے جو انسانیت کے ہیرو ہیں اور جن میں سے ایک ایک کا وجود کائنات کی ساری چیزوں پر بھاری ہے۔ پھر انبیا علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قافلہ ہے ان کی تعداد بھی سوا لاکھ سے کیا کم ہو گی؟ پھر ان کے بعد ہر صدی کے وہ لاکھوں اولیاء اللہ ہیں جو اپنے اپنے وقت میں رشد وہدایت کے مینار نو تھے اور جن کے آگے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں اب اگر اسلام شخصیتوں کی سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو غور کیجئے اس امت کو سال بھر میں سالگرہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لئے ایک لمحے کی بھی فرصت ہوتی۔۔۔؟؟

چونکہ یہ چیز ہی اسلام کی دعوت اور اس کے مزاج کے خلاف تھی اس لئے آنحضرت ﷺ صحابہؓ وتابعینؒ کے بعد چھ صدیوں تک امت کا مزاج اس کو قبول نہ کر سکا۔ اگر آپ نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اسلامی تاریخ میں چھٹی صدی وہ زمانہ ہے جس میں فرزندانِ تثلیث نے صلیبی جنگیں لڑیں، اور مسیحیت کے ناپاک اور منحوس قدموں نے عالم اسلام کو روند ڈالا۔ ادھر مسلمانوں کا اسلامی مزاج، داخلی وخارجی فتنوں کی مسلسل یلغار سے کمزور پڑ گیا تھا، ادھر مسیحیت کا عالم اسلام پر فاتحانہ حملہ ہوا، اور مسلمانوں میں مفتوح قوم سا احساس کمتری پیدا ہوا۔ اس لئے عیسائیوں کی تقلید میں یہ قوم بھی سال بعد اپنے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے "یوم ولادت" کا جشن منانے لگی، یہ قوم کے کمزور اعصاب کی تسکین کا ذریعہ تھا، تاہم جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں امت کے مجموعی مزاج نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ ساتویں صدی کے آغاز سے آج تک علمائے امت نے اسے "بدعت" قرار دیا اور اسے "ہر بدعت گمراہی ہے" کے زمرے میں شمار کیا ہے(42) درج بالا عبارات میں حضرت نے بہت بہترین الفاظ وبیان میں " عید میلاد النبی" کے مسئلہ کی تحقیق فرمائی۔ قارئین نے حضرتؒ کے قلم کی روانی کے ساتھ ساتھ ایک اور خاص بات ملاحظہ کی ہو گی کہ حضرتؒ کسی ایک مسئلہ کے جتنے پہلو نکلتے ہیں سب پر موثر انداز میں روشنی ڈالتے ہیں اور حضرتؒ کے قلم کا انداز شروع سے

آخر تک یکساں ہو تا ہے حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا قلم مسئلہ کی انتہائی گہرائی اور تہہ کو جان کر دوٹوک الفاظ میں مسئلہ کا خطرناک انجام بیان کرتا اسی ''میلاد'' کے خطرناک انجام کو واضح فرماتے ہیں۔

''اب میں اس عید میلاد النبی'' کا آخری کارنامہ عرض کرتا ہوں۔کچھ عرصے سے ہمارے کراچی میں '' عید میلاد النبی'' کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں اور بیت اللہ کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں۔یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں علماء کی نگرانی میں کرایا جاتا ہے، فیا اسفاہ!

'' جشن عید میلاد کی باقی ساری چیزوں کو چھوڑ کر اسی ایک منظر کا جائزہ لیجئے کہ اسمیں کتنی قباحتوں کو سمیٹ کر جمع کر دیا گیا ہے۔

اول۔۔اس پر جو ہزاروں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے یہ محض اسراف و تبذیر اور فضول خرچی ہے آپ ملا علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے سن چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قبروں پر چراغ اور شمع جلانے والوں پر اس لئے لعنت فرمائی ہے کہ یہ فعل عبث ہے اور خدا کے دیئے ہوئے مال کو مفت ضائع کرنا ہے۔ذرا سوچئے! جو مقدس نبی ﷺ قبر پر ایک چراغ جلانے کو فضول خرچی کی وجہ سے ممنوع اور ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیتے ہیں ان کا ارشاد اس ہزاروں لاکھوں روپے کی فضول خرچی کرنے کے بارے میں کیا ہو گا؟

اور پھر یہ بھی دیکھیے یہ فضول خرچی وہ غربت زدہ قوم کر رہی ہے جو روٹی، کپڑا، مکان کے نام پر ایمان تک کا سودا کرنے کو تیار ہے اس فضول خرچی کے بجائے اگر یہی رقم آنحضرت ﷺ کے ایصال ثواب کے لئے غرباء مساکین کو چپکے سے نقد دے دی جاتی تو نمائش تو بلاشبہ نہ ہوتی مگر اس رقم سے سینکڑوں اُجڑے گھر آباد ہو سکتے تھے۔ان سینکڑوں بچیوں کے ہاتھ پیلے کئے جاسکتے تھے جو اپنے والدین کے لئے سوہانِ روح بنی ہوئی ہیں کیا یہ فضول خرچی اس قوم کے رہنماؤں کو سجتی ہے جس کے بہت سے افراد و خاندان نانِ شبینہ سے محروم اور جان و تن کا رشتہ قائم رکھنے سے قاصر ہوں؟ اور پھر یہ سب کچھ کیا بھی جارہا ہے کس ہستی کے نام پر؟ جو خود تو پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے تھے، مگر جانوروں تک کی بھوک پیاس سن کر تڑپ جاتے تھے۔آج کمیونزم اور لادین سوشلزم، اسلام کو دانت دکھارہا ہے، جب ہم دنیا کی مقدس ترین ہستی کے نام پر یہ سارا کھیل کھیلیں گے تو لادین طبقے، دین کے بارے میں کیا تأثر لیں گے! فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن کریم نے '' اخوان الشیٰطین'' فرمایا تھا، مگر ہماری فاسد مزاجی نے اس کو اعلیٰ ترین نیکی اور اسلامی شعار بناڈالا ہے(43)حضرت مولانا

محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اس ”عید میلاد“ کے مسئلہ کی مشابہت اور اتباع کی کڑیاں کن سے ملتی ہیں اس کی وضاحت کر تے ہوئے فرماتے ہیں۔

دوسرے۔۔۔ اس فعل میں شیعوں اور رافضیوں کی تقلید ہے آپ کو معلوم ہے کہ رافضی حضرت حسینؓ کی سالانہ برسی منایا کرتے اور اس موقع پر تعزیہ علم، اور دلدل وغیرہ نکالا کرتے ہیں، انہوں جو کچھ حسین رضی اللہ عنہ اور آلِ رسول کے نام پر کیا وہی ہم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر شروع کر دیا انصاف کیجئے کہ اگر رسول ﷺ کے روضہ اطہر اور بیت اللہ کا سوانگ بنا کر اسے بازاروں میں پھرانا اور اس کے ساتھ روضہ اطہر اور بیت اللہ کا معاملہ کرنا صحیح ہے تو روافض کا تعزیہ اور دلدل کا سوانگ رچانا کیوں غلط ہے؟ افسوس ہے کہ جو ملعون بدعت رافضیوں نے ایجاد کی تھی ہم نے ان کی تقلید کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے کی کوشش کی

تیسرے۔۔۔ اس بات پر بھی غور کیجئے کہ روضہ اطہر اور بیت اللہ کی جو شبیہ بنائی جاتی ہے وہ شیعوں کے تعزیہ کی طرح محض جعلی اور مصنوعی ہے جسے آج بنایا جاتا ہے اور کل توڑ دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مصنوعی سوانگ میں اصل روضہ اطہر اور بیت اللہ کی کوئی خیر وبرکت منتقل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی اس چیز میں کسی درجہ میں تقدس پیدا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کوئی تقدس کوئی برکت نہیں تو اس فعل کے محض لغو اور عبث ہونے میں کیا شک ہے؟ اگر اس میں تقدس اور برکت کا کچھ اثر آجاتا ہے تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ اور کسی مصنوعی اور جعلی چیز میں روضہ مقدس اور بیت اللہ شریف سے تقدس وبرکت کا اعتقاد رکھنا اسلام کی علامت ہے یا جاہلیت کی؟ اور پھر روضہ شریف اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر اگلے دن اسے توڑ پھوڑ دینا کیا ان کی توہین نہیں۔۔۔ آپ جانتے ہیں بادشاہ کی تصویر بادشاہ نہیں ہوتی، نہ کسی عاقل کے نزدیک اس میں بادشاہ کا کوئی کمال ہوتا ہے، اس کے باوجود بادشاہ کی تصویر کی توہین کو قانون کی نظر میں لائق تعزیر جرم تصور کیا جاتا ہے اور اسے بادشاہ سے بغاوت پر محمول کیا جاتا ہے، لیکن آج روضہ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر کل منہدم کرنے والوں کو یہ احساس تک نہیں ہوتا وہ اسلامی شعائری توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

چوتھے۔۔۔ جس طرح شیعہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تعزیے پر چڑھاوے اور منتیں مانتے ہیں اب رفتہ رفتہ عوام اس نو ایجاد ” بدعت “ کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنے لگے ہیں، روضہ اطہر کی شبیہ پر درود وسلام پیش کیا جاتا ہے اور بیت اللہ شریف کی شبیہ کا باقاعدہ طواف ہونے لگا ہے۔ گویا مسلمانوں کو حج وعمرہ کے لئے مکہ مکرمہ اور حضرت محمد ﷺ کے روضہ کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ جانے کی ضرورت نہیں، ہمارے ان دوستوں نے گھر گھر میں روضے اور بیت اللہ

بنا دیئے ہیں، جہاں سلام بھی پڑھا جاتا ہے اور طواف بھی ہوتا ہے۔ میرے قلم میں طاقت نہیں کہ اس فعل کی قباحت و شناعت اور ملعونیت کو ٹھیک ٹھیک واضح کر سکوں۔ ہمارے ائمہ اہل سنت کے نزدیک یہ فعل کس قدر قبیح ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ایک مثال کافی ہے، وہ یہ کہ ایک زمانے میں ایک بدعت ایجاد ہوئی تھی کہ عرفہ کے دن جب حاجی حضرات عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں تو ان کی مشابہت کے لئے لوگ اپنے شہر کے کھلے میدان میں نکل کر جمع ہوتے اور حاجیوں کی طرح سارا دن دعا و تضرع، گریہ وزاری اور توبہ و استغفار میں گزارتے، اس رسم کا نام "تعریف" یعنی عرفہ منانا رکھا گیا تھا۔ بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی، بلکہ یہ ایک اچھی چیز تھی کہ اگر اس کا رواج عام ہو جاتا تو کم از کم سال بعد تو مسلمانوں کو توبہ استغفار کی توفیق ہو جایا کرتی، مگر ہمارے علماء اہل سنت نے (اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) اس بدعت کی سختی سے تردید کی اور فرمایا:

"التعریف لیس بشیئ"

یعنی اس طرح عرفہ منانا بالکل لغو بیہودہ حرکت ہے

شیخ ابن نجیم رحمہ اللہ صاحب البحر الرائق میں لکھتے ہیں:

" چونکہ وقوفِ عرفات ایک ایسی عبادت ہے جو ایک خاص مکان کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے یہ فعل اس مکان کے سوا دوسری جگہ جائز نہ ہو گا جیسا کہ طواف وغیرہ جائز نہیں آپ دیکھتے ہیں طواف کعبہ کی مشابہت کے طور کسی اور مکان کا طواف جائز نہیں(44)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

" آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا کہ میری قبر کو عید نہ بنالینا اس میں تحریف کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہود و نصاری نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ یہی کیا تھا اور انہیں حج کی طرح عید اور موسم بنالیا تھا"(45)

شیخ علی قاری رحمہ اللہ شرح مناسک میں فرماتے ہیں کہ

" طواف کعبہ شریف کی خصوصیات میں سے ہے اس لئے انبیا و اولیاء کی قبور کے گرد طواف کرنا حرام ہے۔ جاہل لوگوں کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں خواہ وہ مشائخ و علماء کی شکل میں ہوں۔"(46)

اور البحر الرائق، کفایہ شرح ہدایہ اور معراج الدرایہ میں ہے کہ

" جو شخص کعبہ شریف کے علاوہ کسی اور مسجد کا طواف کرے اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے"(47)

ان تصریحات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ روضہ اطہر اور کعبہ شریف کا سوانگ بنا کر ان کے ساتھ اصل کا سا جو معاملہ کیا جاتا ہے ہمارے اکابر اہل سنت کی نظر میں اس کی کیا حیثیت ہے!(48)

قارئین کے فائدہ کے پیش نظر پورا مضمون نقل کیا درج بالا مسئلہ پر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے جس طرح ہر پہلو پر روشنی ڈال کر تحقیق کے آہنی جکڑ میں اس بدعت کو واضح کیا یہ حضرت کا ہی کمالِ تصنیف ہے اور صرف یہی مسئلہ نہیں بلکہ حضرت کے بیان کردہ جتنے بھی تحقیقی مسائل ہیں سب ہی کو حضرت لدھیانویؒ نے بہت خوب صورت و دلنشین انداز میں محقق و مدلل بیان فرمایا چنانچہ حضرت لدھیانویؒ نے جب قبروں پر منتیں چڑھاوے چڑھانے پر گفتگو فرمائی تو صرف اسی ایک مسئلہ پر اکابرین کی کتب سے آٹھ دلائل مع حوالہ جات بیان فرمادیئے اور یہ بات گزر چکی کہ آپ کی یہ مایہ ناز تصنیف اختلاف امت اور صراط مستقیم صرف سات دن میں تصنیف ہوئی وہ بھی بحالت اعتکاف ماہ رمضان میں۔ نمونہ کے طور پر ایک مسئلہ کا تحقیقی انداز نقل کیا۔ حضرت کے قلم میں بیک وقت کئی خوبیاں تھیں انہیں خوبیوں میں سے ایک خوبی اردو ادب ہے جس کی تفصیل ہم آگے ذکر کرینگے۔

ادبی حیثیت و مقام:

انسان کی تحریر اسی کی شخصیت کی غماز ہوتی ہے جس قدر تحریر شگفتہ اور پژمردہ ہوگی اسی قدر تحریر کرنے والے کا قلب و روح شگفتہ اور پژمردہ ہوگی۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید نے ماہنامہ بینات میں ”بصائر و عبر کے نام سے جو نثر کے جواہرات بکھیرے جن میں ایسی ندرت بیانی، سحر انگیزی، برجستگی اور الفاظ کی شگفتگی ودیعت ہے جو بڑے سے بڑے نامور ادیب کے مقابلے میں پیش کی جاسکتی ہے، حضرت شہید جب ادبی انداز پر قلم دان ہوتے ہیں تو لگتا ہے کہ حضرت اسی فن کے امام ہیں۔ ہم نمونہ کے طور پر چند اقتباسات آپ کے سامنے پیش کرینگے۔ جو حضرت شہید کی کتاب شخصیات و تاثرات میں مذکور ہیں چنانچہ حضرت بنوری کی وفات پر اپنے تأثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

” آج کا دن پاکستان کی علمی و دینی تاریخ میں ایک المناک سانحہ اور جاں گزر المیہ کی حیثیت سے یاد گار رہے گا، آج اقلیم کا تاجدار، مسند ولایت کا صدر نشین، گلشن دین کا باغبان، حریم نبوت کا پاسبان، ولی اللہ سلسلہ کا امین، قاسمی حکمت کا رازدان ،انوری علوم و معارف کا وارث، علم و معرفت کا بحر مواج، اسرارِ شریعت کا نکتہ رس، شجرہ سیادت کا گل سرسبد، سید زکریا کا لخت جگر، شیخ آدم بنوریؒ کی آنکھ کا تارا، حسینی خانوادہ کا چشم و چراغ، دودمان نبوت کا چاند اور سیادت و قیادت کا آفتاب دنیا کے افق سے غائب ہوگیا، ہمارے شیخ السید الامام محمد یوسف البنوری الحسینی رحلت فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔“

موت کوئی اجنھبا چیز نہیں کہ اس پر حیرت و تعجب کا اظہار کیا جائے۔ یہ سنت بنی آدم ہے یہاں کا آنا ہی جانے کی تمہید ہے یہاں جو آیا جانے کے لئے آیا، سرائے عالم کا ہر مسافر منزل عدم کا راہ نورد ہے۔

لہ ملک ینادی کل یوم

لدو اللموت و ابنو اللثر اب

موت کے قانون سے نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ کوئی ولی، نہ عالم نہ جاہل نہ نیک نہ بد نہ مومن نہ کافر، نہ شاہ نہ گدا، اپنے اپنے وقت پر سب ہی گئے، لیکن جانے والوں میں کچھ اسے خوش بخت بھی ہوتے ہیں کہ زندگی ان کے نقش پا سے راستے ڈھونڈتی ہے قومیں ان کے نور سے روشنی پاتی ہیں، انسانیت ان سے غازۂ حسن مستعار لیتی ہے۔ شرافت ان پر ناز کرتی ہے، محبوبیت انہیں دیکھ دیکھ کر اپنی کاکل و گیسو سنوارتی ہے۔ ایوان علم ان کے بہار آفریں وجود سے گل ولالہ بن جاتا ہے، مجروح قلوب ان کے انفاس سے مرہم شفا پاتے ہیں، بے کس و درماندہ افراد ان کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیتے ہیں، وہ شمع کی مانند خود پگھلتے ہیں مگر مخلوق خدا پر ضو فشانی کرتے ہیں خود جلتے ہیں مگر دوسروں کو جلا بخشتے ہیں، خود بے چین و بے قرار رہ کر دوسروں کو راحت و سکون عطا کرتے ہیں ان کے آئینہ دل زیبا میں یادِ خدا جھلکتی نظر آتی ہے (اذارؤوذ کر اللہ) ان کی دید دل کو سرور اور آنکھوں کو نور عطا کرتی ہے، ان کی محفل سکینت جنت کا نمونہ پیش کرتی ہے وہ خاموش ہوں تو ہیبت و وقار پر باندھے پہرہ دیتے ہیں بات کریں تو موتی رولتے ہیں، مسکرائیں تو پھول برساتے ہیں، ناز کریں تو آسمان سے صدائے لبیک آتی ہے گڑگڑائیں تو عرش الٰہی کانپ جاتا ہے دنیا سے یہ بھی جاتے ہیں مگر اس شان سے جاتے ہیں کہ ہر چہار سو صف ماتم بچھ جاتی ہے آسمان و زمین نوحہ کرتے ہیں انسانیت کا پرچم سرنگوں ہو جاتا ہے ہمارے شیخ چلے گئے لیکن آہ! ملت کا صبر و سکون بھی ساتھ لے گئے۔ آج کون اشکبار نہیں؟ کون دل فگار نہیں؟ مدرسہ میں کہرام ہے کہ اس کے محبوب بانی چپکے سے چلے گئے، دار الحدیث کے در و دیوار پکار رہے ہیں کہ شیخ بنوری کے لحن میں قال قال رسول اللہ ﷺ کی جو اسحر آفریں آواز آتی تھی، بند ہو گئی۔ "مجلس تحفظ ختم نبوت" اپنی یتیمی پر نوحہ کناں ہے کہ اس کے امیر و قافلہ سالار بچھڑ گئے۔ مدارس عربیہ کی تنظیم "وفاق المدارس" میں گھر گھر ماتم ہے کہ اس کے بانی و صدر رخصت ہو گئے، اسلامی نظریاتی کونسل پر سکوت مرگ طاری ہے کہ اس کی روح رواں نکل گئی۔ اہل قلوب مضطرب ہیں کہ "جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔"

اہل نظر تصویر حیرت ہیں کہ متاع دین و دانش لٹ گئی، علماء مبہوت ہیں کہ علم و فقاہت کی بساط الٹ گئی، دانشوروں کو غم ہے کہ فضیلت و سیادت کی مسند خالی ہو گئی، اہل حق سراسیمہ ہیں کہ ان کی ڈھال چھن گئی،

یتیموں اور بے کسوں کو صدمہ ہے کہ ان کا مشفق و مربی اٹھ گیا عالم اسلام مغموم ہے کہ ملت ایک دیدہ ور راہنما سے محروم ہو گئی (49)

درج بالا اقتباس ایک طرف حضرت بنوریؒ کے سانحہ ارتحال پر حضرت لدھیانوی کے غم، صدمہ قلب و جگر کی کیفیات و سوزیاں اور حضرت لدھیانوی کے حضرت بنوریؒ سے قلبی تعلق کو واضح کر رہا ہے تو دوسری طرف اردو ادب کے جواہر و نثر پارے بکھیر رہا ہے اور یہ بات گذر چکی کہ حضرت یوسف لدھیانوی شہیدؒ کچھ بھی تحریر فرماتے تو نہایت عجلت اندازی سے تحریر فرما لیتے۔

یہ ادبی طرز حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید کے قلم میں نایاب و کم یاب نہیں بلکہ حضرت موصوف بلا تصنع و بلا تکلف بطرز ادیب سخن دانی کر لیتے اور تحریر فرما لیتے۔ چنانچہ مفتی محمود رحمہ اللہ کی رحلت پر حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رقمطراز ہیں۔

"حق تعالیٰ شانہ کے لطف و کرم اور اس کی قدرت کاملہ کا تماشہ دیکھو کہ تھانہ بھون کے ایک شیخ زادے کو اٹھاتے ہیں اور اسے عرب و عجم کا شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بنا دیتے ہیں گنگوہ کے ایک انصاری خاندان کے ایک فرد پر نظر عنایت ہوتی ہے اسے قطبیت کبری کے مقام پر فائز کر کے امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی بنا دیا جاتا ہے۔ کشمیر کی سنگلاخ زمین سے ایک گمنام خاندان کے ایک فرد کو لایا جاتا ہے اور علوم نبوت کا پورا کتب خانہ اس کے سینے میں انڈیل کر اسے امام العصر مولانا محمد انور شاہ بنا دیا جاتا ہے۔ گوجرانوالہ کے ایک گاؤں سے ایک نو مسلم کو لاتے ہیں اسے ولایت کبری اور مقام صدیقیت پر فائز کر کے شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری بنا دیتے ہیں۔ اور ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک غیر معروف قصبہ سے ایک فرد کو کھینچتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے عالم، حافظ، قاری، فقیہ، مفتی، محدث، متکلم اور پھر وزیر اعلی سے لے کر قائد حزب اختلاف تک بنا دیتے ہیں اس صدی اور گذشتہ صدیوں کے اکابر کے ابتدائی حالات کا مشاہدہ کیجئے تو بظاہر اسباب کوئی شخص نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نونہال کا سایہ ایک عالم پر محیط ہو گا اس سے واضح ہوا کہ مشیت الٰہی حفظ دین اور پاسبانی ملت کا انتظام ظاہر اسباب سے بالاتر کرتی ہے اور لطف الٰہی خود ایسے افراد کا انتخاب کرتا ہے جن سے دین قیم کی خدمت کا کام لیا جائے۔(50)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید کے قلم کے ادبی شہ پارے کسی بھی بڑے سے بڑے ادیب کے مقابلے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ حضرت موصوف قاری فتح محمد صاحب کے سانحہ ارتحال پر ماہنامہ بینات کے بصائر عبر کے نام سے شائع ہونے والے مضمون میں تحریر فرمایا جس کو بعد میں جمع کر کے شخصیات و تاثرات کے نام سے شائع کیا گیا۔ حضرت لکھتے ہیں" ان کے بلا واسطہ بالواسطہ شاگردوں، مریدوں، عقیدت مندوں کی تعداد بلا مبالغہ ہزاروں کی گنتی میں تھی۔ جس سے ایک مرتبہ شناسائی ہو گئی اگر وہ بیس سال کے بعد بھی ملاقات کرے تو اس کی آواز سے فوراً سے پہچان لیتے تھے۔ الغرض آپ کا

شرقِ عادت حافظہ حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کا عجیب و غریب کرشمہ اور منکرین حدیث کے شبہات کے خلاف برہان قاطع تھا۔ وہ لوگ جو حضرات محدثین کے محیر العقول حافظہ کے بارے میں شکوک و شبہات کے مریض ہیں انہیں اپنے ہی دور کے اس عجوبہٗ قدرت کی صحبت میسر آجاتی تو ان کے مرض تشکیک کا علاج ہو جاتا۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت قاری صاحب کے علمی فیضان میں خاص برکت عطا فرمائی تھی۔ بارہ تیرہ سال کے تھے اور ہنوز طالب علمی کا دور تھا کہ استاد محترم کی نگرانی میں قرآن کریم پڑھانے لگے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد توہمہ تن قرآن کریم کے ہو کر رہ گئے۔ اور ان کا چشمہٗ فیض پورے جوش کے ساتھ ابلنے لگا۔ جس نے بڑھتے بڑھتے دریائے موج کی شکل اختیار کرلی۔ جس سے نہ صرف پاک و ہند کے بنجر علاقے سیراب ہو کر لالہ زار بن گئے بلکہ ان کا فیض حرمین شریفین سے لے کر مغرب کے برفانی علاقوں تک پہنچا۔ حضرت اقدس مولانا قاری رحیم بخش رحمہ اللہ آپ ہی کے تلمیذ شریف تھے۔ جن علاقوں میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی صحیح پڑھنے والا نہیں ملتا تھا وہاں سینکڑوں کی تعداد میں سبعہ عشرہ کے قاری اعلیٰ قسم کے مجودین اور مدرسین پیدا ہو گئے۔ یوں ''پانی پتی'' کا لفظ ضبط و اتقان، تجوید قرآن اور تعلیم قرآن سے عشق و شغف کی علامت بن گیا۔ آج بلا مبالغہ سینکڑوں قرآنی مکاتب تحفیظ قرآن کریم کے ادارے ہیں جو قاری صاحب کے بلا واسطہ یا بالواسطہ شاگردوں نے قائم کر رکھے ہیں اور یہ سلسلہ بحمد اللہ روز افزوں ہے۔

حضرت قاری صاحب کا ذوق عبدیت و عبادت عقل و قیاس سے بالاتر تھا جسے ان کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے اس ناکارہ کو اپنی زندگی میں جن خاصان خدا کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ان میں دو بزرگوں کو '' اعبد خلق اللہ'' پایا ان میں سے ایک حضرت قاری صاحبؒ تھے۔ (51) حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے ماہنامہ بینات میں شائع ہونے والے مضامین بصائر و عبر کے نام سے اسم بامسما حکمت و بصیرت کے موتی ہوتے جن کی اردو انتہائی شگفتہ اور بطرزِ ادیب ہوتی۔ حضرت موصوف شہید رحمہ اللہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

'' حق تعالیٰ شانہ نے حضرت مولانا کو محض اپنی عنایت و موہبت سے جس فطری خصائص و کمالات، جن ملکاتِ حمیدہ اور جذبائے صالحہ، جس سوز و گداز اور درد دل جس قلب صافی اور نفس مطمئنہ سے نوازا ہے اور پھر ان کے سینہ بے کینہ میں اسلام اور عالم اسلام کی سربلندی اور اصلاح امت کے لئے گھلنے اور پگھلنے کی جو دولت و دیعت فرمائی ہے اور پھر ان کی زبان و قلم سے اسلام کی پیغام رسانی کا جو کام لیا ہے اس کا اصل صلہ اور بے حد پایاں صلہ ان کو خدا تعالیٰ کے سوا کون دے سکتا ہے اور وہ آخرت کے سوا کہاں مل سکتا ہے تاہم ثم یوضع لہ القبول فی للاض کے مطابق دنیا میں جو محبوبیت و مقبولیت انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے وہ اسی موہبت کا ایک ثمرہ ہے۔ حضرت مولانا نے مشرق و مغرب اور عرب و عجم میں مسلسل

اسلام کی دعوت کا صور پھونکا ہے۔ اور وہ پوری انسانیت کو اسلام کے خوانِ یغما پر جمع ہونے کی دعوت دے رہے ہیں وہ ہمیں کبھی امریکہ ولندن پہنچ کر " مغرب سے صاف صاف باتیں" کرتے نظر آتے ہیں۔ کبھی قاہرہ میں " اسمعی یامصر" کی اذان دیتے ہیں۔اور کبھی "اسمعو ھا منی صریحۃ ایھا العرب" کے زریعے معدن اسلام (عرب) کے نمائندوں کو جھنجھوڑتے ہیں۔ کبھی "دریائے کابل سے دریائے یرموک" تک پہنچ کر عالم اسلام کے مقتداؤں کو بیدار کرتے ہیں کبھی انہیں " دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر کی کہانی سناتے ہیں۔(جس کا ایک رخ وجد آفرین ہے تو دوسرا خون افشاں) کبھی ان کے سامنے تاریخ دعوت و عزیمت کھول کر رکھتے ہیں۔ کبھی انہیں "اسلامیت و مغربیت کی کشمکش کے ہولناک پہلوؤں سے آگاہ کرتے ہیں کبھی آج کے نظریاتی قافلوں سے ہٹ کر "کاروان مدینہ" میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں الغرض مولانا کی دعوت شرق و غرب، عرب و عجم اور افریقہ وایشیاء کی حدبندیوں سے بالاتر ہے وہ پوری انسانیت کو سسکتی بلکتی انسانیت کو، مادی زخموں سے چور چور انسانیت کو محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دامن سے وابستگی کی دعوت دیتے ہیں۔(52)

درج بالا اقتباس میں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید کی اردو ادب کی سخن دانی قابل دید وشنید ہے کہ عبارات میں اس انداز سے جملے استعمال فرمائے کہ درمیان میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتابوں کے اسماء ذو معنی ہونے کی حیثیت سے لفظوں کی لڑی میں پرو دئے گئے۔ مندرجہ بالا مختلف اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ حضرت لدھیانویؒ اردو ادب میں بھی مہارت اور یہ طولی رکھتے تھے جو اکتسابی ہونے کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ عزاسمہ کے جانب سے واہبی طور پر بھی ملی تھی جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید جب اکابرین میں سے کسی پر قلم چلاتے تو ادبی موتی لفظوں کے شکل لے کر جھڑتے اور حضرت کا اپنے اکابرین سے محبت عقیدت کے منتھی کا عکاس ہوتے چنانچہ ہم ذیل میں ماہنامہ بینات میں چھپنے والے چند مضامین کے اہم اقتباس نمونہ کے طور پر نقل کرتے ہیں۔ جو بعد میں ایک کتابی شکل میں جمع کر دیئے گئے۔

مولانا عبد اللہ بہلوی:

ا۔ چنانچہ حضرت موصوف حضرت مولانا عبد اللہ بہلویؒ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب سے کئی ماہ تک اسباق پڑھے اور حدیث فخر الاماثل خاتم لمحدثین مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانی سے حاصل کی۔ حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی سے سلسلہ چشتیہ کی خلافت حاصل کی، روحانی اکتساب فیض قطب العالم شیخ المشائخ مولانا فضل علی قریشی مسکین پوری رحمہ اللہ سے حاصل کیا اور تمام سلاسل

روحانیہ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ کی اجازت حاصل کی۔رئیس المفسرین مولانا حسین علی واں بھچراں سے دورہ تفسیر پڑھااور ان کے سلسلہ نقشبندیہ قادریہ کے مجاز ہوئے۔(53)

حضرت مولانااحتشام الحقؒ:۔

۲۔ حضرت مولانااحتشام الحقؒ کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

"مولانامرحوم دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ، حضرت شیخ الاسلام مولاناسید حسین احمد مدنی کے شاگرد اور حکیم الامت حضرت اقدس مولانااشرف علی تھانوی کے رشتہ میں عزیز تھے۔ حق تعالیٰ شانہ نے انہیں بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا جن میں وہ ممتاز تھے۔ان کی آواز کانوں میں رس گھولتی تھی اور مترنم آواز میں قرآن مجید کی تلاوت وجد آفرین تھی۔وہ بے بدل خطیب تھے۔ان کا طرز بیاں لب ولہجہ اور انداز تکلم بڑوں بڑوں کے لئے لائق صدرشک تھا۔وہ مشکل سے مشکل موضوع کو حکایت و تمثیل کے پیرائے میں بڑی آسانی سے ذہین نشین کرادیتے تھے۔ان کے خطبہ جمعہ کے لئے لوگ دور دور سے کشاں کشاں آتے تھے،سالہاسال تک ریڈیو پر ان کا درس قرآن ہوتارہالوگ بڑے ذوق وشوق سے سنتے تھے۔(54)

مولانامحمد حیاتؒ:۔

۳۔ مناظر اسلام مولانا محمد حیاتؒ کے بارے میں فرماتے ہیں۔مولانا مرحوم (محمد حیاتؒ) امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے اس قافلۂ حریت کے رکن رکین تھے جس نے انگریزی طاغوت سے ٹکر لی۔اور اپنی تمام طاقتیں وصلاحتیں انگریز اور اس کے گماشتوں سے اسلام کی مدافعت میں صرف کرڈالیں۔"مجلس احرار" کے ماتحت جب سارقین نبوت کے تعاقب و سرکوبی کے لئے شعبہ تبلیغ کا اجراء ہواتو مولانامرحوم کو اس کانگران تجویز کیاگیااور قادیان کا مشن ان کے سپرد ہوا۔قیام پاکستان کے بعد "مجلس ختم نبوت" کی تاسیس ہوئی تو مولانامرحوم کی خدمات اس کے لئے وقف ہوگئیں اور تادم حیات وقف رہیں۔اس طرح ان کی پوری زندگی جہاد فی سبیل اللہ، اعلاء کلمۃ اللہ، اسلام کی دعوت و تبلیغ اور ختم نبوت کی پاسبانی میں گذری۔

مولانامرحوم کو حق تعالیٰ شانہ نے فرق باطلہ کی تردید اور ان سے بحث و مناظرہ کا خاص ذوق اور بہت ہی اچھاسلیقہ عطاء فرمایا تھا۔وہ بہت صبر و تحمل، حلم و وقار اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے،فریق مخالف کے شبہات کا ایسا تسلی بخش اور حکمت جواب دیتے کہ منصف کو تسلیم واقرار کے بغیر چارہ نہ ہوتا اور مکابر ومعاند خجلت وندامت کے ساتھ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتا۔ان کی پوری زندگی میں بحمد اللہ ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ انہیں مناظرے میں

شکست ہوئی ہو بلکہ وہ ہر میدان میں بفضل خداوندی مظفر و منصور رہے۔ مناظروں میں عموماً شیخی و تعلی اور حریف کی دل آزاری کے الفاظ نکل جاتے ہیں اور حریف کی کج روی پر غصہ اور برافروختگی تو ایک معمولی بات ہے۔ لیکن مولانا کی گفتگو شیخی و تعلی، خود نمائی و خود نگری، سب و شتم، دل آزاری و دریدہ دہنی اور غصہ و برافروختگی کے عیوب سے قطعاً پاک ہوتی تھی۔ اسی طرح مولانا کے مناظروں میں طنز و تشنیع اور فقرہ بازی کا بھی گذر نہیں تھا۔ وہ جو بات کہتے تھے خوب ناپ تول کر پوری متانت و سنجیدگی سے کہتے تھے۔(55)

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ:

حضرت مولانا قاری طیب قاسمی مرحوم کی عبقری شخصیت گوناگوں فضائل و کمالات کا مجموعہ تھی، وہ اپنے دور کے بہترین قاری، جید حافظ، صاحب کمال عالم، قوی النبت شیخ طریقت، بے بدل خطیب، صاحب طرز ادیب، نامور متکلم، نکتہ رس فلسفی، قادر الکلام شاعر، کامیاب مدرس، شگفتہ قلم مصنف، حکمت قاسمی کے شارح اور روایات سلف کے امین تھے۔ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو خطابت کا خاص ذوق، زبان و بیان کا خاص انداز اور افہام اور تفہیم کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں میں بلا تکلف خطاب فرماتے تھے۔ زبان ایسی صاف اور شستہ اور جملے ایسے نپے تلے کہ گویا سامنے کتاب رکھی ہے اور اس کی عبارت پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ حقائق و واقعات کی ایسی منظر کشی فرماتے تھے گویا واقعہ متمثل ہو کر سامعین کے سامنے کھڑا ہے۔ شریعت کے اسرار و حکم اور طریقت و حقیقت کے رموز و لطائف اس طرح بیان فرماتے تھے گویا دریائے علم و معرفت کا بند ٹوٹ گیا ہے اور علومِ وہبیہ کا طوفان اُمڈ آیا ہے حضرت مرحوم نے اپنے ساٹھ پینسٹھ سالہ علمی دور میں خدا جانے ہزاروں مرتبہ خطاب کیا ہو گا اور بعض اوقات ایک ایک دن کئی کئی مرتبہ انہیں تقریر و خطابت کی نوبت بھی آئی لیکن ان کی ہر تقریر کا موضوع منفرد ہوتا تھا اور جس موضوع کو بھی چھیڑتے اس میں لطائف واسرار کے ایسے گل و لالہ بکھیرتے کہ حقائق و معارف کے چمنستان میں نئی بہار آجاتی ان کے علوم اکتسابی سے زیادہ وہبی تھے۔ مشکل سے مشکل مسائل کو بلا تکلف سامعین کے ذہن میں انڈیل دینا اور بات بات میں نکتہ پیدا کرنے میں انہیں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔(56)

۵۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ:

حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ مرحوم امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے تلمیذ رشید اور اس آخری دور میں سلطان العلماء تھے حق تعالیٰ شانہ نے انہیں علم و فضل، حلم و وقار، رزانت و متانت، حسن و جمال اور جاہ و جلال سے وافر حصہ عطاء فرمایا تھا۔ ساری عمر گلشن علم کی آبیاری میں گذری، دارالعلوم دیوبند ڈابھیل اور جامعہ اسلامیہ بہاول پور ایسے

وقیع اداروں میں شیخ التفسیر شیخ الحدیث اور شیخ الجامعہ کی مسند پر رونق افروز اور وفاق المدارس العربیہ کے صدر نشین رہے، تقسیم سے پہلے ریاست قلات کے وزیر معارف رہے اور اسلام کا نظام عدل صرف کاغذوں میں نہیں بلکہ خدا کی زمین پر نافذ کر کے دکھایا۔

علوم عقلیہ ونقلیہ میں یکساں مہارت اور فلسفہ قدیم وجدید کی جو جامعیت حضرت مرحوم میں پائی جاتی تھی اس کی مثالیں اس زمانے میں بہت کمیاب ہیں۔ وفورِ علم اور کمالِ تقوی کے ساتھ قدرت نے بے نظیر حافظہ ،نگہ بلند، فطرت ارجمند، قلب سلیم اور شاہانہ دماغ عطاء فرمایا تھا جدید مغربیت کے پرستاروں اور اشتراکیت کے دار گزیدوں پر جب تنقید کرتے تھے تو ایسا لگتا تھا کہ یہ دنیا ان کے شیخ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری کے بقول واقعی "بیت الحمیر" ہے مرحوم کی تقریر میں علوم و معارف کا دبستان کھل جاتا تھا عقلیات اور معلومات جدیدہ کی روشنی میں اسلامی اصول و نظریات کی بالاتری و بالادستی کی ایسی وضاحت فرماتے تھے کہ ایمان تازہ ہو جاتا تھا۔ عربی، اردو، پشتو اور فارسی مادری زبان کی طرح لکھتے اور بولتے تھے۔(57)

مذکورہ تحریرات جہاں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے اردو ادب میں ماہر اور بلا تکلف بطرز ادیب تحریرات لکھنے کو ظاہر کرتی ہیں وہی اس بات کو بھی آشکار کرتی ہیں کہ حضرت کو اپنے اکابر سے کس قدر والہانہ محبت وعقیدت تھی ۔مذکورہ مختلف تحریرات کے اقتباسات ہم نے نمونہ کے طور پر ذکر کئے وگرنہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی کی سینکڑوں تحریریں اسی رنگ و بو میں مہکتی ہیں جن کو دیکھ کر بڑے بڑے ادیب و اہل لسان مولانا لدھیانوی کی ادبی سخن دانی پر عش عش کر اٹھتے ہیں۔

فقہی حیثیت:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید کی فقہی خدمات تو اتنی عموم النفع اور کثیر ہیں کہ ایک زمانہ آپ کی فقہی خدمات کا معترف اور ممنون ہے۔ حضرت لدھیانویؒ کا مشہور فقہی سلسلہ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" بائیس برس تک جنگ اخبار کی زینت بنتا رہا اور پیشگی حل شدہ مسائل کے جوابات کے ساتھ آپ کی وفات کے بعد تک چھپتے رہے۔ یہ سلسلہ اتنا مقبول ہوا کہ ملک وبیرون ملک تمام مسلمانان عالم اس سے مستفید ہوئے حضرت اقدس شہیدؒ کے اخلاص و تقوی اور علم و فضل کے ساتھ ساتھ تائید الہٰی و نصرت خداوندی نے رنگ دکھلایا کہ اس کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کی اصلاح ہوئی ،بدعات، رسومات، فرسودہ نظریات فرو ہوئے گناہوں سے توبہ کی توفیق ہوئی۔ عوام جو کہ روایتی شرم وحیاء کی وجہ سے

دارالافتاء کارخ کرنے میں جھجک محسوس کرتے تھے انہیں اپنی دہلیز پر اپنے مسائل کا حل ملنے لگا۔اور ایسی بے سہارا خواتین جن کی رسائی علماء کرام مفتیان عظام تک نہیں ہوسکتی تھی ان کو اپنی گوشہ نشینی میں مسائل کا حل ملا۔

الغرض جنگ اخبار کے اسلامی صفحہ اقراء میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے عنوان سے شائع ہونے والا کالم بھٹکے ہوئے راہی کے لئے ہدایت کا سامان ہوا۔یہ کالم حضرت اقدس لدھیانوی شہید کی حیات مبارکہ میں جمع کر کے کتابی صورت میں شائع کئے گئے۔جن کی دس ضخیم جلدیں بنی جس میں سے نو جلدیں حضرت مولانالدھیانوی کی زندگی میں فقہی ابواب کی ترتیب پر چھپ کر منظر عام آئیں اور دسویں جلد حضرتؒ کی شہادت کے بعد شائع ہوئی۔

حضرتؒ کے ان تحریری فتاوی کو دیکھ کر ہی اندازلگایا جاسکتاہے کہ حضرت لدھیانوی کا فقہی قلم کتنا مضبوط علمی تبحر میں غوطاں۔یسروا ولا تعسروا کی تعبیر لئے ہوئے اکابر علماء دیوبند کے مسلک اعتدال پر تثبت فی القدم تھا۔ذیل میں ہم قارئین کے فائدے کے پیش نظر حضرت اقدس لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے ان فتاوٰی کی چند چیدہ چیدہ خصوصیات ذکر کریں گے جو حضرت شہید ہی کے برخودار حضرت مولانا محمد یحیٰ لدھیانوی دامت برکاتہ نے تحریر فرمائیں ہیں۔تاکہ قارئین پر حضرت اقدس مولانایوسف لدھیانوی شہیدؒ کی فقہی حیثیت اور حضرت کی فقہی قلمدانی اجاگر ہوجائے۔تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت شہید نے اخباری کالم میں جوابات دیتے ہوئے مختلف امور کو پیش نظر رکھا،سرسری نگاہ سے دیکھنے پر آپؒ کے طرز تحریر کی درج ذیل نمایاں خوبیاں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔حضرت شہید پر حزم واحتیاط کا پہلو غالب تھا اس لئے آپ کے فتاوٰی بھی حزم واحتیاط کا پہلو لئے ہوئے ہوتے۔

۲۔چونکہ اخبار میں سوالات عوام الناس بھیجا کرتے تھے۔اس لئے حضرت شہید کا انداز جواب بھی عام فہم اور عوام کی ذہنی سطح کے مطابق ہوا کرتا،عام طور پر آپؒ کے جوابات حشووزائد سے پاک ہوتے۔

۳۔عام مسائل کے جواب میں آپ دلائل پیش کرنے سے اجتناب کرتے،چناچہ آپؒ نے ایک جگہ خود تحریر فرمایا:" میں سوالات کو جواب دیتے ہوئے دلائل سے بحث قصداً نہیں کرتا۔کیونکہ عوام کی ضرورت یہ ہے کہ انہیں منقح بتادیا جائے۔دلائل کی بحث اہل علم کے دائرے کی چیز ہے۔

۴۔حضرت شہیدؒ بعض سائلین کو جواب مرحمت فرماتے ہوئے ایسے اصول تحریر فرمادیتے،جن سے وہ اس مسئلہ کو نہایت آسانی اور وضاحت سے سمجھ سکیں۔

۵۔ تحقیقی جوابات میں حضرت شہید گزشتہ چودہ صدیوں کے اکابرین امت کی تحقیقی آراء پیش فرماتے، بالخصوص مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی اکابر کے اقوال سے اپنی تحریر کو مزین فرماتے، اس سے جہاں آپ کی تحریر میں تحقیقی رنگ مزید گہرا ہو جاتا وہاں آپ کے جوابات فقاہت کا شاہکار بن جاتے۔

۶۔ حضرت شہیدؒ اکثر فقہ حنفی کے مطابق مسئلہ تحریر فرماتے، چنانچہ آپؒ نے ایک جگہ تحریر فرمایا کہ "یہ ناکارہ فقہ حنفی کے مطابق مسائل لکھتا ہے البتہ اگر سائل کی طرف سے یہ اشارہ ہو کہ وہ کسی دوسرے فقہی مسلک سے وابستہ ہے تو اس کے فقہی مسلک کے مطابق جواب دیتا ہوں۔"

چنانچہ بعض سائلین کے جواب میں آپ نے فقہ حنفی کے علاوہ دیگر فقہ کے مطابق مسائل کے احکام کو بھی تحریر فرمایا۔

۷۔ جب آپ اپنی تحریر میں فقہا کے اقوال ذکر فرماتے تو دورِ حاضر کے ترمذی معلوم ہوتے احناف میں امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے ذکر فرمانے کے بعد یہ ذکر فرماتے کہ احتیاط کس چیز میں ہے، جمہور ائمہ کی رائے امام ابو حنیفہ سے مختلف ہوتی تو اس کو مستقل ذکر فرماتے۔ بعض اوقات تحریر فرمایا کرتے کہ "جہاں تک اس ناکارہ کی معلومات کا تعلق ہے، مذاہب اربعہ اس پر متفق ہیں۔" یا فرمایا کرتے کہ اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ کا کوئی اختلاف نہیں۔

۸۔ تحقیقی مسئلہ کے جواب میں ضروری ہوتا تو دنیوی علوم وفنون کے ماہرین کی تحقیقات بھی ذکر فرماتے، جیسا کہ جھینگے کے مچھلی ہونے میں اختلاف کی بحث ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ پر آپ نے ماہرین حیوانات کی تحقیق اور ان کی مرتب کردہ اس جانور کی تعریف ذکر فرمائی۔

۹۔ حضرت شہیدؒ نے ایک مسئلہ کے جواب میں تحریر فرمایا کہ "ضروری نہیں کہ ہر مسئلہ میں دوسرے حضرات بھی مجھ سے متفق ہوں۔ چنانچہ کسی مسئلہ کے حوالے سے حضرت شہیدؒ کی رائے و تحقیق سے اگر کوئی شخص اختلاف کرتا یا اپنی رائے پر زور دیتا تو آپ جواب میں تحریر فرماتے کہ "اس مسئلے میں اپنی تحقیق عرض کرتا ہوں، جن حضرات کو اس تحقیق سے اتفاق نہ ہو وہ اپنی تحقیق پر عمل فرما سکتے ہیں" البتہ جن لوگوں کی تحریر سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ تقلید سے بیزار یا بزعم خود مجتہدانہ بصیرت کے مدعی ہیں ان کو تحریر فرتے کہ "آنجناب اگر خود اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں تو اپنے اجتہاد پر عمل فرمائیں۔ میں نے جو لکھا وہ غیر مجتہد لوگوں کے بارے میں لکھا ہے"

۱۰۔ اگر کوئی شخص شرعی مسائل پر اعتراض برائے اعتراض کرتا یا خود رائی کا اظہار کرتا تو حضرت شہید اس کے سوال کے جواب میں اس کو اس کا اصل مرض تحریر فرماتے، مثلاً تکبر، خود رائی، تاکہ وہ اس سے آگاہ ہو اور اس کے ازالہ کی کوشش کرے اور قرآن وسنت پر طعن وتشنیع سے گریز کرے۔

۱۱۔ حضرت شہید جواب مرحمت فرماتے ہوئے تحریر میں شرافت ومتانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے، کوئی خواہ کتنا ہی تلخ وترش یا سوقیانہ انداز تحریر سے آپ سے مخاطب ہوتا، آپؒ جواب میں اس کو نہایت حلم وبردباری سے جواب مرحمت فرماتے، یہی وجہ ہے کہ آپؒ کی تحریر سوقیانہ انداز اور عامیانہ پن سے عاری، نفسیانیت سے پاک اور بلند پایہ اخلاق کی آئینہ دار ہوتی۔(58)

مندرجہ بالا اقتباس سے حضرت شہید کی فقہی خدمات و تحریرات میں ایک بلند مقام و حیثیت واضح ہوتی ہے اور یہ تو حضرت شہیدؒ کے ایک فقہی سلسلہ کے قلمی شاہکار پر روشنی ڈالی گئی وگرنہ حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ ہر ہر فقہی عبارت و تحریر مقام ومرتبہ، تحقیق و تشفی میں سند کی حیثیت رکھتی ہے۔اسی طرح حضرت شہیدؒ نے اپنی کتاب ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' میں اختلامی مسائل مثلاً حاضر و ناظر، علم غیب، مختار کل، زیارت قبور، فاتحہ خوانی، گیارہویں شریف، مودودی صاحب کے افکار اور سنی، شیعہ، بریلوی، وہابی فرقوں کے عقائد و نظریات کے متعلق نہایت شائستہ زبان ، اور شگفتہ انداز میں قرآن وسنت کی بہترین ترجمانی کی ہے۔حالانکہ یہ وہ اختلاف ہے جو صد سال سے زائد سے چلا آرہا ہے اور ان مسائل میں ہزاروں کتابیں لکھی گئی اور علماء دیوبند کے متعلق فریق مخالف بریلوی علماء نے اپنی کتابوں میں انتہائی گندی غلیظ اور ناشائستہ زبان اختیار کی اور نام لے لے کر کفر کے فتوے لگائے اور غلط الفاظ سے پکارا اور آج بھی پکارتے ہیں مگر اس سب کے باوجود ان اختلافات کے بارے میں حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی شرافت شائستگی، میانہ روی اور کشادہ دلی ملاحظہ فرمائے۔حضرتؒ ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' میں لکھتے ہیں۔

''تیسرا اختلاف جس کے بارے میں آپ نے میری رائے طلب کی ہے وہ ''دیوبندی اور بریلوی اختلاف'' ہے اور آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان میں سے حق پر کون ہے؟ محترم میرے لئے تو دیوبندی بریلوی اختلاف کا لفظ ہی موجب حیرت ہے ، آپ سن چکے ہیں کہ شیعہ، سنی اختلاف تو صحابہ کرامؓ کو ماننے اور نہ ماننے پر پیدا ہوا ہے۔اور حنفی وہابی اختلاف ائمہ ہدیٰ کی پیروی کرنے اور نہ کرنے پر ظہور میں آیا۔۔۔لیکن دیوبندی اختلاف کی کوئی بنیاد میرے علم میں نہیں ہے اس لئے کہ یہ دونوں فرقے فقہ میں امام ابو حنیفہ کے پکے مقلد ہیں، عقائد میں دونوں فریق امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصوری ماتریدی کو امام اور مقتدیٰ مانتے ہیں، تصوف اور سلوک میں دونوں فرقے اولیاء اللہ کے چاروں سلسلوں قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، اور سہروردیہ میں بیعت کرتے اور بیعت لیتے ہیں۔الغرض دونوں فریق اہل سنت والجماعت کے تمام اصول و فروع میں متفق ہیں۔صحابہؓ تابعینؒ اور ائمہ مجتھدینؒ کی عظمت کے قائل ہیں۔حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں اور مجدد الف ثانیؒ اور شاہ عبدلعزیز محدث دہلویؒ تک کے سب اکابر کے عقیدت مند ہیں اور اکابر اولیاء اللہ کی کفش برداری کو سعادت

دارین جانتے ہیں۔اس لئے ان دونوں کے درمیان مجھے اختلاف کی کوئی ٹھوس بنیاد نظر نہیں آتی۔ تاہم میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ ان کے درمیان چند امور میں اختلاف ہے اس لئے میں کسی فریق کا نام لئے بغیر قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی تصریحات کی روشنی میں ان اختلافی مسائل کے بارے میں اپنانقطہ نظر پیش کر دیناکافی سمجھتاہوں۔"(59)

قارئین کوبخوبی اندازہ ہوا ہو گا کہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اس فریقین کے اختلافات کا تذکرہ کرتے ہوئے کس قدر مہذب اور شائستہ اندازِ گفتگو کو اپنایاہے جبکہ فریق مخالف ان مسائل میں جب لب کشائی کرتے ہیں تو زہر افشانی اور گالیاں دے کر فضاء وماحول میں تعفن اور نفرت پھیلاتے ہیں اور حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے اس کے بعد اختلافی مسائل مثلاً علم غیب، نور وبشر حاضر وناظر کے متعلق انتہائی محققانہ، مدللانہ اور ایسے شائستہ انداز میں سخن فرمایا کہ جس سے حضرتؒ کا وسیع الظرف، کشادہ دلی، حلم و تحمل امت محمدیہ پر شفقت، اور امت کے مابین نزاع واختلاف کو کم سے کم کرکے دکھانے کا جذبہ عیاں ہے جبکہ اس مسئلہ کے اختلاف کو فریق مخالف نے اتنابڑھایاکہ تکفیر کا بازار گرم کیااور آدھی سے زیادہ امت محمدیہ کو کافر بنادیا اسی طرح حضرت شہیدؒ نے ایک شیعہ کے خط کے جواب میں اپنی کتاب " شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم " تصنیف فرمائی جو ۱۵۷ صفحات پر مشتمل ہے۔حضرت نے اس کتاب میں کوئی بحث تشنہ اور لا جواب نہیں چھوڑی اور تمام سوالات اور شکوک وشبہات کا ایسا محقق اور مدلل جواب دیا کہ شیعہ منتسبین سو سال تک بھی سوچتے رہیں اور کوشش کرتے رہیں تب بھی وہ ان دلائل واستدلال کے آہنی وفولادی شکنجہ سے بازیاب نہیں ہوسکتے۔ مگر مجال ہے اس موضوع پر حضرتؒ کی تمام تحریر میں کوئی ایک لفظ وکلمہ، ثقاہت ومہذب گفتگو کے معیار سے گراہوا ہو۔اسی طرح ردِ قادیانیت پر " تحفہ قادیانیت " آپؒ کا ایسا علمی وفقہی شاہکار ہے جس سے ہر زمانے کے لوگ مستفید ہوتے رہیں گے اور تردید قادیانیت کے مجاہدین ومبلغین اس سے رہنمائی لیتے رہیں گے۔

دعوتِ فکر:

حضرت مولانایوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ اپنے سینے میں اخلاص، للّٰہیت، دل سوزی وغم خواری وغم گساری کے جذبات سے لبریز دل

رکھتے تھے، اور اسی جذبہ کے تحت ہر وقت امت کی رہبری ورہنمائی کے لئے سرگرداں وکوشاں رہتے۔اور ہر موقع پر امت کے ہر فرد کو اپنے مخلصانہ مشوروں سے نوازتے۔ چنانچہ جب اختلاف امت اور صراط مستقیم کے محرک نے سوال بھیجے جس میں دینی علم نہ رکھنے والے عام لوگوں کا آپس میں مذہبی ابحاث کا تذکرہ تھاتو حضرت نے ایساجواب لکھاجو سائل کے پورے خط کا جواب ہے اور پوری امت کی اصلاحی عنصر کو متضمن ہے۔ چنانچہ آپؒ تحریر فرماتے ہیں۔

" بحث و مباحثے سے انسان کی قوت عمل مفلوج ہو جاتی ہے، اس میں عام طور سے سمجھنے سمجھانے کا جذبہ مفلوج ہو جاتا ہے ، اپنی اپنی بات منوانے کا جذبہ غالب آ جاتا ہے خصوصاً جب کہ آدمی علوم شرعیہ سے پورے طور پر واقف نہ ہو۔ وہ حدودِ شرعیہ کی رعایت کرنے سے قاصر رہتا ہے بسا اوقات ایسا ہو گا کہ ایک چیز غلط اور ناحق ہو گی مگر وہ اسے حق کرنے کی کوشش کرے گا کہ بسا اوقات اس بحث و مباحثے میں وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی عیب جوئی کرے گا، اور اس پر زبان طعن دراز کر کے اپنے نامہ اعمال سیاہ کرے گا، یہ ساری چیزیں مل کر اسے نہ صرف جذبہ عمل سے محروم کریں گی اس لئے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ سب میں سے جس کو جس عالم دین پر اعتماد ہے اور وہ جس عالم دین کے بارے میں دیانت داری سے سمجھتا ہے کہ یہ خدا ترس، محقق عالم دین ہے اور محض رضائے الٰہی کی خاطر خدا تعالیٰ کا پیغام اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات لوگوں تک پہنچاتا ہے اس کے ارشاد کے مطابق عمل کرتے ہوئے کام میں لگا رہے اور ان بحث و مباحثوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ذکر و تسبیح دورد شریف، تلاوت قرآن مجید اور دیگر خیر کے کاموں سے اپنے اوقات کو معمور رکھے۔"(60)

درج بالا سطور ہم نے قارئین کے لئے نمونہ کے طور پر نقل کیں ورنہ حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی ہر تحریر و مقالہ دعوت فکر دیتا ہے امت کے ہر فرد کی رہبری و رہنمائی کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپؒ کی تحریرات پڑھ کر ہزاروں نے توبہ کی اور لاکھوں نے بدعات و رسومات اور گناہوں کو چھوڑ خالص دین الٰہی اور سنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہوئے۔

فصل سوم: تصنیفی خدمات

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اپنی حیات مستعار میں گراں قدر تصنیفی خدمات انجام دیں۔ آپؒ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا ملکہ وصلاحیت عطا فرمائی تھی کہ آپؒ جس میدان میں قدم رنجہ فرماتے تو ایسا لگتا کہ حضرت لدھیانویؒ ہی اس کے روح رواں، امیر و امام ہیں۔ چنانچہ آپؒ نے جہاں دین کے دیگر شعبہ جات میں کارہائے نمایاں انجام دیئے وہی تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی ایسے آبگینہ بکھیرے ہیں کہ جس سے ہر خاص وعام کو نفع ہوا۔

حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ شہید کی تحریر میں جاذبیت، کشش، بلا کی روانی، تبحر علمی، اعتدال، شائستگی، شفقتگی اور حد درجہ خیر خواہی جھلکتی ہے۔ آپؒ نے بہت سے موضوعات پر کتب تصنیف کیں ہم یہاں ان تصنیفات کا مختصر تعارف پیش کریں گے تا کہ قارئین کو مزید استعفادہ کا موقع ملے۔

ا۔ اختلاف امت اور صراط مستقیم:۔

آج پوری امت فرقوں میں تقسیم ہو کر ٹکرے ٹکرے ہو گئی ہے، اختلافات عروج پر پہنچ گئے، امت کی اجتماعیت زوال پذیر ہو گئی ہر فرقے والا اپنے آپ کو صحیح اور باقی تمام کو غلط و باطل قرار دیتا ہے ایسے میں کوئی عام شخص جو قرآن وحدیث کی زیادہ معلومات نہیں رکھتا وہ کیسے پہچانے کہ کون حق پر ہے؟ اور کون ناحق؟ باطل عقائد و نظریات سے کیسے بچے؟ اور صحیح راستہ کی پہچان کیونکر ممکن ہو؟ ان تمام باتوں کا جواب اور حل اس کتاب ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ کے ذریعہ ممکن ہے۔ حضرت محدث العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ سے آپس کے مذہبی الجھاؤ تکرار اور بحث ومباحثہ سے متعلق کچھ سوالات لکھ کر استفسار کیا گیا تو آپ نے ان سوالات کے جوابات کے لئے قلم اٹھایا تو صرف سات دنوں میں دو حصوں پر مشتمل تقریباً چھے صد صفحات کی کتاب بن کر منصۂ شہود پر آئی۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں حق اور اہل حق کے راستے کی قرآن و حدیث کے دلائل سے صحیح صحیح نشاندہی کی ہے اور اکابرین امت اور اسلاف کی تحقیقات و تصریحات کی روشنی میں صراط مستقیم کی ٹھیک ٹھیک رہنمائی کی ہے۔

اس کتاب کو شروع میں ”بینات“ کا خاص نمبر بنا کر شائع کیا گیا تو اس کو بارگاہ رب تعالیٰ سے ایسی مقبولیت عطا ہوئی کہ ہر خاص وعام اور تمام انصاف پسند حلقوں میں اس کو پسند کیا گیا۔ چونکہ اس کتاب کا انداز و اسلوب عام اور سہل ہے کہ معمولی پڑھا لکھا بھی اسے سمجھ سکتا ہے۔ یہ ہی وجہ کہ ہر فرد خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا، علماء حق سے وابستہ ہو یا گمرہ کن ایجنڈوں کا حامی، جس نے بھی اس کتاب کو تعصب کی عینک اتار کر پڑھا وہ اس میں تحریر شدہ مضامین سے اتفاق کئے بغیر نہ رہا۔

یہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی کی للّٰہیت اور اخلاص تھا کہ اس کتاب کے ذریعہ ہزاروں نے غلط نظریات سے توبہ کی لاکھوں کو صحیح العقیدہ مسلمان بننا نصیب ہوا۔ اس کتاب کے لاکھوں نسخے شائع ہوئے اور تاحال اشاعت کا سلسلہ جاری ہے اور شاید اردو زبان میں عقائد پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب یہی ہے۔ حضرت نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے:

حصہ اول:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اختلاف امت اور صراط مستقیم میں شیعہ، سنی اختلافات، حنفی وہابی اختلافات اور دیوبندی بریلوی اختلافات کی وجوہات تحریر فرمائی ہیں اس کے علاوہ وہ مسائل جن پر کئی عرصہ سے اختلاف چلا آرہا ہے مثلاً، نور وبشر، عالم الغیب، حاضر وناظر، مختار کل، استعانت بالغیر توسل اور دعا کی حیثیت اور اس کی صورتیں، زیارت قبور قبروں سے متعلق بدعات وخرات اور عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جشن منانے کے بارے میں تفصیل سے قرآن و حدیث کے دلائل کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کا مؤقف واضح کیا اور ساتھ ساتھ مولانا مودودی کے عقائد و نظریات کا فساد واضح کیا اور خاص کر ڈاڑھی کا مسئلہ مدلل ومکمل بیان فرمایا، جس کو پڑھ کر لاکھوں مسلمانوں نے اپنے چہرہ کو سنت نبوی ﷺ سے مزین کیا۔

حصہ دوم:

دنیا میں بعض لوگ ہر وقت تشکیک و تنقید میں رہتے ہیں تعصب اور تشدد میں مبتلا ہو کر ہر بات میں عیب اور کمیاں تلاش کرتے ہیں اور معمولی معمولی مسائل کو اچھال کر بہت زیادہ شور شغب کرتے ہیں اور انہی چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل کو کفر واسلام کی جنگ قرار دیتے ہیں۔ ایسے لوگ جو دین سے دور ہیں نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں ان کو دین پر لانے اور احکام خداوندی کا پابند بنانے کے بجائے نماز، روزہ کے پابند لوگوں کو شکوک وشبہات میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک آدمی نماز پڑھتا ہے مگر رفع یدین نہیں کرتا آمین زور سے نہیں کہتا یا امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتا تو اسے کہا جاتا ہے کہ تیری نماز نہیں ہوئی، اور اگر کوئی شخص اپنے آپ پر اعتماد کرنے کے بجائے بڑے بڑے جبال العلم، موثقین ائمہ کرام امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام احمد بن حنبل پر اعتماد کرتے ہوئے ان میں سے کسی ایک کی تقلید کرتا ہے تو اسے کافر ومشرک کے خطاب سے یاد کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں باوجود یہ کہ یہ اختلافات فروعی مسائل کے اختلافات ہیں مگر ان مسائل کو اصل بنا کر اتنا سر پر اٹھایا جاتا ہے کہ ایک سادہ لوح مسلمان پریشان ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بسا اوقات ایک عام مسلمان دین اور واہل دین سے بدظن ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اس حصے میں اپنے مسائل میں حنفی مسلک کو مکمل و مدلل بیان کیا اور نہایت موزوں انداز میں اس فروعی اختلاف کی حقیقت وحیثیت کا انکشاف کیا اور مولفؒ نے کتاب کے اس حصہ میں تقلید واجتہاد ،فاتحہ خلف الامام ،رفع یدین ، آمین بالجہر ،طریقہ سجدہ سہو،رکعات وتر اور تراویح وغیرہ کے مسائل کو خاص طور سے دلنشین انداز میں بیان فرمایاہے۔

۲۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل:۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی مایۂ ناز خدمات میں سے ایک عظیم خدمت آپ کا روزنامہ جنگ کے اسلامی صفحہ پر ''آپکے مسائل اور ان کا حل'' کے نام سے چھپنے والا کالم ہے۔ ۵ مئی ۱۹۷۸ کو اقراء کے نام سے روزنامہ جنگ کراچی میں اسلامی صفحہ کا آغاز ہوا تو اخبار کے ایڈیٹر میر شکیل الرحمن نے اکابرین علماء بنوری ٹاؤن سے اس صفحہ کی سرپرستی فرمانے کی درخواست کی اکابرین نے محدث العصر حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو اس کا سرپرست مقرر فرمایا آپؒ نے اس صفحہ میں جہاں اور مضامین کی سرپرستی فرمائی ساتھ ہی آپ کے مسائل اور ان کا حل کے عنوان سے ایک عوامی سلسلہ شروع فرمایا جس میں عوام الناس اپنے دینی مسائل لکھ کر حضرت لدھیانوی شہید کو بھیجتی اور آپ اس کالم میں ان مسائل کا حل پیش فرماکر امت کی راہنمائی اور رہبری فرماتے۔اس اخباری کالم کی وجہ سے بہت سے ایسے لوگ جو مدارس ،دارالافتاؤں اور علماء سے دور ہونے یانا آشنا ہونے یاخواتین پردہ نشینی یاروایتی شرم وحیاء کی وجہ سے رابطہ نہیں کرسکتے تھے انہیں اب گھر کی دہلیز پر اپنے مسائل کا حل ملنے لگا۔ اور حضرت کے تقوی طہارت اخلاص اور للّٰہیت کی بناپر یہ سلسلہ اتنا مقبول عام ہوا کہ ہزاروں لاکھوں لوگوں کی زندگیاں انقلاب پذیر ہوئی اور لوگ اپنی زندگی سے متعلق ہر پہلو کے سوالات لکھ کر ارسال کرتے حضرت لدھیانویؒ اُن کے مسائل وسوالات کا قرآن وسنت کی روشنی میں حل فرماتے۔

۱۹۷۸ سے یہ سلسلہ مداومت کے ساتھ آپ کی سانحہ شہادت کے کچھ ماہ بعد تک چلتارہا،اس عرصہ میں ہزارہا مسائل اور ان کا حل لکھا گیا جن کو حضرت لدھیانوی کی حیات مبارکہ میں کتابی شکل میں مرتب کرنا شروع کیا گیا اور حضرتؒ کی زندگی ہی میں اس کی نو جلدیں شائع ہو چکی تھیں اور آپ کی شہادت کے بعد دسویں جلد شائع ہوئی حضرت موصوفؒ کی اس کتاب میں ایمانیات ،عقائد،عبادات ،معاملات ، نکاح، طلاق ، قیامت وغیرہ سے متعلق مسائل جمع کئے گئے ہیں۔ یہ ایک بہترین علمی زخیرہ ہے جس کی طرف ہر فرد ار ہر گھر محتاج ہے کیونکہ یہ خزینۂ علمی انتہائی سہل عام فہم انداز میں ہے اور پیدائش سے لے موت اور موت کے بعد تک کے مسائل اور ان کا حل موجود ہے تقریباچار ہزار مسائل پر مشتمل یہ کتاب ہر انسان کے لئے راہنما اور مشعل راہ ہے۔

۳۔ سیرت عمر بن عبد العزیز:۔

امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں اکثر علماء محدثین نے ان کو پانچواں خلیفہ راشد قرار دیا ہے کیونکہ سیرت و تاریخ کی کتابوں میں ان کے تقوی، للّٰہیت، خشوع، انکساری اور عدل وانصاف کے چیدہ چیدہ واقعات و حالات بکھرے موتیوں کی طرح محفوظ ہیں جن کو چن چن کر ایک کتابی شکل میں لایا جائے تو ایک بہت قیمتی چمکتے موتیوں کا ہار کتابی صورت میں تیار ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی سوانح پر عربی زبان میں متعدد کتب لکھی جا چکی تھیں مگر اردو زبان میں اس سوانح پر کوئی خاطر خواہ کتاب نہیں تھی کہ جس سے عوام وخواص جو عربی زبان سے نا آشنا ہے وہ بھی استعفادہ کر سکے، چنانچہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے حضرت عمر بن عبد لعزیز کی سیرت پر لکھی جانے والی ایک عربی کتاب ''سیرت ابن جوزی'' جو ایک نایاب معتبر اور متبرک کتاب ہے اس کا اردو زبان میں ترجمہ کیا، اور ترجمہ بھی اس انداز پر کیا کہ پڑھنے والا پڑھتا ہی چلا جائے۔

امیر المومنین عمر بن عبد العزیزؒ کی زندگی ایک آئینہ اور اسوہ ہے جس کو دیکھ کر ہر خاص و عام اپنی زندگی کے لمحات سنوار سکتا ہے خاص کر حضرت لدھیانویؒ کے انداز بیان اور تحریر کی راوانی، سلاست، الفاظ کی شستگی نے اس کتاب کے رنگ ومزہ کو چار چاند لگا دیئے یہ کتاب علماء، زہداء، اتقیاء، سلاطین، رعایا سب کے لئے یکساں مفید ہے۔

۴۔ شخصیات و تاثرات:

حضرت بنوری قدس سرہ نے جب ماہنامہ بینات جاری فرمایا جو کہ جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کا ترجمان ہے تو اس کا اداریہ حضرت مولانا یوسف بنوریؒ خود ہی ''بصائر وعبر'' کے نام سے تحریر فرماتے رہے حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کی وفات کے بعد بلکہ آپ کی زندگی ہی میں یہ بھاری ذمہ داری و امانت حکیم العصر مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے کاندھوں پر آگئی کیونکہ حضرت مولانا یوسف بنوریؒ نے اپنے آخری سفر پر جاتے ہوئے حضرت لدھیانوی سے فرمایا تھا کہ ''آئندہ آپ خود ہی اداریہ لکھ لیا کریں'' یہ کہہ کر بصائر وعبر کی تحریر بھی حضرت مولانا یوسف لدھیانوی کے حوالہ فرما دی تھی۔ اور حضرت موصوف نے اس ذمہ داری کو خوب نبھایا۔ چنانچہ حضرت لدھیانوی شہید نے بصائز وعبر کے عنوان سے اکابر علماء امت پر اور مختلف شخصیات کے بارے میں جو تاثرات ماہنامہ بینات میں تحریر فرمائے مذکورہ کتاب'' شخصیات و تاثرات'' میں ان سب کو جمع کر دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ کتاب حضرت کی زندگی میں ہی شائع ہو گئی تھی اس لئے اس کا تعارف بھی حضرت نے خود کرایا تھا، لہذا ہم یہاں حضرت لدھیانوی شہید کا ذکر کردہ تعارف اس کتاب کے بارے میں پیش کریں گے۔

ا۔ماہنامہ بینات کراچی کا ادریہ ''بصائر و عبر'' میرے حضرت شیخ لاسلام مولانا یوسف بنوریؒ تحریر فرماتے تھے، جو بینات کے ماتھے کا حسین جھومر ہوا کرتا تھا حجرت کے وصال (۳ذیقعد ۱۳۹۷ھ) کے بعد'' بصائر و عبر'' کی خانہ پری اس ناکارہ ،کم فہم وکم سواد کے ذمہ کردی گئی۔ پیش نظر مجموعہ میں شامل'' شخصیات و تائثرات'' دور ثانی کے ''بصائر و عبر'' ہیں۔

۲۔ البتہ دو شخصیات اس سے مستثنیٰ ہیں، ایک میرے والد ماجد کہ ان کا تذکرہ ہفت روزہ ''لولاک'' فیصل آباد میں شائع ہوا تھا، دوسرے سیدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ کہ ان پر ''بصائر و عبر'' کا مختصر سا اداریہ میرے حضرت بنوری نے تحریر فرماکر اس ناکارہ کو تکمیل و اضافہ کا حکم فرمایا تھا، کیونکہ حضرت غالباسفر حرمین شریفین کے لئے پابہ رکاب تھے۔ نچانچہ اس ناکارہ نے '' مخمل میں ٹاٹ کی پیوند کاری'' کرکے اس کو پھیلایا، اور وہ حضرت کے نام سے شائع ہو (حضرت کے ''بصائر و عبر'' کا جو کہ مجموعہ کتابی شکل میں شائع ہوا ہے یہ پورا مضمون اس میں بھی موجود ہے۔اس ناکارہ نے بطور تبرک اس کو زیر نظر مجموعہ میں شامل کرلیا تاکہ اس کا آغاز میرے شیخ مرشد کے حسین ''ذکر خیر'' سے ہو۔اور اس کی بسم اللہ میرے حضرت بنوری کی پاکیزہ تحریر سے ہو، اور ان بزرگوں کی برکت سے یہ مجموعہ عند اللہ شرف قبول حاصل کرے (اس مضمون کا ڈیڑھ صفحہ میرے حضرت بنوری کے قلم سے ہے اس سے آگے اس کو تاہ قلم کی پیوند کاری ہے۔)

۳۔ شخصیات و تائثرات میں تاریخی ترتیب ملحوظ ہے اور حضرت ''سیدی و مرشدی'' سے اس مجموعہ کے آغاز کی ایک مناسبت یہ بھی ہوگئی۔

۴۔ یہ تمام ''تاثرات ان بزرگوں کی وفات پر معرض تحریر میں آئے البتہ حضرت محمد مولانا سید ابوالحسن ندوی مدظلہ العالی پر جو شذرہ ''شاہ فیصل ایوارڈ'' کے سلسلہ میں کہا گیا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

۵۔ میرے حضرت بنوریؒ پر متعدد مضامین اس کوتاہ فہم کے قلم سے نکلے تھے، پیش نظر مجموعہ میں ان سب کو یکجا کر دیا گیا۔

۶۔ اس بزم تائثرات میں شریک شخصیات کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا، اسے بس راقم الحروف کے شخصی تائثرات کی حیثیت سے پڑھا جائے یہ ان بزرگوں کا سوانحی خاکہ بھی نہیں، نہ ان کے اوصاف نہ ان کے کمالات کا پورا مرقع، نہ ان کے عند اللہ مرتبہ کا معیار۔ولا ازکی علی اللہ احٗد۔ناظرین کرام سے التجاہے کہ اگر کوئی کام کی بات نظر پڑے تو ناکارہ مولف کو دعائے خیر سے ممنون فرمائیں۔ اور کوئی لغزش و کوتاہی نظر آئے تو من ستر علی اخیہ المسلم ستر اللہ عوراتہ یوم القیمۃ پر عمل فرمائیں۔

۷۔ جی چاہتا تھا کہ کچھ اور شخصیات بھی اس ''بزم حسین'' میں شریک ہوتیں مؤلف اس کو تاہی پر نادم ہے توفیق الٰہی دستگیری فرمائے تو خیال ہے کہ ایک اور محفل حسین آراستہ کروں، اور اپنی محترم شخصیات کو دعوت شرکت دوں وماذلک علی اللہ بعزیز۔

۸۔ یااللہ: آپ کے چند بندوں کا یہ تذکرہ آپ کی بارگاہ عالی میں پیش کر رہاہوں! اے کریم آپ ان کے ظاہر و باطن اور ان کے مبداء ومآل سے پوری طرح واقف ہیں، یااللہ اگر کسی بات کے نقل کرنے میں فروگذاشت یا کسی جذبے کے اظہار میں افراط و تفریط ہوئی ہو تو اپنے لطف بے پایاں سے اس کو معاف فرما، اور اپنے ''ستر جمیل'' سے اس کے عیوب کی ستاری فرما۔(61)

''شخصیات و تأثرات'' دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ پہلی جلد میں محدث العصر حضرت بنوریؒ، مولانا محمد عبد اللہ بہلوی، مولانا احتشام الحق تھانوی، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ، مناظر اسلام مولانا محمد حیاتؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مفتی محمودؒ قاری رحیم بخش پانی پتی، مولانا قاری محمد طیب قاسمی، مولانا لطف اللہ پشاوریؒ، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا تاج محمود صاحبؒ، مولانا محمد شریف جالندھریؒ، مولانا عبید اللہ انور، قطب الارشاد عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبد الحئی عارفیؒ، قاری فتح محمد پانی پتی مہاجر مدنی، شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ اکوڑہ خٹک، مولانا محمد مالک کاندھلوی، مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، مفتی احمد الرحمن، مولانا حبیب الرحمن اعظمی، مولانا مسیح اللہ خان اور دیگر حضرات کا تذکرہ شامل ہے۔

۵۔ شخصیات و تأثرات جلد دوم:

یہ بھی حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے ہی قلم سے نکلے ہوئے اکابرین امت سے متعلق بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ جن کو یکجا کیا گیاہے اس میں عظیم ترین شخصیات کا ذکر ہے جن میں '' شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن'' مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ، مولانا سید مصباح اللہ شاہؒ، مولانا محمد اسحٰق صدیقی سندیلویؒ، مفتی محمود حسن گنگوہی، شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ، مولانا منظور نعمانیؒ، مولانا محمد عمر پالن پوریؒ، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید، مفتی عبد السمیع شہید، مولانا سعید احمد خانؒ مولانا سجان محمودؒ، مولانا عبد الرشید نعمانیؒ، مفتی محمد ولی درویش، مولانا عبید اللہ چترالی شہید اور دیگر حضرات کا تذکرہ شامل ہے۔

۶۔ دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار:۔

دین اسلام ایک کامل و مکمل مذہب ہے جو خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امت تک پہنچایاہے۔ چونکہ نبی کی نبوت قیامت تک باقی رہے گی اسی طرح دین اسلام قیامت تک باقی رہے گا۔ لیکن اسلام دشمن قوتیں شروع ہی سے یہ

کوششیں کرتی رہی ہیں کہ کسی طرح دین اسلام اور مسلمانوں میں رخنہ ڈالیں چنانچہ یہود و نصاری اس کی ناکام کوششیں روز اول سے کر رہے ہیں لیکن جب وہ اس میدان میں کامیاب نہ ہو سکیں تو اپنے زر خرید جو بظاہر اسلام و مسلمانوں میں ہی سے ہوتے مگر ان کا اصلی مذہب زر، زن، زمین کا حصول ہوتا ہے جس کے لئے وہ لوگ یہ مذموم طریقہ کرتے ہیں کہ کوئی بھی انہیں اپنا غلام بنا کر اپنے غلط نظریات اختیار کرنے اور باطل عقائد کا پرچار کرنے کے لئے چند کوڑیوں کے عوض خرید لے اس طرح کفار مسلمانوں میں انتشار اور تفرقہ ڈالتے ہیں۔ اور یہ زر خرید غلام کفار کو ہر دور میں مل جاتے ہیں جو باطل کے آلہ کار بنتے ہیں۔ چنانچہ قریب زمانہ میں بھی کچھ لوگوں نے اسلام کے خلاف زہر افشانی کرنے کی نامسعود کوششیں کیں جن میں سر فہرست ڈاکٹر فضل الرحمن نے جنرل ایوب خان کے دور میں وزیر قانون ہو کر اسلامی تحقیقات کے عنوان سے اسلام کے خلاف زہر افشانی کی اور اکبر بادشاہ کی طرح نئے دین کی بنیاد ڈالنے کی کوشیش کیں۔ دوسری طرف ڈاکٹر اسرار احمد نے ڈاکٹر فضل الرحمن کی بے جا حمایت کی ذمہ داری سبنھالی اور ختم نبوت کے لئے علماء نے جو انتھک اور بے لوث قربانیاں دیں خاص کر ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت جس میں ہزاروں مخلصین علماء اسلام اور اہل اسلام نے قید بند اور اسیری کی صعوبتیں برداشت کیں حتی کہ سینکڑوں نے جام شہادت نوش کیا ان عظیم قربانیوں کو ڈاکٹر اسرار احمد نے سیاسی کھیل قرار دیا۔ کہیں ایک نام نہاد مجدد عمر احمد عثمانی نے اسلام میں تعداد ازواج اور طلاق و دیگر احکامات کو تختہ مشق بنا کر ستم ظریفی کا نمونہ پیش کیا تو کہیں مولانا محمد حنیف ندوی نے علماء اسلام کو بدنام کرنے کے لئے ڈھونگ رچائے۔ تو کہیں مولانا اللہ یار خان چکڑالوی نت نئے انکشافات لے کر اسلامی احکامات پر مشق آزمائی کرنے لگے۔ ایسے سرگرم فتنوں کے دور میں مرشد العلماء، شیخ المشائخ مردِ قلندر مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے قلم کو حرکت دی اور بہت واضح اور دوٹوک انداز میں ان نئے نئے غلط نظریات کے حاملین اور ان کے باطل نظریات کا تعاقب کر کے زدکوب کیا چنانچہ مذکورہ کتاب ”دور حاضر کے تجدد پسنوں کے افکار“ بھی اسی کا حصہ ہے اس کتاب میں ڈاکٹر فضل الرحمن کے باطل نظریات، ڈاکٹر اسرار احمد کے غلط افکار، عمر احمد عثمانی کی تحریفات، مولانا حنیف ندوی کی اسلام اور علماء اسلام کے خلاف سازش، اور مولانا اللہ یار خان چکڑالوی کے جدید انکشافات کو قرآن و سنت کی روشنی اور عقل و دانش کے ترازو پر پرکھ کر امت کی ٹھیک ٹھیک راہنمائی کی گئی ہے۔ اس کتاب کے پانچ سو چھیاسٹھ صفحات ہیں۔ یہ کتاب حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی شہادت کے تیرہ دن بعد پریس سے چھپ کر منظر عام پر آئی۔

۷۔ گمراہ کن عقائد و نظریات اور صراط مستقیم:۔

دنیامیں کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے اخلاص کی برکت سے ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ان کا فیضان جاری رہتاہے وہ زندگی میں اتناپر خلوص طرز پر دینی فرائض و امور سر انجام دیتے ہیں کہ کسی کو معلوم نہیں چلتا مگر ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان راز افشاں ہوتے ہیں کہ کس قدر دینی امور انجام دے رہے تھے۔ پھر اہل زمانہ ان کی وفات کے بعد یہ کہتے رہ جاتے ہیں کہ

سونے کی چڑیاں اڑ گئی ہاتھ میں رہ گئے پر۔

جیسا کہ امام مالک نے جب ''مؤطاامام مالک'' لکھی تو لوگوں نے کہا کہ حضرت لوگوں نے بھی مؤطا لکھی اور آپ نے بھی اس کا فائدہ؟ آپؒ نے فرمایا: یہ تو وقت بتلائے گا کہ کس نے اللہ کے لئے لکھی تھی؟ چنانچہ امام مالک کے خلوص و اخلاص کی برکت ہے کہ آج دنیا سوائے ''مؤطا امام مالک'' اور مؤطا محمد'' کے کسی دوسرے ''مؤطا'' اور اس کے مصنف کو نہیں جانتی، تیرہ صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی اس کو وہی اہمیت حاصل ہے جو پہلے دن تھی۔ لیکن مؤطا کے نام سے لکھی گئی دوسری کتابوں کا آج دنیامیں نام و نشان نہیں۔

یہ ترتیب ہمیشہ سے ہیں کہ ہر دور میں اللہ والے اہل علم نے اپنے آپ اور اپنی علمی و دینی خدمات کو چھپایااور اپنی نفی کرتے رہے اسی وجہ سے ان کی زندگی میں ان کی علمی و دینی خدمات زیادہ نمایا نہیں ہوتیں۔ لیکن ان کے بعد اللہ ان کی اخلاص کی برکت کا اس قدر اظہار فرماتے ہیں کہ دنیا دنگ رہ جاتی ہے کہ بہت محدود وقت وسائل میں اس قدر کام کیسے کر لئے؟

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا معاملہ بھی کچھ اس طرح کا ہے حضرت موصوف کے دینی و علمی اتنے کثیر کارنامے ہیں جن میں سے صرف تحریری مضامین و مقالات اور تصانیف کا جائزہ لیا جائے تو انسان ششدر رہ جاتا ہے کہ آپکا تصنیفی مواد اتنا زیادہ ہے کہ شہادت کے بعد تک حضرتؒ کے تحریری مواد کتابی شکل میں منظر عام پر آتے رہے ایسے ہی مواد میں سے مذکورہ کتاب ''گمراہ کن عقائد و نظریات اور صراط مستقیم'' بھی اس کتاب میں حضرت نے اپنی زندگی میں جو مختلف مضامین اور مقالات رقم فرمائے ان میں سے ۱۸ مضامین و مقالات کو جمع کیا ہے۔ ان مقالات و مضامین نے ''آغاخانی مذہب'' کی حقیقت واضح کی ہے کیونکہ آغاخانی اپنا مذہب چھپانے کی کوشش کرتے ہیں حضرت موصوف نے ان کا اصل چہرہ اور ان کا بھیانک کردار امت کے سامنے کیااور خلق خدا کی راہ سنت و شریعت راہنمائی فرمائی اسی طرح ''ملت جعفریہ'' خمینی اور شیعی برادری کے مذموم عزائم امت کے سامنے آشکارہ کر کے اہل اسلام کو متوجہ کیا۔

اور" جی ایم سید" جو اسلام و پاکستان دشمن شخص ہے اس کے ملحدانہ نظریات سہل انداز میں رد کیا ہے اس کے علاوہ فتنہ گو ہر شاہی اور مودودی کے صحابہ کرام سے متعلق گستاخانہ نظریات کا رد اور صحابہ کے دفاع اور فضائل پر مشتمل مضامین شامل ہیں۔

۸۔ عہد نبوت کے ماہ وسال۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے متعلق لب کشائی کرنا اور اس باب میں کوئی رسالہ تصنیف کرنا ہر امتی کے لئے سعادت باعث برکت اور قابل طیمانیت ومسرور کن ہے۔ چنانچہ ہر دور میں علماء اسلام نے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کے حالات، اخلاق وصفات کو کتابی شکل میں لاکر انہیں نئے اور جدید اسلوب سے بیان کرنے کی سعی مسعود کی ہے۔

اسی طرح کی کوشش ۱۲۰۰ھ کے ایک بڑے اور جید عالم اللہ والے شیخ مخدوم ہاشم ٹھٹھوی سندھی نے سیرت پر ایک کتاب بہترین انداز میں لکھی جس میں سیرت طیبہ کے واقعات سال کے اعتبار سے رقم فرمائیں کہ آنحضرت ﷺ کے نبوت کے سال سے وصال تک ۲۳ سال کے واقعات کو سن وار ترتیب دیا ہے مولانا ہاشم ٹھٹھوی نے یہ کتاب عربی زبان میں" بذل القوۃ فی حوادث النبوۃ" کے نام سے عربی زبان میں لکھی مولانا ہاشم ٹھٹھوی کس عظیم مرتبت کے عالم بزرگ تھے اس کا اندازہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید کی درج ذیل عبارت سے لگایا جاسکتا جو موصوف نے غرض مترجم میں مولانا ہاشم ٹھٹھوی کا تعارف کراتے ہوئے رقم فرمایا ہے۔

"الشیخ العلامہ مولانا مخدوم ہاشم سندھی ٹھٹھوی، الامام الحجہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہمعصر اور خطۂ سندھ کے گویا دوسرے شاہ ولی اللہ تھے۔ علوم اسلامیہ، تفسیر وحدیث فقہ، واصول فقہ، کلام وتصوف، سیرت وتاریخ ار شعر وادب میں اپنے دور کے امام تھے اور علم وفضل حشیت وامانت اور زہد وتقوی میں نادرۂ روزگار۔۔ عمر عزیز کا بیشتر حصہ تعلیم وتدریس ،تصنیف وتالیف، وعظ وارشاد، احیاء سنت، ترویج شریعت اور رد بدعات میں صرف ہوا۔

تصنیف وتالیف میں مخدوم کو قدمِ راسخ اور یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ اوقات میں برکت اور قلم میں روانی تھی، عربی فارسی اور سندھی تینوں زبانیں بلا تکلف لکھتے اور بولتے تھے۔ علوم اسلامیہ کا کوئی شعبہ اور وقت کا کوئی اہم مسئلہ ایسا نہ ہوگا جس پر موصوف نے قلم نہ اٹھایا ہو مگر سرعتِ قلم اور موضوع کے تنوع کے باوصف کیا مجال ہے کہ کوئی تصنیف، متانت وثقاہت کے بلند معیار سے ذرا بھی نیچے اتر آئے۔"(62)

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے اس کتاب کا نہایت آسان اور سلیس وشیریں انداز میں ترجمہ کیا اور اس کتاب کا نام ''عہد نبوت کے ماہ وسال'' رکھا۔ تاکہ عربی نہ سمجھنے والے اردودان طبقہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات واقعات کو ماہ سال کے اعتبار سے پڑھ کر ذہن نشین کر سکے۔ یہ سیرت کا گلدستہ ۳۸۸ صفحات کا حَسین مرقع ہے۔

۹۔ عصر حاضر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آئینہ میں:

حضور ﷺ تمام عالم اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے نبی بنا کر مبعوث کئے گئے اسی لئے دین اسلام بھی قیامت تک آنے والے لوگوں کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ہر دور کے انسان ومسلمین کے لئے ایسی قیمتی اور بیش بہا باتیں ارشاد فرمائیں جس کی کسوٹی پر اپنے حالات و معاملات کو پرکھ کر ہر امتی صحیح راہ پر گامزن ہو سکے۔ انہی احادیث وارشادات میں سے کچھ ذخیرہ احادیث قرب قیامت کے حالات وواقعات سے متعلق ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ایک ایک چیز کی نشاندہی کی ہے کہ قیامت کے قریب لوگوں کے کیا حال ہوں گے؟ لوگ مال ودنیا اور اخلاق کے اعتبار سے کس معیار پر ہونگے؟ کیسے کیسے فتنے رونما ہوں گے؟ ان سے بچاؤ اور نجات کیسے حاصل ہو گی۔ عورتوں میں بے حیائی کا کیا طوفان ہو گا؟ ایسے مضامین پر مشتمل احادیث اس کتاب میں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے جمع کی جن کی روشنی میں ہر خاص وعام اپنے حالات ومعاملات کا جائزہ لے سکتا ہے۔

۱۰۔ رسائل یوسفی:

اللہ تعالیٰ نے محدث العصر حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو جو دینی غیرت وحمیت سے نوازا تھا وہ ہر کس وناکس کے لئے عام نہیں ہوتا، کارخانہ، خداوندی سے ہر دور میں ایک مرد قلندر بنایا جاتا ہے جو اپنے زمانے کے علماء حق کا ترجمان اور باطل کی ہر یلغار کا للکار حیدری سے جواب دے کر کفار اور ان کے کفریہ ہتھکنڈے مسمار کرتا ہے ہمارے موصوف مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید کا معاملہ بھی یہ ہی تھا۔ حضرت مولانا مسلک علماء دیوبند کے ترجمان اور اہل ہوٰا و باطل کے لئے شمشیر برآں وبے تیغ تھے اور دشمن حق کے مقابلہ میں سینہ سپر تھے چنانچہ آپ نے اپنے دور میں اٹھنے ولاے ہر فتنے کا تعاقب کیا خواہ وہ فتنہ قادیانیت ہو یا انکار حدیث خواہ جدیدیت کے عنوان پر الحاد ہو یا گمرہ کن عقائد و نظریات ہوں ، آپ نے سبھی فتنوں کے خلاف عَلم بغاوت بلند کیا اور اپنی تقریر وتحریر سے ایسے فتنوں کی سرکوبی کی۔ چنانچہ مذکورہ کتاب ''رسائل یوسفی'' بھی تردید باطل اور حق کے راستہ کی صحیح راہنمائی کی ایک کڑی ہے جو مندرجہ ذیل اہم اور علمی رسائل پر مشتمل ہے۔

ا۔ترجمہ فرمان علی:

اس رسالہ میں شیعہ مصنف حافظ فرمان علی کی طرف سے ترجمہ قرآن میں کی گئی تحریفات کا جائزہ لیا گیاہے اور اس کی نشاندہی کی گئی ہے اور امت پر یہ بات دلائل سے واضح کی گئی ہے کہ شیعہ موجودہ قرآن کو تحریف شدہ سمجھتے ہیں اور ان ہی کی کتابوں سے ان کی تحریفات کی مثالیں دے کر امت کے افراد کو اس فرقہ کی حیثیت سے آگاہ کیا گیاہے۔

۲۔ایک شیعی مغالطہ کا حل:

حقیقت میں یہ رسالہ مولانا قاسم نانوتویؒ کے ایک فارسی رسالہ ''انتباہ لموٴمنین'' کا اردو ترجمہ ہے جو حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے ایک شیعہ کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا تھا ہوا یوں کہ جناب مولانا الٰہی بخش صاحب پر ایک شیعہ نے مشکوۃ شریف کی ایک حدیث ''حدیث قرطاس'' کے حوالہ سے اعتراض کیا کہ حدیث سے بظاہر معلوم ہو تا ہے کہ آنحضرت وصیت لکھوانا چاہتے تھے جس میں حضرت علیؓ کو خلیفہ نامزد فرمانا تھا کیونکہ صحابہ سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ انہیں خلیفہ بنائیں گے مگر صحابہؓ نے یہ وصیت نامہ لکھنے نہ دیا۔مولانا الٰہی بخش صاحب نے یہ سوال حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ کو لکھ کر بھیجا۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے اس سوال واعتراض کا کافی وشافی اور مسکت جواب دیا اور حدیث کی صحیح وضاحت فرمائی۔حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اس نادر اور علمی رسالہ کا ترجمہ کر کے اس کا نام ''ایک شیعی مغالطہ کا حل'' رکھا یہ رسالہ ظاہری معنوی خوبیوں کا حسین امتزاج ہے اور علماء طلباء عوام وخواص ہر ایک کے لئے یکساں مفید ہے۔

۳۔عورت کی سربراہی:

اَسی کی دہائی میں جب پہلی بار بے نظیر کی حکومت قائم ہوئی تو علماء وعوام میں عورت کی سربراہی سے متعلق اسلامی نقطہ نظر پر ابحاث سرگرم ہوئیں تو جناب کوثر نیازی صاحب نے عورت کی حکمرانی کے جواز اور پارٹی سربراہ کی نمک خواری کے بدلہ میں اپنی تمام تر ''علمی'' کاوشیں وتوانائیاں صرف کیں تو حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جناب کوثر نیازی صاحب کی ''علمی کاوشوں'' کا خوب تعاقب کیا اور ثابت کیا کوہ عورت کی حکمرانی وسربراہی ناجائز ہے۔مذکورہ رسالہ میں اسی مضمون کو بہترین انداز میں حضرت نے بیان فرمایا ہے۔

۴۔ کیاذکری مسلمان ہیں؟

ذکری فرقہ جس کے عقائد و نظریات انتہائی غلط ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ملا محمد کو اپنا نبی مانتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو مسلمان باور کراتے ہیں اس فرقہ کے زیادہ تر افراد کراچی اور بلوچستان میں پائے جاتے ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں کو اس فرقے کے بارے میں کوئی خاص آگاہی نہیں تھی، انہیں مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اس فرقہ کے عقائد امت کے سامنے شگاف کئے اور ان کے کفریہ ہونے کی نشاندہی کی اور دلائل کی روشنی میں ثابت کیں کہ اس فرقہ کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ رسالہ اپنی موضوع پر بہت مدلل بھی ہے اور مؤثر بھی ہے اور امت کی راہنمائی کے لئے ذرین ہتھیار ہے۔

۵۔ تنقید اور حق تنقید:

یہ دنیا عجوبہ روز گار ہے، ہر دن کوئی نیا عجوبہ رونما ہوتا ہے۔ کچھ واقعات و مشاہدات قابل رشک کچھ سبق آموز کچھ عبرتناک اور کچھ واقعات و مشاہدات مضحکہ خیز ہوتے ہیں ایسے ہی واقعات میں سے کچھ واقعات مولانا مودودی کے ہیں جو اپنے تیئں آپ عدالت قائم کرتے ہیں اور خود ہی جج بن کر انسانیت میں سے کسی بھی ذات کو اپنی عدالت مین کھڑا کر کے فرد جرم عائد کر کے تنقید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ایک نعرہ لگاتے ہیں کہ " تنقید سے کوئی بالاتر نہیں" جبکہ خود مودودی صاحب اپنی ذات کو اس نعرہ کی زد سے خارج سمجھتے ہیں یہ نری جہالت کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔

چنانچہ حکیم العصر حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید نے مودودی صاحب کی غلط فہمی اور کجی کی نشاندہی کرتے ہوئے ایک رسالہ لکھا جس کو "تنقید اور حق تنقید" کے عنوان سے معنون کیا۔ اور دلائل سے واضح کیا کہ تنقید کا حق کس کو ہے اور اس کے کیا حدود و آداب ہیں؟

٦۔ انکار حدیث کیوں؟

کچھ عرصہ قبل عمومی طور پورے پاکستان اور خاص کر کراچی منکرین احادیث لوگوں نے امت کے افراد کو بہکانے کی کوشش کی اور غلام احمد پرویز نے منظم انداز میں انکار حدیث نظریہ کو فروغ دیا چنانچہ حکیم العصر مولانا یوسف لدھیانوی شہید نے اس رسالہ میں قراان و حدیث اور اجماع کی روشنی میں حدیث کی حجیت کو واضح کیا اور ثابت کیا کہ حدیث کا انکار حقیقتت میں قرآن کا انکار ہے اور حدیث کا انکار کرنے والوں کا دین ایمان سے کو تعلق نہیں کیونکہ اگر حدیث کے ذخیرہ کو ناقابل اعتماد قرار دے کر ہٹا دیا جائے تو قرآن پر اعتماد کیسے کیا جا سکے گا۔

یہ رسائل کا مجموعہ بہت قیمتی اور نادر نکات کو اپنے اندر لیا ہوا ہے جو ہر مسلمان کے لئے ایک گراں قدر تحفہ ہے اس قیمتی ذخیرہ کے ۵۱۶ صفحات ہیں۔

۱۱۔ دنیا کی حقیقت (جلد اول):

یہ کتاب ماہنامہ بینات میں شائع ہونے والے سلسلہ حدیث کے ترجمہ و تشریح پر مشتمل مضامین کو یکجا کیا گیا ہے۔ چونکہ محدث العصر حضرت اقدس یوسف بنوریؒ کی خواہش تھی کہ ماہنامہ "بینات" میں مستقل طور پر چار سلسلے شروع کیئے جائیں ۱۔ تفسیر قرآن ۲۔ حدیث پاک مع ترجمہ و تشریح ۳۔ فقہی مسائل کا سلسلہ ۴۔ اکابرین اولیاء اور سلف و صالحین کے حالات و واقعات تاکہ ماہنامہ "بینات" دیگر ملکی دینی رسائل و جرائد سے بڑھ کر خالص علمی، دینی اور اصلاحی معیار میں اعلیٰ سے اعلیٰ ہو اور اس رسالہ کے ذریعہ عوام و خواص ہر ایک کی مذہبی، اعتقادی، فکری، علمی اور عملی تربیت ہو سکے۔ اور ہر مسلمان کے گھر میں علومِ نبوت، مسائل دینیہ وفقہیہ اور سلف سالحین کے کارناموں کے چرچے ہوں اور انہیں باطل پرست اور دین دشمن طاقتیں اپنا آلہ کار نہ بنا سکیں۔

حضرت بنوری چاہتے تھے کہ حدیث شریف کی کتاب ترمذی کا" ابواب الزہد" بہت جامع اور بے نظیر ہے۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ اس باب کی احادیث کا ترجمہ و تشریح شروع کریں جو ماہنامہ بینات کی " زینت " بنے مگر حضرت اقدس مولانا لدھیانویؒ اس نازک ذمہ داری سے خلاص چاہتے تھے۔ کہ خدانخواستہ کسی حدیث کی تشریح منشاء نبوت کے خلاف ہو گئی تو فلیتبوا مقعدہ من النار والی حدیث کی وعید کی زد میں نہ آجائے۔

دوسری طرف عاجزی وانکساری کی وجہ سے حضرت لدھیانویؒ اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت بنوریؒ کے انتقال کے بعد مولانا یوسف لدھیانوی کو ایفائے عہد کی فکر دامن گیر ہوئی تو اپنے مربی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ سے اس بات کا تذکرہ کیا اور درخواست کی کہ اس کام کو کسی اور کے ذمہ کر دیا جائے۔ مگر حضرت شیخ الحدیث زکریاؒ نے یہ درخواست قبول نہیں فرمائی اور حکم دیا کہ آپ ہی اس کثیر البرکات عمل کو شروع فرمادیں۔

چنانچہ حضرت اقدس بنوریؒ کی خواہش ،واصرار، شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے حکمی فرمان کو حکیم العصر مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے عملی جامہ پہنایا اور حضرت بنوری کی خواہش کے مطابق احادیث کا انتخاب ترمذی شریف کے ابواب الزہد سے کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت و تائید ہوئی اور ان نفوس قدسیہ کی دعاؤں کا یہ اثر ہوا کہ یہ سلسلہ چلتا گیا اور علماء عوام و خواص میں بہت مقبول ہوا اور اس سلسلے کو بہت پذیرائی ملی چنانچہ زیر نظر کتاب انہی احادیث کا مجموعہ ہے جو

بینات کی فائلوں سے جمع کئی گئی ہے۔ اس کی جلدِ اول ترمذی شریف کے چار ابواب، ابواب الزہد، ابواب صفۃ القیامہ، ابواب صفۃ الجنۃ، ابواب صفۃ جہنم کی احادیث، ترجمہ اور تشریح ہے یہ کتاب ۵۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۲۔ دنیا کی حقیقت (جلد دوم):

مذکورہ کتاب ترمذی شریف کے ترجمہ و تشریح کے سلسلہ کی دوسری جلد ہے اس جلد میں کھانے پینے، صلہ رحمی، علاج معالجہ کے آداب واحکام کو نہایت دلنشین انداز میں بیان کیا ہے یہ جلد ۴۱۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۳۔ اطیب النغم فی مدح سید العرب العجم ﷺ:۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت ہر مسلمان کا جزء ایمان ہے اور آپ علیہ السلام کی مدح میں اشعار وقصائد کہنا پڑھنا باعث برکت وفضیلت ہے چنانچہ سب سے پہلے اس امت میں نبی مکرم ﷺ کی مدح میں اشعار حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے پڑھے یہ اس وقت کی بات ہے جب بڑے بڑے نامور شعراء اپنے اشعار میں (نعوذ باالله) حضور ﷺ کی ہجو کر کے نبی کریم و کو اور آپ کے جانثاروں کو تکلیف دیتے تھے، جب حضرت حسان بن ثابتؓ آپ ﷺ کی مدح میں اشعار پڑھتے تو نبی اکرم ﷺ خوشی کا اظہار فرماتے اور حضرت حسان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور چند کلمات طیبات فرماتے۔

چنانچہ روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت حسانؓ کے لئے مسجد میں منبر رکھواتے جس پر کھڑے ہو کر حضرت حسانؓ کفار کو جواب دیتے اور حضور اکرم ﷺ کی ثناءخوانی فرماتے۔

اس کے علاوہ صحابہ بھی آپ ﷺ کے مدح سُرائی میں اشعار کہتے تھے جن میں سے حضرت سواد بن قاربؓ کے قصیدے کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور ہر دور کے عاشقین امت نے نبی کریم ﷺ کی ثناء خوانی کی ہے۔ چنانچہ برصغیر کے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی حضرت حسانؓ کی اتباع میں "قصیدہ ہمزیہ" اور حضرت سواد بن قاربؓ کی اتباع میں قصیدہ بائیہ لکھا جس کو انہوں نے "اطیب النغم" کے نام سے موسوم کیا اور اس کی فارسی میں تشریح فرمائی۔ جس سے علماء وعوام نے خوب استفادہ کیا مگر اس سے فائدہ وہی شخص اٹھا سکتا تھا جو فارسی دان ہو چونکہ ایک زمانہ تک ہندوستان میں فارسی کا رواج تھا مگر جب سے اردو کا رواج اور اردو زبان کو ترقی ملی اسکے بعد سے عمومی طور پر فارسی کی ناخواندگی بڑھتی گئی حتی کہ خواص بھی فارسی زبان سے ناواقف ہوگئے چنانچہ انتہائی ضروری تھا کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا جائے تاکہ پھر سے اس سے استفادہ کیا جائے۔ تو حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید نے اس ضرورت کا ادراک کیا اور اس قصیدے اور فارسی تشریح کا اردو ترجمہ، ہ و تشریح فرمائی۔ نیز حضرت حسان بن ثابت اور

حضرت سواد بن قاربؓ کی قصیدہ شامل کر کے اان کا بھی ترجمہ فرمایا اس طرح آقاء علیہ السلام سے عقیدت و محبت کا اردو میں بہترین ذخیرہ حاصل ہوا۔ آخر میں حضرت شاہ صاحب کے رسالہ کا عکس بھی شامل کیا گیا تا کہ اہل علم حضرات براہ راست اصل ماخذ سے استفادہ کر سکیں۔ اس کتاب کے مجموعی طور پر کل ۱۹۳ صفحات ہیں۔

۱۴۔ رجم کی شرعی حیثیت:۔

قرآن و حدیث میں واضح طور پر شرعی سزاؤں کا بیان کیا گیا اور خود نبی ﷺ اپنے زمانے میں ان سزاؤں کو نافذ بھی کر کے دکھایا۔ ان سزاؤں میں سے ایک شرعی سزا رجم (سنگسار) کرنا بھی ہے۔یعنی اگر کسی شادی شدہ مسلمان نے زنا کا ارتکاب کیا تو اسے سنگسار کیا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ کے بعد سے اکابر علماء امت اور صحابہ کا اس پر اجماع ہے۔ مگر بعض جدت پسند بد باطن رجم کی شرعی حد ہونے کی حیثیت کا انکار کرتے ہیں جن میں منکرین حدیث کے سردار غلام احمد پرویز اور اس کے پیروکار شامل ہیں اور کچھ ایسا ہی فلسفہ جناب امین احسن اصلاحی کی افکار و نظریات میں ملتا ہے یہاں تک کہ فتنہ انکار حدیث سے متاثر بعض ججوں کے اثر رسوخ سے ۱۹۸۱ میں وفاقی شرعی عدالت نے یہ فیصلہ جاری کیا۔

کہ ”حدود آرڈی نینس مجریہ ۱۹۷۹ء کے تحت زنا کے جرم میں رجم (سنگسار) کر کے ہلاک کرنے کی سزا اسلامی احکام کے خلاف ہے۔

اس نظریاتی فتنہ کے خلاف مرد مجاہد حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید نے دلیرانہ للکار لگائی اور حق و صداقت کا ترجمان ماہنامہ ”بینات“ کے پلیٹ فارم سے ان باطل نظریات پر ضرب کاری لگائی اور منکرین حدیث اور ججوں کا تعاقب کیا اور قرآن و حدیث کی روشنی میں رجم کی شرعی حیثیت کو واضح کیا۔ مذکورہ کتاب میں اس سلسلے کے تمام مضامین کو یکجا کیا گیا ہے۔ یہ کتاب شرعی حدود (سزاؤں) سے متعلق بہترین علمی ذخیرہ ہے۔

۱۵۔ حُسن یوسف:۔

گذشتہ اوراق میں لکھا جا چکا ہے کے حضرت بنوریؒ کے وصال کے بعد ماہنامہ بینات کی ادارت مستقل حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی کے سپرد کر دی گئی چنانچہ آپ با قاعدہ ماہنامہ بینات میں ”بصائر و عبر“ تحریر فرمانے لگے۔ اور اپنی شہادت تک آپ یہ ذمہ داری بااحسن خوبی سر انجام دیتے رہے۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید کی ان تحاریر و مقالات کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر ان مضامین کو کتابی شکل میں مرتب کر کے شائع کیا گیا۔

مذکورہ کتاب حسن یوسف میں نفاذ شریعت، شعائر اسلام کا تحفظ اور دینی مدارس و مساجد کے عنوان پر لکھے گئے تمام مضامین کو یکجا کیا گیا ہے یہ کتاب پانچ صد صفحات پر مشتمل ہے جو ارباب اقتدار اور احباب عدلیہ وانتظامیہ کے لئے عبرت کا سامان اور عمومی طور پر پوری امت مسلمہ کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے۔

۱۶۔ تحفہ قادیانیت:۔

قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور امت کے اجماع سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضور اقدس محمد ﷺ آخری نبی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذاب ودجال ہے۔

مگر اسلامی تاریخ میں بہت سے قسمت آزماؤں نے نبوت ورسالت اور میسیحیت کا دعوٰی کر کے عام سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی۔ گزشتہ صدی میں انگریزوں نے اپنے زر خرید غلام ابن غلام مرزا غلام احمد قادیانی کو مسلمانوں میں انتشار وافتراق پیدا کرنے کے لئے تیار کیا اور اس کے زریعہ اس قسم کے دعوے کرائے اس انگریز کے خود کاشتہ پودے نے پہلے پہل مجددیت پھر مہدیت پھر میسیحیت کا دعوٰی کیا پھر کرتے کرتے نبوت کا دعوٰی کر دیا اور اپنے دجل اور کذب میں پھانسنے کے لئے قرآن وحدیث کے بے شمار نصوص میں تحریف کی انبیاء اکرام، صحابہ، اور سلف صالحین علماء امت کی توہین وتذلیل کرتے ہوئے ان پاکیزہ نفوس کے خلاف زہرہ سرائی کی اور مغلظات سے نوازا۔ بالآخر ۱۹۰۸ میں نہایت ذلت سے وبائی ہیضہ کا شکار ہو کر مرا اور ہمیشہ کے لئے واصل جہنم ہوا۔

مرزا قادیانی اور قادیانیت کے خلاف جہاں بہت سے اکابرین امت نے اپنی کتب، رسائل اور مقالات اور تقاریر سے نمایاں خدمات انجام دیں اور مرزا قادیانی کے دجل تلبیس کو آشکارا کیا۔ وہاں حکیم العصر حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید نے بھی ہر میدان سے مرزا قادیانی اور اس کی تمام شیطانی ذریت کا تعاقب کر کے سر راہ نقب لگائے اور تجدیدی کارنامہ انجام دیا۔ چنانچہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید نے ملک ملک، شہر شہر، گاؤں گاؤں جا کر قادیانیوں سے مناظرے، مباحثے کئے اور عام مسلمانوں کو قادیانیوں کی حقیقت اور ان کی دجالی فریبیوں سے آگاہ کیا اس کے ساتھ ساتھ آپ نے جب اس موضوع پر ضرورت محسوس کی تو اس موضوع پر بیسیوں مضامین ومقالات ورسائل اور بے شمار کتب تحریر فرمائیں۔

حکیم العصر مولانا یوسف لدھیانوی شہید کا طرز بیان و استدلال اس قدر عام فہم اور موئثر و مسکت ہے کہ بڑے سے بڑا قادیانی بھی مانے بغیر نہ رہ سکا اور سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ مرزا قادیانی نے کتنی مغلظات و دجالیت پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی۔ مگر حقیقت میں دلوں کا پھیرنا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

چنانچہ زیر نظر کتاب "تحفہ قادنیت" میں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی کے اس عنوان پر لکھے گئے تمام رسائل و کتب کو یکجا کیا گیا۔ تحفہ قادیانیت کتاب قادیانی مذہب پر تحریری شکل میں ایک ننگی تلوار اور ضرب کاری ہے۔ اور ہر مؤمن کے لئے ختم نبوت کے مسئلہ سے آگاہی اور قادیانی دجل سے بچاؤ کے لئے نہایت ضروری ہے۔ مذکورہ کتاب چھے جلدوں پر مشتمل ہے جس کے کل صفحات ۲۰۰۰ کے قریب ہے۔

۱۷۔ شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم:۔

حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی شہید نے اختلاف امت اور صراط مستقیم تصنیف فرمائی تو اس میں شیعہ سنی اختلاف کے عنوان کے تحت بعض شیعہ عقائد کی نشاندہی فرمائی۔ جس پر شیعت برادری کو بڑی ذلت اور خفت کا اندیشہ ہوا کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے غلیظ عقائد منظر عام پر آئیں چنانچہ ایک شیعہ عالم سید محمد محسن اجتہادی صاحب نے اس کتاب کے مندرجات سے اختلاف کیا اور ایک طویل خط حضرت لدھیانوی شہید کو لکھا جس میں اس بات پر احتجاج کرتے ہوئے لکھا کہ آپ نے اپنی کتاب میں جو عقائد ہماری طرف منسوب کئے ہیں وہ آپ کے خود ساختہ ہیں شیعہ مکتبہ فکر کے یہ عقائد نہیں۔

حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی نے نہایت سنجیدگی اور متانت سے سید اجتہادی صاحب کے خط کو پڑھا اور اس کا جواب یوں لکھا کہ:

"آنجناب تو ان عقائد سے انکار فرماتے ہیں مگر یہ عقائد آپ کے اکابر کی کتابوں میں موجود ہیں، آپ خود ہی یہ فیصلہ فرمادیں کہ آپ سچ فرماتے ہیں یا آپ کے اکابر کی تصنیفات کو سچا سمجھا جائے۔"

آپ نے اس کتاب میں شیعہ کتابوں کے حوالوں کی اصل فوٹو اسٹیٹ کی صورت میں شامل کر کے تمام حجت کر دی اس کتاب میں عقیدہ امامت، صحابہ کرامؓ، شیعہ اور قرآن، اور حدیث اصحابی کالنجوم پر محقق و مدلل بحث کی گئی ہے، یہ کتاب پانچ سو اڑسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۸۔ خاتم النبیین:۔

عقیدہ ختم نبوت ایمان کی رگِ جان ہے۔ ختم نبوت کا انکاری صرف کافر ہی نہیں بلکہ واجب القتل ہے انیسویں صدی میں جب مرزا غلام احمد قادیانی نے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کے تاج پر حملہ کیا اور نبوت کا دعوٰی کیا اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی سعی مذموم کی تو اکابرین دیوبند تڑپ اٹھے اور مرزا قادیانی سے مقابلہ اور سرکوبی کے لئے کمربستہ ہو گئے انہیں حضرات میں علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ بھی ہیں آپ نے اپنی زندگی ختم نبوت کے کام کے لئے وقف کی تھی یہاں تک بستر مرگ پر بھی آپ بس اسی بات کے لئے بے چین رہتے کہ کس طرح فتنہ قادیانیت سے امت کو بچایا جائے چنانچہ ''خاتم النبیین'' کتاب حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بستر مرگ پر فارسی زبان میں لکھی۔ حضرت کی خواہش تھی کہ اسے اپنے خاص مصارف سے طبع کرا کر ان ممالک میں تقسیم کرایا جائے جن میں فارسی زبان رائج ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں اردو زبان مروج ہے۔ جس کی بناء پر عوام تو عوام خواص کیلئے بھی اس کتاب سے مکمل استفادہ مشکل تھا لہذا ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کتاب کا آسان اور شگفتہ انداز میں اردو ترجمہ کیا جائے اور علوم انوری کو اردو زبان میں منتقل کیا جائے مگر یہ کام مشکل بھی تھا اور کھٹن بھی ہر کس و نا کس کے بس کا نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت بنوری قدس سرہ کی نظر انتخاب حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید پر پڑی اور آپ کو حکم دیا کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ کیجئے۔ چنانچہ حضرت لدھیانوی شہید نے علوم انوری اور عقیدہ ختم نبوت کو اس سلیقہ سے بیان کیا کہ ترجمہ کا حق ادا کر دیا۔ اس کتاب کے ترجمہ پر حضرت اقدس بنوریؒ نے آپ کو ''اپنا ہم نام و ہم کام'' فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ اس کتاب خاتم النبیین کا ترجمہ کرنے والے میں دس صفات کا ہونا ضروری ہے اور وہ دس صفات مولانا یوسف لدھیانوی شہید میں پائی جاتی ہیں اس لئے وہی اس کے ترجمہ کے اہل قرار پائے۔ حضرت بنوریؒ ''علوم انوری'' کے حقائق و معارف کی تہہ تک پہنچے اور ان کی ترجمانی کے لئے جن دس امور کی ضرورت تھی اس کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''زبان فارسی ہو یا اردو، علوم انوری کے جواہرات اپنی پوری تابانی کے ساتھ ظاہر ہوں گے ہر شخص نہ اس کی تہوں تک پہنچ سکتا تھا اور نہ یہ علوم اس کے قبضہ میں آسکتے تھے۔ اس لئے حسب ذیل امور کی ضرورت تھی:

۱۔ عام فہم شستہ اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے۔

۲۔ مترجم ذکی و محقق عالم ہو کہ علمی اشارات و لطائف کو بخوبی سمجھتا ہو۔

۳۔ حضرت امام العصرؒ کے طرز تحریر سے مناسبت رکھتا ہو اور اس کے سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔

۴۔ قادیانیت کے موضوع سے دلچسپی رکھتا ہو اور قادیانی مذہب کے لٹریچر سے پوری طرح باخبر ہو۔

۵۔ علمی حقائق کی تشریح پر اردو میں قادر ہو اور قلمی افادات سے عوام کو مستفید بنانے کی قابلیت رکھتا ہو

۶۔ تالیفی ذوق رکھتا ہو، تصنیفی ملکہ حاصل ہو تاکہ مناسب عنوانات سے مضمون کو آسان کر سکتا ہو۔

۷۔ حضرت امام العصر سے انتہائی عقیدت و محبت ہو کہ مشکلات حل کرنے میں گھبرا نہ جائے اور غور و خوص سے اُکتا نہ جائے۔

۸۔ محنت و عرق ریزی کا عادی ہو، دل کا درد رکھتا ہو۔ قادیانیت سے بغض ہو۔

۹۔ اپنے علمی کاموں میں محض رضاء حق کا طالب ہو، حب جاو ثنا سے بالاتر ہو۔

۱۰۔ عام علمی مہارت اور دینی ذوق کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ عربیت و بلاغت کے سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہو اور معانی و بلاغت کی نکتہ سنجیوں سے واقف ہو۔

یہ دس امور تھے جو ارتجالاً زبان قلم پر آ گئے "عشرہ کامل" کے بعد اب مترجم صحیح ترجمہ پر قدرت پا سکتا ہے مجھے کسی سے توقع نہ تھی کہ یہ خدمت صحیح طور پر انجام دے سکے گا۔ میری خود بھی ہمت نہ تھی کہ اس لق و دق صحرا میں قدم رکھوں، اگرچہ عرصہ دراز سے احساس تھا کہ اس کے ترجمہ و تشریح کی ضرورت ہے، جس وقت شباب تھا اور فرصت بھی تھی، دماغ میں تازگی تھی اور عہد انوری کی صحبتوں کی یاد تازہ تھی اس وقت توجہ نہ کر سکا اور اس سعادت سے محروم رہا، حالانکہ " نفحتہ العنبر" میں ۵۴ برس پہلے لکھ چکا تھا کہ خدا کی قسم: انوری علوم کے باغ و بہار اور وہی علوم کا نمونہ اگر دیکھنا ہو تو رسالہ خاتم النبیین ملاحظہ کیا جائے۔

الحمد اللہ یہ سعادت میرے ہم نام اور میرے ہم کام میرے مخلص رفیق کار مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے حصہ میں آئی جو اس عشرہ کاملہ سے متصف تھے، باکمال تھے، اور اللہ کا شکر ہے کہ وہ اس ترجمہ و تشریح کے فرض سے نہایت کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے اور اس علمی و دینی خدمت کا حق ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ بارگاہ قدس میں قبول فرمائے اور مترجم کے لئے سعادت دارین کا وسیلہ بنائے اور حضرت مولانا انور شاہؒ کی شفاعت مقبولہ کا ذریعہ بنائے۔"

یہ کتاب قادیانی مذہب و پیروکاروں کے لئے شمشیر بے نیام سے کم نہیں۔

۱۹۔ ذریۃ الوصول الیٰ جناب الرسول:۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت ہر مسلمان پر لازم اور فرض ہے اس عقیدت و محبت کا تقاضہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر درود و سلام کے تحفہ و نذرانہ عقیدت پیش کیے جائیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار محبت اور آخرت میں شفاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔

اسی وجہ سے ہر دور میں اکابرین و علماء امت کی تمنا و آرزو رہی ہے کہ وہ حضور ﷺ پر درود و سلام سے متعلق کوئی کتاب لکھیں۔ اور بہت سے اکابر نے اس کی تکمیل بھی کی۔ اسی طرح کی تمنا و آرزو۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ بھی رکھتے تھے تاکہ اس کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالی تک رسائی ہو سکے۔ مگر درود و سلام کے فضائل و برکات اور آداب و احکام پر مشتمل اکابرین کی اتنی کتابیں موجود تھی جن کے سامنے خود کوئی تصنیف کرنے سے شرم مانع تھی۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل و احسان فرمایا کہ حضرت کی اس دیرینہ آرزو پوری ہونے کی سبیل بنادی۔ ہو یہ کہ ہالا ضلع حیدرآباد (سندھ) سے حضرتؒ کے دوست ڈاکٹر قاضی محمد شوکت علی قریشی زید مجدہ نے شیخ مخدوم ہاشم ٹھٹھوی سندھیؒ کے فارسی رسالہ ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول کا نسخہ بھجوایا اور اسے اردو میں منتقل کرنے کی درخواست کی، یہ حضرت کے حسین خواب کی تعبیر تھی۔ چنانچہ حضرت نے اسے اشارہ غیبی سمجھتے ہوئے فوراً وعدہ کر لیا اور چند دن میں اس رسالہ کا ترجمہ مکمل فرمادیا۔ اس کتاب کی تالیف سے متعلق مولانا سعید احمد جلال پوری صاحبؒ لکھتے ہیں۔

"اس کتاب کی تقریب یہ ہوئی کہ ہالا ضلع حیدرآباد (سندھ) سے حضرت کے دوست ڈاکٹر قاضی محمد شوکت علی قریشی زید لطفہ نے شیخ محمد ہاشم سندھی کے فارسی رسالہ " ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول" کا نسخہ بھجوایا اور اسے اردو میں منتقل کرنے کی درخواست کی یہ حضرتؒ کے درینہ خواب کی تعبیر تھی، اس لئے اسے لطیفہ غیبی سمجھ کر فوراً وعدہ کر لیا اور چند دنوں میں اس رسالہ کا ترجمہ مکمل فرمادیا۔ اصل رسالہ ۶۲ صفحات تھا جس کے صفحہ ۵۶ سے ۶۲ تک کی چند سطریں کرم خوردہ تھیں اسی طرح آخری ضمیمہ میں حضرت مصنف درود شریف کے چالیس الفاظ لکھ رہے تھے نمبر ۳۴ تک صفحہ ۶۲ میں آئے آگے نمبر ۳۵ کی عبارت شروع تھی کہ صفحہ ختم ہو گیا اور اس سے اگلے صفحات ندارد مصنف کی عبارت بھی نامکمل رہی اور درود شریف کے چالیس صیغہ بھی پورے نہ ہوئے، اس لئے جہاں تک حضرت مؤلف کی عبارت تھی وہاں تک حضرت شہید نے ترجمہ کر کے فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔ (63)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اس کتاب کے آخر میں اصل رسالہ کا عکس بھی شامل کر دیا۔ اور چونکہ اس رسالہ کی ترتیب و تدوین سے مقصود درود شریف کے الفاظ کا ایسا مجموعہ تیار ہو جس کو مسلمان پڑھا کریں۔ اس مقصد کے تحت حضرتؒ نے درود شریف کے تمام صیغوں کو مناجات مقبول کے طرز پر جمع کر کے الگ شائع کر دیا اور اس کو سات دنوں کی ترتیب پر تقسیم کیا اور اپنے تمام احباب و متعلقین کو اس بات کی تلقین فرمائی کہ وہ روزانہ ایک منزل ترتیب وار پڑھیں۔

یہ کتاب اصل عکس سمیت کل دو سو چھپن صفحات پر مشتمل درود و سلام کی عشق و محبت سے لبریز حسین سوغات ہے۔

۲۰۔ اصلاحی مواعظ:۔

حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی شہید کی شخصیت بہت جامع تھی۔ اللہ نے بیک وقت آپکو بڑے کمالات سے نوازا تھا جس طرح آپ فن تحریر میں مہارت اور ید طولیٰ رکھتے تھے اسی طرح آپ کے وعظ و بیان بھی خلق خدا کے لئے انتہائی درجہ نافع اور اصلاحی ہوتے تھے، چنانچہ محبین و مخلصین عوام کا مطالبہ تھا کہ حضرتؒ کے مواعظ کو بھی تحریری شکل میں جمع کر دیا جائے چنانچہ حضرت کے صاحبزادہ مولانا طیب لدھیانوی نے اس عظیم خدمت کی ابتداء کی اور حضرت کے بیانات کو تحریری شکل میں شائع کیا۔ مذکورہ کتاب " اصلاحی مواعظ " حضرت مولانا یوسف لدھیانوی کے پر سوز و شیریں بیانات کا مجموعہ ہے اصلاحی مواعظ کا یہ علمی ذخیرہ مختلف عنوانات کی ترتیب پر ۸ جلدوں پر مشتمل ہے۔

۲۱۔ قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ:۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو اپنے اکابرین و اساتذہ سے والہانہ محبت تھی، جب بھی بزرگانِ دین خاص کر اکابر علماء دیوبند کا تذکرہ آتا تو حضرتؒ کی کیفیت قابل دید ہوتی تھی ایسا لگتا کہ آپ کو اکابرین کے تذکرہ سے ایک سکون محسوس ہو رہا ہو جو چہرہ سے عیاں ہوتا۔ اسی طرح کی کیفیت حضرت مولانا یوسف لدھیانوی کی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ کے تذکرے سے ہوتی۔ چونکہ حضرت لدھیانویؒ استاذ العلماء شیخ المشائخ مولانا خیر محمد صاحبؒ کی رحلت کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ سے بیعت بھی ہوئے تھے۔ جس کی بناء پر اور بھی گہرا تعلق ہو گیا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث کی رحلت کے بعد حضرت شیخ الحدیث کے محبوب خلیفہ مولانا یوسف متالا (انگلینڈ) نے حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید سے درخواست کی کہ حضرت شیخ الحدیث کی سوانح لکھ دیں۔ تو آپ نے شیخ کی محبت و یاد میں اس نعمت کو فوری ادا کرنا ضروری سمجھتے ہوئے وہی انگلینڈ میں مولانا یوسف متالا کے مدرسہ میں قیام کیا اور حضرت شیخ الحدیثؒ کی سوانح مرتب فرمائی یہ کتاب حضرت شیخ الحدیثؒ کی زندگی کا مکمل انسائیکلوپیڈیا ہے۔

۲۲۔ حجۃ الوداع و عمرۃ النبی:۔

قطب الاقطاب حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ حضرت نے عربی زبان میں ایک کتاب لکھی جس میں حضور ﷺ کے عمرے اور حجۃ الوداع کو تفصیل سے بیان کیا کتاب ایسی بہترین تھی کہ حضرت اقدس بنوریؒ نے بھی اس کتاب کی تعریف فرمائی تھی اور کتاب کو جامع ترین کتاب فرمایا تھا حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا تاکہ علماء کے ساتھ ساتھ عوام بھی اس کتاب سے مستفید ہو سکے اس کتاب کے کل تین سو پینتیس صفحات ہیں۔ اور یہ اپنے موضوع پر ایک بہترین دستاویز ہے۔

۲۳۔ دعوت و تبلیغ کے چھ بنیادی اصول:۔

دعوت و تبلیغ کا تجدیدی کام اللہ تعالی نے جس عالمگیر پیمانہ پر مولانا الیاسؒ سے لیا وہ مثل آفتاب ظاہر ہے آپ نے پوری زندگی امت کو اعمال ایمان کی دعوت دی اور آپ کی دعوت سارے عالم میں پھیلی یہ مولاناؒ کے اخلاص ہی کی برکت تھی کہ مولانا کو رفیق کار بھی مخلص ترین رضاء الہیٰ کی جستجو رکھنے والے ملے۔ چنانچہ مولانا الیاسؒ کے بعد آپ کے جانشین اور تبلیغی جماعت کے دوسرے امیر مولانا یوسف صاحب دہلوی معروف حضرت جیؒ نے اس کام میں اپنی ساری صلاحیتیں لگائیں۔ حضرت مولانا یوسف صاحب دہلوی صاحب درد ہونے کے ساتھ صاحب قلم تھے آپ نے عربی میں حیاۃ الصحابہ اور دیگر کتابیں تالیف فرمائی۔ اسی طرح آپ نے ایک کتاب دعوت و تبلیغ کے چھ نمبروں پر عربی میں تحریر فرمائی مگر کتاب شائع نہ ہو سکی بلکہ حضرت کے تحریری مسودات میں رہی۔ بہت وقت بعد حضرت جیؒ کے پوتے مولانا سعد صاحب حفظہ اللہ کو یہ دعوتی اور علمی خزینہ حضرت جیؒ کے مسودات میں ملا۔ حضرت مولانا سعد صاحب نے اس کو قیمتی جوہر جان کر لیا اور اس کا ترجمہ کرانے کا سوچا اور اس غرض کے لئے بہت سے اہل علم و قلم حضرات سے رابطے بھی کیئے بعض حضرات نے انکار تو بعض حضرات نے حامی بھری مگر کام مقدر نہ ہو سکا۔ چنانچہ آخر کار حضرت مولانا سعد صاحب نے حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی سے رابطہ کر کے اس کام کے کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے بخوشی قبول فرمایا تو کل علی اللہ کام شروع کیا اور کچھ ہی عرصہ میں مکمل کر دیا۔ تو یہ راز کھلا کہ اللہ نے یوسف اولؒ کے کام کی تکمیل یوسف ثانی کے حصہ میں رکھی تھی جب ہی کسی اور سے یہ کام نہ ہو سکا۔ آپ نے بڑی عرق ریزی اور شوق سے یہ کام کیا کیونکہ مسودہ کی اصل متن میں اغلاط، حوالہ جات ناکافی یا نایاب کتابوں کے تھے جو کتابیں اب ناپید تھیں اسی طرح بعض احادیث نا مکمل تھیں آپ نے بااحسن خوبی تمام کام انجام دیا اور ایک تحقیقی دستاویز تیار کر دی۔

مصادر و مراجع

(1)الرسول المعلم:ص66

(2)مسلم:ج۲ص136

(3)بخاری:ج1ص162، مسلم ج1ص163

(4) صحیح بخاری ج ا۔ص ۲۲۵

(5)مسند احمد ج۔۲ص۲۰۶

(6)ابن ماجہ ص ۲۳ باب الایمان

(7)بخاری، کتاب الزکاۃ

(8)تفسیر طبری ص۳۵ ج۱

(9)بخاری باب الحج والنذور عن المیت

(10)ابو داؤد، کتاب الاداب باب من یومر ان یجالس

(11)ابو داؤد، کتاب الاداب باب من یومر ان یجالس

(12)بخاری کتاب الرقاق باب فی الامل وطولہ

(13)مسلم کتاب لبر والصلۃ باب تراحم لمومن وتعاطفھم وتعاضدھم

(14)نسائی کتاب لزینہ، باب تحریم الذھب علی لرجال

(15)بخاری، کتاب بدء الخلق ص ۲۴۰

(16)ابو داؤد، کتاب السنۃ ص ۲۲۱

(17)مثالی استاذ ص۔۸۷

(18) حوالہ بالا ص۔۸۸

(19)حوالہ بالا ص۔۸۸

(20)حوالہ بالا ص۔۸۹

(21)حوالہ بالا ص۔۹۰

(22)بینات لدھیانوی نمبر ص۔۲۷

(23)بینات لدھیانوی نمبر ص۔۳۴

(24)بینات لدھیانوی نمبر ص۔۱۳۱

(25)بینات لدھیانوی نمبر ص۔۳۵

(26)شخصیات و تاثرات ص۔۱۴۲

(27)شخصیات و تاثرات ص۔۱۴۲

(28)بینات نمبر ص۔۲۱۳

(29)بینات لدھیانوی نمبر ص۔۳۴۳

(30)بینات لدھیانوی نمبر ص۔۲۱۴

(31)بینات نمبر ص۔۲۱۴

(32)بینات لدھیانوی نمبر ص۔۴۶۳۔۴۶۴

(33)القیامہ

(34) القیامہ

(35) القیامہ

(36)النساء۲۵

(37)بینات لدھیانوی شہید نمبر ص۔۴۰۴۔۴۱۶

(38)بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۳۴

(39)بینات: حضرت لدھیانوی نمبر ص۲۳۹۔۲۴۰

(40)بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص۲۴۰

(41)اختلاف امت ص۸۸۔۸۹

(42)اختلاف امت اور صراط مستقیم ص۸۹۔۹۰

(43)اختلاف امت اور صراط مستقیم ص۹۰

(44)البحر الرائق جلد نمبر ۲ ص:۱۷۶

(45) حجۃ اللہ البالغۃ

(46)الجنۃ لاھل السنۃ ص ۷

(47)الجنۃ لاھل السنۃ ص ۷

(48)اختلاف امت اور صراط مستقیم ص۹۵۔۹۸

(49)شخصیات و تأثرات ص ۱۴۔۱۵

(50)شخصیات و تأثرات ص ۱۹۰۔۱۹۱

(51)شخصیات و تاثرات ص ۳۲۱۔۳۲۲

(52)شخصیات و تأثرات ص ۴۱۱۔۴۱۲

(53)بینات لدھیانوی نمبر ص۵۸۷، شخصیات و تأثرات ص ۱۶۵

(54)بینات لدھیانوی نمبر ص۵۸۷، شخصیات و تأثرات ص ۱۷۳

(55)شخصیات و تاثرات ص ۱۸۰۔۱۸۱، بینات لدھیانوی نمبر ص۵۸۸

(56)شخصیات و تاثرات۔ ۲۱۴۔۲۱۵، بینات لدھیانوی نمبر ص ۵۹۲

(57)شخصیات و تاثرات ص ۲۲۵۔ بینات لدھیانوی نمبر ص ۵۹۳۔۵۹۴

(58)آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ا ص:۱۸

(59)اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ اول ص ۴۳

(60)اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ اول ص۱۹۔۲۰

(61)شخصیات و تأثرات مقدمہ جلد اول ص ۳۔۴

(62)عہد و نبوت کے ماہ و سال ص ا مکتبہ لدھیانوی

(63)بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص۲۷۹۔۲۸۰

باب سوم: علم تفسیر و حدیث میں خدمات

فصل اول: تفسیر میں تدریسی خدمات

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو بنانے کے بعد مختلف عالم کے نظام کو چلانے کے لئے تکوینی طور پر عالم کے مناسب انتظامات فرمائے ہیں۔ خاص کر دنیائے انسانی کو ایک منظم راہ اور واضح طریقہائے نظام دیا۔ جس میں انسانیت کی راہنمائی اور انہیں حق کی شناسائی و معرفت سے آگاہ کرنے کے لئے دو بنیادی سلسلے جاری فرمائے۔ ۱۔ رجال اللہ ۲۔ کتاب اللہ

ابتداء آفرینش سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام دنیا میں مبعوث فرمائے، جو انسانیت کو حق کی راہنمائی فرماتے اور حق سبحانہ و تقدس سے ان کا تعلق جوڑتے، چنانچہ یکے بعد دیگرے تقریباً سوا لاکھ انبیاء علیہم السلام کی دنیا میں تشریف آوری ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

و رسلاً قد قصصنٰھم علیک من قبل و رُسلاً لم نقصصھم علیک و کلم اللہ موسیٰ تکلیماً ہ (1)

ترجمہ: اور ہم نے بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا ہم نے آپ سے اس سے پہلے حال بیان کیا اور بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ لکھتے ہیں

"بعض روایات میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار مذکور ہے جن میں تین سو پندرہ کو رسول بتایا ہے۔"(2)

انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری اور ان کی تعداد سے متعلق علامہ اُلوسی محمود بغدادیؒ نے اپنی مایہ ناز عربی تفسیر روح لمعانی میں لکھا ہے۔

"فلاتنافی الی مارردفی الخبر ان الرسل ثلثمائۃ و ثلاثۃ عشر و الا نبیاءمائہ الف و اربعۃ و عشرون أ لِفاً۔(3)

یعنی یہ آیت اس حدیث کے منافی ہے کہ جس میں وارد ہے کہ رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے اور انبیا(کی تعداد)ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کے رجال اللہ کے سلسلے میں ابتداء انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔اس سلسلے کے سردار سید الانبیاء فخر الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرماکر رجال اللہ میں سے سلسلہ نبوت کو ختم فرمایا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ما کان محمد اباء احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین و کان اللہ بکل شیءِ علیماً(4)

ترجمہ: محمد ﷺ باپ نہیں کسی کے تمھارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کے اور مہر سب نبیوں پر، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں

عن قتادۃ و لکن رسول اللہ و خاتم النبین ای آخر ھم۔(5)

یعنی "حضرت قتادۃ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آیت کی تفسیر میں فرمایا، اور لیکن آپ ﷺ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین یعنی آخر النبیین ہیں۔"

اسی بات کو اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ نبوت میں یوں ارشاد فرمایا:

عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ انہ سکون فی اُمتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔(6)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے، ہر ایک یہی کہیے گا کہ میں نبی ہوں، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں۔

چنانچہ نبی علیہ السلام پر نبوت کے سلسلے کو ختم اور بند کر دیا گیا۔ انسانیت کی راہنمائی کا دوسرا سلسلہ کتاب اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر کتاب نازل کر کے اس کی امت کو راہنمائی کا سلسلہ اور تابندہ ستارہ عطاء کرے۔ اس سلسلہ کتاب اللہ میں اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء علیھم السلام پر چار کتابیں نازل فرمائی۔ اس کے علاوہ کچھ صحیفے بھی نازل فرمائے۔ چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی کتاب زبور داؤد علیہ السلام پر نازل فرمائی دوسری کتاب "تورات" موسی علیہ السلام پر انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی جبکہ آخری کتاب قرآن کریم محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے۔

"عن ابی ذر قال قلت یا رسول اللہ کم انزل اللہ تعالی من کتاب؟ قال: مائة کتاب و اربعة کتب انزل علی شیث خمسین صحیفة و علی ادریس ثلاثین صحیفة و علی ابراهیم عشر صحائف و علی موسی قبل التوراة عشر صحائفِ و انزل التوراة و الانجیل و الزبور و الفرقان۔۔۔

ترجمہ: حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ میں عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟ فرمایا سو صحیفے اور چار کتابیں۔ شیث (علیہ السلام) پر پچاس صحیفے، ادریس (علیہ السلام) پر تیس صحیفے، ابراہیم (علیہ السلام) پر دس صحیفے اور موسی (علیہ السلام) پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کئے گئے۔ اور (چار کتاب) تورات، زبور، انجیل اور فرقان (قرآن) نازل کیں۔(7)

قرآن کریم آخری آسمانی کتاب ہے قرآن کریم کے نزول کے بعد پچھلے تمام کتب و ادیان منسوخ ہوگئے اسی وجہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ: اگر موسی بن عمران بھی زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کرنا ضروری ہوتا۔ نبی کریم ﷺ نے امت کو قرآن حکیم سے اپنے مسائل کے حل اور راہنمائی کے لئے قرآن حکیم کو مضبوط تھامنے کا حکم فرمایا: چنانچہ روایت ہے

عن مالک بن انس مرسلا قال: قال رسول اللہ ﷺ ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب اللہ و سنة رسوله

ترجمہ: حضرت مالک بن انس سے مرسلاً مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ: میں تمھارے درمیان دو چیزوں کو چھوڑتا ہوں جب تک تم ان دونوں کو (مضبوط) تھامے رہوگے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔ پہلی چیز کتاب اللہ اور دوسری چیز سنت رسولؐ۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امت کی مکمل راہنمائی کے لئے قرآن کریم اور حدیث رسول کو لازم قرار دیا۔ اور امت نے بھی قرآن کریم اور حدیث شریف کے حصول، اس کی حفاظت، اس کے معانی میں تفکر اور تدبر، تفسیر و تشریح کو مقصود بنا کر اپنی عمر عزیز کے قیمتی لمحات کیا ساری ہی عمر اس کارِ خیر کے لئے وقف کر دیں۔ چنانچہ صحابہ کرام عموماً قرآن کریم اور حدیث کے اولین ناقل اور مفسر محدث تھے لیکن چند صحابہ قرآن کی تعلیم و تفسیر اور حدیث شریف کی تشریح و بیان میں امتیازی شان رکھتے تھے۔

ا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ

تمام صحابہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو علم تفسیر میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا اس سلسلے میں مفتی تقی عثمانی صاحب اپنی علوم القرآن میں لکھتے ہیں۔

" اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے حق میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم تفسیر میں مہارت کی دعا فرمائی ہے کہ:

اللھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل

ترجمہ: "یا اللہ اس کو دین کی سمجھ عطاء فرما اور انہیں تفسیر قرآن کا علم عطاء فرما۔"

اور ایک مرتبہ یہ دعا فرمائی:

اللھم بارک فیہ و انشر منہ

" یا اللہ! ان کر برکت عطا فرما اور ان کے ذریعہ علم دین کو عام فرما۔"

اور بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

نعم ترجمان القرآن أنت

''تم قرآن کریم کے اچھے ترجمان ہو''

چنانچہ صحابہ کرامؓ ان کو'' ترجمان القرآن''اور'' الحبر'' (زبردست عالم) اور البحر (دریائے علم) کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ بڑے بڑے صحابہ کرام ان کی کم سنی کے باوجود تفسیری معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتے اور ان کے قول کو خاص وزن دیتے تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میں نے انصار کے صاحب سے کہا کہ ابھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہ باقی ہے آؤ ہم ان سے (علم کی باتیں) معلوم کیا کریں۔ ان صاحب نے کہا'' کیا آپ کا خیال ہے کہ کسی وقت لوگ علم کے معاملہ میں آپ کے محتاج ہوں گے؟ (جو اس وقت کی تیاری ابھی سے کرنا چاہتے ہیں) چنانچہ انہوں نے میری تجویز منظور نہ کی۔ اور میں نے تنہا یہ کام شروع کر دیا کہ صحابہؓ کے پاس جاتا اور علم کی باتیں معلوم کرتا رہا، اگر مجھے کسی شخص کے حوالہ سے کوئی حدیث پہونچتی تو میں اس کے دروازے پر پہنچ جاتا، معلوم ہوتا کہ وہ دوپہر کے وقت آرام میں ہیں تو میں اپنی چادر کو تکیہ بنا کر وہیں دروازے پر بیٹھ رہتا، ہوا کے جھکڑ میرے چہرے پر مٹی لا، لا کر ڈالتے رہتے، جب وہ صاحب باہر نکل کر مجھے دیکھتے تو کہتے'' رسول ﷺ کے چچازاد بھائی! آپ کیوں تشریف لائے؟ میرے پاس پیغام بھیج دیا ہوتا، میں آپ کے پاس چلا آتا'' میں جواب میں کہتا: نہیں! یہ میرا فرض تھا کہ آپ کے پاس آؤں'' چنانچہ میں ان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھتا (یہ سلسلہ عرصہ تک چلتا رہا) وہ انصاری بزرگ (جنہوں نے میرے ساتھ چلنے سے انکار کیا تھا) بعد میں کافی دن زندہ رہے، یہاں تک کہ انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھا کہ لوگ میرے ارد گرد جمع ہیں اور مجھ سے سوالات کر رہے ہیں، اس وقت انہوں نے کہا:'' یہ نوجوان مجھ سے زیادہ عقلمند تھا۔''(8)

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ:

تفسیر قرآن کے معاملے میں حضرت علیؓ کا مقام انتہائی بلند ہے پہلے تین خلفاء کی وفات چونکہ جلدی ہو گئی تھی۔ اس لئے ان سے تفسیری روایات بہت کم مروی ہے اس کے بر خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ عرصہ دارز تک افادۂ علم میں مشغول رہے، اس لئے ان سے بہت سی روایات منقول ہیں، علم تفسیر میں ان کے مقام بلند کا اندازہ اس سے لگایئے کہ ابو طفیلؒ لکھتے ہیں۔

" میں نے حضرت علیؓ کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا، وہ فرمارہے تھے کہ مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں سوالات کیا کرو، کیونکہ خدا کی قسم! قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے معلوم نہ ہو کہ یہ رات کو نازل ہوئی یادن کو میدان میں اتری یا پہاڑ پر؟" حضرت علیؓ نے چونکہ آخر میں کوفہ کو اپنا مستقر بنالیا تھا اس لئے آپ کا علم زیادہ تر اسی علاقے میں پھیلا، اور آپ کی پیشتر روایات اہل کوفہ سے مروی ہے۔(9)

ان حضرات کے علاوہ اور صحابہ قرآن کریم کے مفسر مشہور ہوئے جن میں عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابی کعبؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے بارے میں حافظ ابن جریر نے ان کا خود اپنے بارے میں یہ قول روایت کیا ہے کہ:

" قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ کتاب اللہ کی جو آیت بھی نازل ہوئی ہے اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ وہ کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی؟ اور اگر مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ معلوم ہو جائے جو کتاب اللہ کو مجھ سے زیادہ جانتا ہو تو میں اس کے پاس ضرور جاؤں گا بشر طیکہ اس کی جگہ تک اونٹنیاں جا سکتی ہوں۔"(10)

حضرت مسروقؒ کا قول ہے کہ میں نے بہت سے صحابہ کرامؓ سے استفادہ کیا ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا تمام صحابہؓ کے علوم چھ آدمیوں میں جمع تھے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ عنھم اجمعین، پھر میں نے غور کیا تو ان چھ حضرات کے علوم دو حضرات کے درمیان منحصر پائے، حضرت علیؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ۔(11)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:۔

حضرت ابی بن کعبؓ بھی مفسرین صحابہ کی فہرست میں شامل ہیں حضرت ابی بن کعبؓ کو ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اقرؤ ھم ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

ترجمہ: صحابہؓ میں سب سے بڑے قاری ابی بن کعبؓ ہیں۔

آپ کی جلالتِ قدر کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جیسے امام المفسرین نے آپ سے استفادہ کیا ہے۔ حضرت معمرؒ فرماتے ہیں:

عامۃ علم ابن عباس من ثلثلۃ، عمر رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ و ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

"حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے بیشتر علوم تین حضرات سے ماخوذ ہیں، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ"۔(12)

اس کے علاوہ بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت میں مفسر جن کی تفسیر کتابی صورت میں مرتب ہوئی وہ ابی بن کعبؓ ہی ہیں غرض نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے بعد دورِ صحابہ میں مختلف مقامات پر صحابہ کرامؓ کا حلقہ درس قائم تھا جس سے ایک کثیر امت نے استفادہ کیا اور صحابہؓ کی تعلیم وتربیت سے تابعین کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے تفسیر اور علم تفسیر کی حفاظت وبقاء کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں اور اس میدان میں کارہائے نمایاں انجام رہے ذیل میں چند کے نام ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت مجاہدؒ ان کا پورا نام ابو الحجاج مجاہد بن جبر مخزومی ہے ولادت ۲۱ھ اور وفات ۱۰۳ھ

۲۔ حضرت سعید بن جبیرؒ مشہور تابعی ہے انہوں نے کئی صحابہ سے استعفادہ کیا ۹۴ھ میں حجاج بن یوسف نے ان کو شہید کیا۔

۳۔ حضرت عکرمہؒ یہ مولیٰ ابن عباسؓ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بربری غلام تھے انہیں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حصین بن ابی الحر العنبری نے بطور ہدیہ پیش کیا تھا، حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس کے علاوہ حضرت علی حضرت حسنؓ، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ھریرہؓ اور دیگر صحابہ سے تفسیری روایات نقل کی ہیں۔

۴۔ حضرت طاؤسؒ ان کا پورا نام ابو عبد الرحمٰن طاؤس بن کسیان الحمیری الجندی ہے یہ یمن کے شہر جند کے باشندے تھے، یہ بھی غلام تھے۔ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور متعدد صحابہ کرام سے علوم حاصل کئے ۱۰۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

۵۔ حضرت عطاء بن ابی رباح یہ ابن خیثم القریشی کے آزاد کردہ غلام تھے ان کا پورا نام ابو محمد عطا بن ابی رباح المکی القریشی ہے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دور میں ولادت ہوئی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت عبد اللہ بن زبیر حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہؓ سے علم حاصل کیا ہے، ان کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی۔

۶۔ حضرت سعید ابن المسیب ان کا پورا نام سعید بن المسیب بن حزن القرشی المخزومی ہے یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے انہی سے اکثر روایات بیان کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں لیکن یہ سب اقوال ۹۱ھ سے ۱۰۵ھ کے درمیان ہیں۔

۷۔ محمد بن سیرین آپ کا پورا نام ابو بکر محمد بن سیرینؒ ہے آپ کے والد سیرین حضرت انسؓ کے آزاد کردہ غلام تھے اور آپ کی والدہ صفیہؒ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آزاد کردہ کنیز تھیں سیرین کی چھ اولاد تھی جن میں محمد بن سیرین سب سے زیادہ فائق تھے۔ آپ کی وفات بصرہ میں ۹ شوال ۱۱۰ھ کو ہوئی۔

۸۔ حضرت زید بن اسلمؒ ان کا پورا نام ابو عبد اللہ زید بن اسلم العمری ہے، یہ مدینہ طیبہ کے باشندے اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عائشہؓ وغیرہ سے روایات نقل کی ہیں یہ تفسیر کے بڑے عالم تھے اور متفقہ طور پر ثقہ ہیں مسجد نبوی ﷺ میں ان کا حلق درس ہوتا تھا۔

۹۔ ابو العالیہؒ ان کا پورا نام ابو العالیہ رفیع بن مہران الریاحی ہے، یہ بصرہ کے باشندے ہیں زمانہ جاہلیت میں پیدا ہو چکے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو سال بعد مسلمان ہوئے، حضرت ابو بکرؓ سے ملاقات کی ہے اور صحابہ میں سے حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں حضرت ابولعالیہ قرآن کریم کے بہترین قاری تھے آپ کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔

۱۰۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ آپ حضرت زبیر بن عوامؓ کے صاحبزادے اور حضرت عائشہ کے سگے بھانجے ہیں مدینہ منورہ کے مشہور فقہاء سبعہ میں یہ بھی شامل ہیں۔ انہوں نے اکثر روایات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیں۔ صاحب تہذیب الاسماء لکھتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایات میں انہیں سب سے زیادہ ثقہ قرار دیا گیا اور ان کی جلالت قدر، علم وفضل اور ثقہ ہونے پر اجماع ہے (13) حضرت عروہ اکثر روزہ دار ہوتے اور روزہ کی حالت میں ۹۴ھ میں وفات پائی۔

۱۱۔ حضرت قتادہؒ آپ کا پورا نام ابو الخطاب قتادہ بن دعامہ السدوسی البصری ہے آپ مادر زاد نابینا تھے آپ کا قوتِ حافظہ بہت مضبوط تھا خود فرماتے ہیں " اور میرے کانوں نے کوئی ایسی بات نہیں سنی جسے میرے دل نے یاد نہ کر لیا ہو۔" اور یہ بھی فرمایا کہ " قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں میں نے کچھ نہ کچھ سن نہ رکھی ہو" امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ "قتادہؒ" تفسیر کے زیادہ بڑے عالم ہیں آپ کا انتقال ۱۱۸ھ میں شہر واسط میں ہوا۔ (14)

۱۲۔ حضرت علقمہ آپ کا پورا نام ابو شبل علقمہ بن قیس بن عبد اللہ النخعی ہے، آپ کوفہ کے رہنے والے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں پیدا ہو چکے تھے۔ آپ نے بہت سے صحابہؓ سے روایات نقل کیں ہیں مگر آپ حضرت ابن مسعودؓ کے خاص شاگرد تھے یہاں تک کہ صورت و سیرت میں بھی ان کے مشابہ تھے آپ خوش الحان قاری تھے، حضرت ابن مسعودؓ آپ کو بلا کر آپ سے قرآن کریم سنا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے ایک رات میں پورا قرآن کریم ختم کر لیا، باتفاق ثقہ ہیں۔ (15)

مذکورہ اوراق میں ہم نے چند صحابہ کرام اور چند تابعین کا ذکر کیا جو تفسیر اور تفسیری علوم میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے ورنہ یہ امت ایسے ہزاروں رجال سے مالا مال ہے جنہوں نے اپنی زندگی اور سرمایۂ حیات قرآن کریم اور علوم قرآن کے لئے وقف کردی اور ہر دور میں وقت کے تقاضوں کے مطابق افارد امت کو قرآن کریم اور اس کے معانی، مفاہیم، اسرارو رموز لوگوں کو بتائے سکھائے اور عمل کی راہیں ہموار کیں۔ لیکن ایک طرف علماء ربانین، رجال اللہ لوگوں کو قرآن کریم کی صحیح اور واضح تعلیمات بتاتے رہے تو دوسری طرف صحابہ اور تابعین کے مامون دور کے بعد جب فتنوں کا دور، دورہ ہوا تو کچھ لوگ خود کو مفسر، مدبر باور کرا کر سادہ لوح عوام کو قرآن فہمی کے عنوان سے گمراہی کے دلدل میں لے جا گرے قرآن کریم کے معانی و مفاہیم کو اپنے تئیں حل کرنے کی کوشش کرنے لگے جس کے نتیجہ میں اندھیریوں کے دہانے پر پہنچے اور آیت "یضل به کثیر ا ویهدی به کثیر" اسی طرح حدیث "ضلو افا ضلو" کے مظہر و مصداق ہوئے تاریخ کی کتب میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جو شخص قرآن کریم کی تفسیر و تفہیم کے لئے قدم اٹھائے وہ ان قواعد و اصول کے دائرے میں رہ کر اپنی فکری پرواز کا آغاز جو قواعد و اصول اسے گمراہ اور کج روی سے بچائے۔

تفسیر قرآن کریم کے لئے ضروری ہے کہ مفسر تفسیر کرتے ہوئے انہی ماخذ کی طرف رجوع کرے جو ماخذ مستند و معتبر ہوں، علوم قرآن پر مشتمل کتابوں میں اکثر مذکور ہیں جو قارئین کے فائدے کے پیش نظر درج کئے جاتے ہیں۔

ا۔ قرآن کریم:

قرآن کریم کی کسی بھی آیت کی تفسیر کرنے سے پہلے یہ امر دیکھنا ضروری ہے کہ کیا اس آیت کی تفسیر خود قرآن میں کسی دوسرے مقام پر موجود ہے یا نہیں چنانچہ اس سلسلے میں مفتی شفیع صاحبؒ نے اپنی مایہ ناز تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ:

"علم تفسیر کا پہلا ماٰخذ خود قرآن کریم ہے چنانچہ بہ کثرت ہوتا ہے کہ کسی آیت میں کوئی بات مجمل اور تشریح طلب ہوتی ہے تو خود قرآن کریم ہی کی کوئی دوسری آیت اس کے مفہوم کو واضح کر دیتی ہے مثلاً سورہ فاتحہ کی دعاء میں یہ

جملہ موجود ہے کہ "**صراط الذین انعمت علیھم**" یعنی ہمیں ان لوگوں کے راستہ کی ہدایت کیجئے جن پر آپ کا انعام ہوا۔ اب یہاں یہ بات واضح نہیں ہے کہ وہ لوگ کون ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا لیکن ایک دوسری آیت میں ان کو واضح طور سے متعین کر دیا گیا چنانچہ ارشاد ہے "**فاولٰک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین**" (۱۴۔۱۹)

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالح لوگ" چنانچہ مفسرین کرام جب کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر خود قرآن کریم میں کسی اور جگہ موجود ہے یا نہیں؟ اگر موجود ہوتی تو سب سے پہلے اسی کو اختیار کرتے ہیں۔(16)

۲: حدیث:

قرآن کریم کا دوسرا بڑا ماخذ حدیث ہے قرآن کریم کی بہت سی آیتوں کی تفسیر و تشریح خود آنحضرت و نے بیان فرمائی آپ ﷺ نے خود ان آیات کے مطالب بیان فرما کر متعین کیے ہیں۔ حضرت مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں۔

" مفسرین کرام نے قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ زور حدیث پر دیا اور احادیث کی روشنی میں کتاب اللہ کے معنی متعین کئے ہیں البتہ چونکہ حدیث میں صحیح ،ضعیف اور موضوع ہر طرح کی روایات موجود ہیں اسلئے محقق مفسرین اس وقت تک کسی روایت کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے جب تک وہ تنقید روایات کے اصولوں پر پوری نہ اترتی ہو لہذا جو روایت جہاں نظر آجائے اسے دیکھ کر قرآن کریم کوئی تفسیر متعین کر لینا درست نہیں۔۔۔

آگے مفتی صاحب لکھتے ہیں:

در حقیقت یہ معاملہ بڑا نازک ہے اور اس میں قدم رکھنا انہی لوگوں کا کام ہے جنہوں نے اپنی عمریں ان علوم کو حاصل کرنے میں خرچ کی ہیں۔(17)

۳۔اقوال صحابہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین نے قرآن کریم کی تعلیم و احکامات براہ راست محمد ﷺ سے سیکھے تھے اور انہوں نے قرآن کریم کے نزول کے وقت ہر آیت کے نازل ہونے کی وجوہات پس منظر اور اسکے ماحول کا خود مشاہدہ کیا اور حضور ﷺ سے سنا تھالہذا کسی بھی آیت کی تفسیر و تشریح جو صحابہ سے منقول ہو اسے غیر صحابی کی تشریح و تفسیر پر ترجیح حاصل ہو گی حضرت مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:

"لہذا جن آیتوں کی تفسیر قرآن یا حدیث سے معلوم نہیں ہوتی ان میں سب سے زیادہ اہمیت صحابہ کرامؓ کے اقوال کو حاصل ہے چنانچہ اگر کسی آیت کی تفسیر پر صحابہ کا اتفاق ہو تو مفسرین کرام اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے خلاف کوئی اور تفسیر بیان کرنا جائز نہیں ہاں! اگر کسی آیت کی تفسیر میں صحابہ کرامؓ کے اقوال مختلف ہوں تو بعد کے مفسرین دوسرے دلائل کی روشنی میں یہ دیکھتے ہیں کہ کون سی تفسیر کو ترجیح دی جائے؟اس معاملہ میں اہم اصول اور قواعد اصول فقہ اصول حدیث اور اصول تفسیر میں مدوّن ہیں۔"(18)

۴۔اقوال تابعین: قرآن کریم کی تفسیر میں تابعین کے اقوال بھی ایک حد تک اہمیت رکھتے ہیں چونکہ تابعین حضرات نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے تفسیر سیکھی۔اگرچہ اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ اقوال تابعین تفسیر قرآن میں حجت ہیں یا نہیں۔مگر ان حضرات کے اقوال کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

۵۔لغت عرب:

قرآن کریم خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے کوئی بھی شخص عربی زبان پر مکمل عبور حاصل کئے بغیر قرآن کریم کی تفسیر نہیں کر سکتا کیونکہ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں کی تفسیر آنحضرت سلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین سے منقول نہیں ہوتی اور نہ ہی ان آیات کا کوئی پس منظر شان نزول وغیرہ ہوتا تو ایسی آیات کی تفسیر کا ذریعہ

صرف لغت عرب ہی ہوتی ہے اور لغت کے ذریعہ ہی اس کی تشریح کی جاتی ہے۔اس کے علاوہ کسی آیت کی تفسیر میں اختلاف ہو تو اس کو رفع کرنے کے لئے بھی لغت سے مدد لی جاتی ہے۔

۶۔عقل سلیم:

تفسیر کا آخری ماخذ عقل سلیم ہے قرآن کریم علوم کا وہ بحر ہے کہ جس کا کنارہ نہیں ہے جو اہل علم علوم اسلامی میں جتنی زیادہ بصیرت رکھتا ہے اللہ اسے اتنا زیادہ اس کے اسرار و لطائف سے واقف کراتا ہے ۔ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں۔

" جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلامی علوم میں بصیرت عطاء فرمائی ہو وہ جتنا جتنا اس میں غور و فکر کرتا ہے اتنے ہی نئے نئے اسرار و نکات سامنے آتے ہیں چنانچہ مفسرین کرام اپنے اپنے تدبر کے نتائج بھی اپنی تفسیروں میں بیان کرتے ہیں لیکن یہ اسرار و نکات اسی وقت قابل قبول ہوتے ہیں جبکہ وہ مذکورہ بالا پانچ ماخذ سے متصادم نہ ہو لہذا اگر کوئی شخص قرآن کی تفسیر میں کوئی ایسا نکتہ یا اجتہاد بیان کرے جو قرآن و سنت اجماع، لغت اصحابہؓ و تابعین کے اقوال کے خلاف ہو یا کسی دوسرے شرعی اصول سے ٹکراتا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، بعض صوفیاء نے تفسیر میں اس قسم کے اسرار و نکات بیان کرنے شروع کر دیئے تھے، لیکن امت کے محقق علماء نے انھیں قابل اعتبار نہیں سمجھا، کیونکہ قرآن و سنت اور شریعت کے بنیادی اصولوں کے خلاف کسی کی شخصی رائے ظاہر ہے کہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔"(19)

مذکورہ بالا قواعد کا لحاظ ایک مفسر کے لئے نہایت ضروری ہے۔ تفسیر اور مفسر کی شرائط کو حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے اپنی قابل قدر تصنیف یتیمۃ البیان میں ذکر کیا جس کو اردو ترجمہ حضرت بنوریؒ کے صاحبزادہ مولانا سید سلیمان یوسف بنوری نے اصول تفسیر و علوم قرآن کے نام سے کیا ہے حضرت نے اس کتاب میں اس موضوع پر اکابر علماء کی کتابوں سے چند نہایت ہی اہم موتی چنے ہیں وہ فرماتے ہیں:

" امام سیوطی فرماتے ہیں کہ: اس بات میں علماء کرام کی دو آرائیں ہیں کہ آیا ہر شخص کے لئے قرآن کریم میں غور و فکر کر کے از خود تفسیر بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک جماعت تو کہتی ہے کہ کسی شخص کو قرآن کریم کی کسی آیت و جز

کی تفسیر کرنا روا نہیں، چاہیے وہ بڑا ادیب اور علوم شرعیہ، علم فقہ، علم نحو، علم اخبار وآثار میں خوب رسوخ رکھتا ہو۔ سوائے اس کے کہ وہ تفسیر بیان کرے جو نبی اکرم ﷺ سے مروی ہو۔ اور دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کرنا ہر اس شخص کے لئے جائز ہے جو ان پندرہ علوم میں کامل رسوخ رکھتا ہو جن کی مفسر کو احتیاج ہوا کرتی ہے وہ پندرہ علوم یہ ہیں۔

۱۔ علم لغت ۲۔ علم نحو ۳۔ علم صرف ۴۔ علم اشتقاق ۵۔ علم معانی ۶۔ علم بیان ۷۔ علم بدیع ۸۔ علم قرأت ۹۔ علم فقہ ۱۰۔ علم قصص ۱۱۔ علم اصول فقہ ۱۲۔ علم اسباب نزول ۱۳۔ علم اصول دین (علم کلام) ۱۴۔ علم ناسخ ومنسوخ ۱۵۔ علم توضیح مجمل ومبہم

اور ان سب سے بڑھ کر وہبی علم جو اللہ رب العزت عاملین علماء کو الہام والقاء کے ذریعہ مرحمت فرماتے ہیں جس کی جانب حدیث نبوی ﷺ میں اشارہ بھی وارد ہوا ہے کہ

"من عمل بما علم یورثه الله علم مالم یعلم"

ترجمہ: جو شخص اپنے علم پر عمل کرے، اللہ تعالیٰ ان چیزوں کا علم اسے مرحمت فرمادیں گے جن کو وہ نہیں جانتا۔

امام سیوطی نے ابن ابی الدنیا سے نقل فرمایا ہے کہ مندرجہ بالا پندرہ علوم مفسر کے لئے تفسیر میں ہتھیار کی مانند ہیں۔ اور ان کو حاصل کئے بغیر کوئی شخص مفسر بن نہیں سکتا۔ چنانچہ جو شخص ان علوم پر دسترس حاصل کئے بغیر تفسیر کرتا ہے وہ تفسیر بالرای کا ارتکاب کرنے والا ہوگا جس سے احادیث مبارکہ میں ممانعت آتی ہے۔(20)

ہر عہد کے علماء نے اپنے اپنے دور میں قرآن کریم کی کئی اعتبار سے خدمات انجام دیں جیسا کہ ہم نے گذشتہ اوراق میں لکھا ہمارے عہد میں ایک نامور بزرگ محدث العصر حضرت مولانا یوسف لدھیانوی بھی اپنی حیات مبارکہ میں قرآن کی خدمات انجام دیتے رہے اور اپنی صلاحیتیں اسی کی نشر واشاعت تعلیم وتبلیغ میں صرف کیں۔ ہم یہاں حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی قرآن سے وابستگی اور خدمات ذکر کریں گے۔

قرآن کریم اور مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ

مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو قرآن کریم سے خصوصی شغف تھا۔ حضرت لدھیانوی کا تلاوت قرآن کا روزانہ معمول تھا خود بھی خوب تلاوت فرماتے اور اپنے مریدین و متعلقین کو بھی تلقین فرماتے چنانچہ آپ کے قرآن کریم سے دلچسپی کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صلاح الدین ثانی فرماتے ہیں:۔

" آپ اکثر تلاوت قرآن فرماتے تھے اور مریدین کو بھی کثرت تلاوت کی تلقین کرتے تھے اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ جب بھی قرآن کریم کے حوالے سے کوئی تقریب ہوتی اس میں حاضری کو سعادت جانتے اور شریک ہوتے اور مکاتب قرآنیہ کی حوصلہ افزائی فرماتے یہی وجہ ہے کہ اقراء کے ہزاروں مکاتب قرآنیہ آپ کی سرپرستی میں چل رہے ہیں آپ نے ایک وعظ میں فرمایا کہ میں اپنے بیٹے کا قرآن مجید سنتے سنتے حافظ ہوا ہوں۔ اور الحمد اللہ کئی بار تراویح میں سنایا بھی ہے فرمایا میری اولادو، نواسوں اور پوتوں میں سے اکثر حافظ ہیں سامعین سے فرمایا آپ لوگوں کو چاہیے کہ اپنے کم از کم ایک بچے کو حافظ بنائیں تا کہ نجات کا ذریعہ بن جائے۔(21)

گھر کے افراد انسان کی زندگی کے روز و شب سے بہت زیادہ واقف ہوتے ہیں بہ نسبت باہر کے افراد کے کیونکہ وہ ہر وقت ساتھ رہتے ہیں چنانچہ آپ کے صاحبزادہ مولانا محمد یحیٰ لدھیانوی شہید آپ کی تلاوت کا معمول نقل کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

" ذکر سے فراغت کے کچھ دیر بعد اذان فجر ہو جاتی حضرت فوراً سنتوں سے فارغ ہو کر مسجد تشریف لے جاتے اور نماز فجر تک قرآن کریم کی تلاوت فرماتے۔"

قرآن کریم کی تلاوت کی اپنی گوناگو مصروفیات کے باوجود اتنا زیادہ اہتمام فرماتے کہ جب تک معمول پورانہ ہو جاتا بے چین رہتے۔ فالج سے پہلے تک روزانہ ایک منزل پڑھنے کا معمول تھا اور ساتویں دن قرآن ختم فرماتے، البتہ فالج کے بعد روزانہ تین پاروں کا معمول اخیر تک رہا فرمایا کرتے تھے۔

"قرآن کریم کی تلاوت سے اللہ تعالیٰ کا جتنا قرب حاصل ہوتا ہے کسی اور ذکر سے نہیں۔ کیونکہ قراان کریم کے ایک ایک حرف کی تلاوت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور حضرجبرائیل علیہ السلام سے سنا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے۔ لہذا تمام اذکار میں سب سے عالی ذکر تلاوت قرآن کریم ہے اپنی نسبت عالی کی وجہ سے۔"(22)

حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کا رمضان شریف کی آمد پر تو قرآن سے شغف مزید بڑھ جاتا اورآپ تلاوت کی مقدار بھی بڑھاتے رات کو تراویح کے علاوہ مزید نفلوں میں قرآن کریم سنا کرتے تھے چنانچہ ڈاکٹر صلاح الدین لکھتے ہیں:

"رمضان میں قرآن کے شغف کا یہ عالم تھا کہ اپنی مسجد میں آخری عمر تک کھڑے ہو کر تراویح پڑھتے، تراویح کے بعد اپنے صاحبزادے مولوی محمد یحیٰ سے نوافل میں تین پارے سنتے تھے پھر رات گئے دوسرے قاری صاحب سے قرآن سنتے تھے۔(23)

حضرت موصوف رحمہ اللہ نے بچپن میں حفظ نہیں کیا تھا بس ناظرہ قرآن کی تکمیل کے بعد علوم دینیہ کے حصول میں لگ گئے تھے آپؒ نے بعد میں اپنے والد صاحب کی خواہش پر حفظ کیا تھا چنانچہ اپنے حفظ کی وجہ خود حضرت موصوف اپنے ایک مقالہ میں بیان فرماتے ہیں

"ہماری بستی میں کوئی حافظ نہیں تھا۔ رمضان المبارک میں تروایح کے لئے حافظ کی تلاش میں ہمیشہ پریشانی ہوتی ،بڑی حسرت کے ساتھ (والد صاحب) اس ناکارہ کو فرماتے کہ تو خود ہی قرآن کیوں حفظ نہیں کر لیتا۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والد مرحوم کی تمنا پوری فرمادی ان کی ترغیب و تحریص اور دعاو برکت سے اس روسیاہ کو بھی کچاپکا یاد ہو گیا، پھر رمضان المبارک میں اس ناکارہ نے ہمیشہ خود ہی سنانے کا التزام کیا۔"(24)

حضرت لدھیانوی کی بھرپور تمنا تھی کہ قرآنی تعلیم عام ہو اس کے لئے حضرت ہر تعب برداشت کرتے ہوئے کراچی سمیت پورے پاکستان میں مکاتب و مدارس قرآنیہ قائم کرنے کی فکر فرماتے اور اسکے لئے جگہ جگہ سفر فرماتے اور اقراء

روضۃ الاطفال (قرآنی مکاتب) کے نظم کی آپ ہی سرپرستی فرماتے تھے دور دراز اور دشوار گذار سفر سے کبھی نہ گھبراتے حضرت کی ایک سفر کی روئیداد لکھتے ہوئے مولانا قاری شبیر احمد لکھتے ہیں:۔

"جب گلگت میں اقراء کی شاخوں کا قیام عمل میں آیا تو دعا کے لئے حضرت بھی گلگت تشریف لے گئے اقراء کی ایک شاخ گلگت کے انتہائی سرے یٰسین میں بھی قائم ہوئی جس کے افتتاح کے لئے حضرت کو یٰسین بھی جانا تھا جن حضرات نے اس راہ پر سفر کیا وہ راہ کی دشواریوں سے خوب واقف ہیں میری ذاتی خواہش تو یہی تھی کہ حضرت کو گلگت سے آگے سفر کی زحمت نہ دی جائے لیکن حضرت کے ذوق شوق اور رغبت کو مد نظر دیکھتے ہوئے مفتی جمیل خان صاحب نے وہاں کا سفر ترتیب دے لیا۔ گلگت سے یٰسین کا دوطرفہ سفر آج بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے تنگ اور ناہموار راستوں پر ہچکولے لیتی ہوئی جیپ! ایک جانب بلند و بالا پہاڑ جن سے بعض اوقات مٹی کے تودے یا پتھریلے ٹکڑے اچانک سڑک پر آجاتے تو دوسری جانب دریائے گلگت پوری قوت کے ساتھ رواں دواں۔ اگر سامنے سے گاڑی آجائے تو بمشکل کراسنگ ہو۔ بعض مقامات پر دو گاڑیاں تو در کنار ایک گاڑی کا گذر بھی بظاہر ناممکن ہوتا پھر کئی گھنٹوں کا مسلسل سفر لیکن حضرت کے چہرہ پر دلفریب مسکراہٹ اور گاہے بہ گاہے زبان سے باآواز بلند شکر و حمد کے کلمات کا صدور! ہم خستہ حالوں کے حوصلے بھی بلند ہو جاتے تھے حضرت کے فرحت و سکون سے معمور چہرے کو دیکھ کر ہم بھی پر سکون ہو جاتے تھے۔۔" (25)

اسی دشوار گذار سفر کی مزید تفصیل قاضی نثار احمد صاحب نے بیان فرمائی لکھتے ہیں:

"یکم ستمبر ۱۹۹۹ کو حضرت اقدسؒ کے گلگت کا پروگرام بنایا گیا، گلگت شیر قلعہ، دائن اور یاسین کے اقراء روضۃ الاطفال کی شاخوں کا افتتاح حضرت اقدسؒ کے ہاتھوں ہونا طے ہوا۔ گلگت روافض اور آغاخانی سازشوں کی زد مین ہونے کے علاوہ سلوک و تصوف سے بالکل خالی خطہ تھا اس لئے حضرت اقدس کی آمد پر مسلمانوں میں عید کا ساسماں نظر آنے لگا یہاں کے فرشتوں اور جنات نے بھی جشن منایا ہو گا ایئر پورٹ پر سینکڑوں عوام اور علماء حاضر ہوئے گاڑیوں کی طویل قطاریں حضرت نے "اقراء روضۃ الاطفال شاخ سیدنا عباسؓ" میں مختصر قیام فرمایا، حاضرین کو دعا دے کر رخصت

فرمایا، حضرت اقدس کے آرام کے بعد گلگت سے دائیں جانب تقریباً بیس میل کے پہاڑی سفر پر ایک بہت خوبصورت اور حسین وادی نلتر کا پروگرام طے ہوا جس کا تقریباً ڈھائی گھنٹے کا فاصلہ بنتا ہے وہاں حضرتؒ نے ایک مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنا تھا روڈ کچا، دشوار گزار اور پہاڑی تھا حضرت اقدس سے پہلے ہی تفصیل عرض کر دی گئی تھی مگر حضرت اقدس تیار ہو گئے فوراً ہی نلتر روانگی ہوئی پہاڑی اور مشکل سفر کے علاوہ درمیانی نومل کا علاقہ جس میں سو فیصد روافض رہتے ہیں مخدوش بھی سمجھا جاتا تھا مگر حضرت اقدسؒ نے کوئی پرواہ نہیں فرمائی، راستے میں اونچے پہاڑ نالوں، آبشاروں اور قدرتی مناظر کو دیکھ کر حضرت اقدس نے نہایت ہی مسرت کا اظہار فرمایا۔ نلتر کا موسم نہایت خوشگوار ہر طرف سدا بہار درخت، مقامی احباب کی نہایت محبت اور خلوص سے حضرت بہت ہوئے۔ گاڑی سے اترتے ہی بارش کی خوبصورت رم جھم سے موسم خوشگوار ہو گیا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے قدرت حق کی جانب سے حضرت اقدس کا استقبال ہو رہا ہے حضرت اقدس بوندا باندی اور علاقے کے دلکش مناظر سے خوب محفوظ ہوئے اور فرمایا میرے مولا تیری کیا شان ہے ان پہاڑوں میں بھی تو کیا کیا دکھلاتا اور کھلاتا ہے نماز ظہر کے بعد حضرت اقدس نے برلب نالہ جو اپنے اندر آسمانی رنگ لئے بہہ رہا تھا، مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا دعا فرمائی، مدرسہ کا نام مدرسہ سیدنا بلالؓ تجویز فرمایا حضرت نے حسب معمول نہایت ایمان افروز بیان فرمایا لوگوں پر رقت طاری ہو گئی اور چیخیں نکل گئی ۔۔۔ اسی دن سہ پہر کو گلگت واپسی کا پروگرام تھا رات کو جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت کے مہتمم برادرم مولانا نذیر اللہ صاحب مدظلہ کی دعوت تھی جس کے لئے موصوف نے تاکید فرمائی تھی دوسری جانب مقامی حضرات کا بے حد اصرار تھا کہ رات یہاں گزاریں، حضرت اقدس نے فرمایا ڈنڈے والے پیر کی دعوت ہے ہمیں ضرور جانا ہے۔'' جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت میں نماز مغرب کے بعد اساتذہ اور طلباء سے خطاب فرمایا، پند و نصائح کے بعد آخر میں طلباء اور اساتذہ کو بیعت فرمایا دوسرے روز بدھ کے دن صبح آٹھ بجے اقراء روضۃ الاطفال شاخ سیدنا عباسؓ کی افتتاحی تقریب میں بیان اور دعا فرمائی۔(26)

حضرت موصوف شہیدؒ کی دلی تمنا تھی کہ پوری امت کا تعلق قرآن سے مضبوط ہو جائے اس کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے یہی وجہ ہے کہ حضرت اپنے بیان و ارشاد، تصنیف و تالیف کے ذریعہ امت کو قرآن سے وابستہ ہونے کی دعوت دیتے۔ اس کے لئے جگہ جگہ مکاتب خواہ بچوں کے لئے ہوں یا بچیوں کے لئے قائم فرماتے اور ذمہ دار حضرات کی خوب

حوصلہ افزائی فرماتے ایک موقع پر حضرت نے اپنے گاؤں میں بیان فرمایا جس میں بچیوں کے قرآنی مدرسے کی بنیاد رکھ کر سامعین کو بچیوں کو حافظہ بنانے کی ترغیب دی چنانچہ حافظ عبد الرحمن لکھتے ہیں:۔

"اس موقع پر حضرت اقدسؒ نے جلسہ کے اختتامی بیان میں مدرسہ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا میرے والد ماجد نے بچوں کا مدرسہ قائم فرمایا مجھ ناکارہ نے اپنے والد ماجد کے گلشن میں ایک اور پودا لگا کر بچیوں کا مدرسہ قائم کیا جو کہ میرے والد ماجد کی یاد میں قائم کیا گیا ہے جس کی افتتاحی تقریب میں ہم سب شریک ہیں، میری تمام علاقے والوں سے گذارش ہے کہ اپنی بچیوں کو حفظ وناظرہ اور دینی تعلیم کے لئے بھیجیں، میری دلی خواہش ہے کہ ہر گاؤں میں ہر گھر سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز آئے یہ بہت بڑی تجارت ہے۔ حضرت اقدس شہیدؒ نے فرمایا جس طرح میرے خاندان میں پچیس حفاظ ہیں اگر بچیوں کا مدرسہ پہلے قائم کر دیا جاتا تو آج میرے خاندان اور گاؤں میں (حافظہ) بچیوں کی تعداد شاید اس سے بھی زیادہ ہوتی آج مجھے احساس ہو رہا ہے کہ مجھے یہ کام بہت پہلے کرنا چاہیے تھا الحمد اللہ اس وقت میرے اس چھوٹے سے گاؤں میں (۱۸۰اسی) کے قریب حفاظ کرام اور (سترہ۱۷) کے قریب علماء کرام موجود ہے جن میں سے ایک یہ ناکارہ بھی ہے۔ یہ میرے والد ماجد کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

حدیث میں تدریسی خدمات

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نے جہاں قرآن کریم کی ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں وہیں علم حدیث کے میدان میں بھی کئی اعتبار سے حضرت اقدسؒ فائق رہے ہیں۔ اگرچہ حدیث اور علم حدیث ایک انتہائی کھٹن اور نازک علم ہے جس میں قدم رکھنا ہر ایک کی بس کی بات نہیں، مگر حضرت اقدس لدھیانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح دوسری صفات میں یکتاروز گار بنایا تھا اسی طرح علم حدیث میں بھی حضرت کو ید طولی حاصل تھا اس سے پہلے کہ ہم مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی حدیث میں تدریسی خدمات بیان کریں پہلے حدیث اور علم حدیث سے متعلق کچھ ضروری باتیں جاننا مقصود ہیں

حدیث کے لغوی معنی:۔

لغت عرب کے امام علامہ جوھریؒ نے صحاح میں حدیث کے معنی اس طرح بیان کیے ہیں:

الحدیث الکلام قلیله و کثیره و جمعه احادیث

اس کا حاصل یہ ھیکہ حدیث ہر قسم کے کلام کو کہا جاتا ہے

مطلق علم حدیث کی تعریف:

علامہ کرمانیؒ اور علامہ حسینیؒ نے اسکی تعریف یوں کی ہے:

هو علم یعرف به اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم و افعاله و احواله

علم روایۃ الحدیث کی تعریف:

هو علم یشتمل علی نقل افعال رسو اللہ: رسول ﷺ و اقواله و صفاته و تقریراته

ان دونوں تعریفوں میں فرق ہوں ہو گا کہ مطلق علم حدیث کی تعریف اپنے الفاظ مذکورہ کے اعتبار سے چاروں اقسام کو شامل ہو گی جبکہ علم روایت الحدیث کی تعریف صرف نقل افعال و اقوال اور نقل صفات و تقاریر کو شامل ہو گی اس طرح علم روایۃ الحدیث کی تعریف میں وہ عموم نہ ہو گا جو مطلق علم حدیث کی تعریف میں ہے۔

علم درایۃ الحدیث کی تعریف:

هو علم یشتمل علی شرح اقوال رسول ﷺ و افعاله و صفاته و یذکر فیه معانی الفاظه و یشرح فیه تلک الالفاظ و یعلم به طرق استنباط الاحکام و یعرف به ترجیح الرجح منها و لتطبیق الاحادیث

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی اس میں شرح کی جائے اور حدیث کے الفاظ کے معانی بیان کیئے جائیں اور احادیث سے احکام فقہیہ کے اخذ اور استنباط کے طریقوں پر روشنی ڈالی جائے اور راجح کی ترجیح بیان کی جائے اور حدیث کے تعارض کو رفع کیا جائے۔

علم اصول حدیث کی تعریف:۔

علامہ سیوطیؒ نے اپنے ایک رسالہ "الفیہ" میں علم حدیث کی تعریف یوں بیان کی ہے:

علم الحدیث ھو قوانین یعرف بھا احوال متن و سند

یعنی علم حدیث میں ایسے قوانین ہوتے ہیں جن سے متن وسند کے احوال معلوم ہوں۔

علامہ سیوطیؒ نے اسے علم حدیث کی تعریف قرار دیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ مذکورہ تعریف "علم اصول حدیث" کی ہے۔

حدیث کے اصطلاحی معنی:۔

اصولین کے نزدیک حدیث کی تعریف یہ ہے

اقوال رسول ﷺ و افعالہ

جبکہ محدثین کے نزدیک یہ تعریف ہے

اقوال رسول ﷺ و افعالہ و احوالہ

یہ تعریف احوال غیر اختیاریہ کو شامل ہے جبکہ پہلی تعریف احوال اختیاریہ کو شامل ہے۔

حضرات محدثین کے یہاں ایک بحث یہ بھی کی گئی ہے کہ حدیث، اثر اور خبر یہ الفاظ مترادفہ ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دھلویؒ نے حدیث اور اثر کو مترادف قرار دیا ہے۔ حدیث اور خبر کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ

یہ دونوں مترادف ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ حدیث کا اطلاق رسول ﷺ کے اقوال وافعال وغیرہ پر ہوتا ہے اور خبر عام ہے احادیث نبوی ﷺ اور اخبار سلاطین وملوک دونوں پر اسکا اطلاق کیا جاتا ہے۔

تدوین حدیث

منکرین حدیث یہ کہا کرتے ہیں کہ احادیث تیسری صدی ہجری میں مدوّن کی گئی ہے اس لیئے یہ اعتماد نہیں ہے کہ وہ اصلی صورت پر باقی رہتی ہے لیکن یہ مغالطہ بالکل بے بنیاد ہے اس لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ حدیث کی حفاظت کا عہد رسالت سے لے کر اب تک کیا اہتمام ہوا۔ حفاظت حدیث کا راستہ صرف کتابت ہی نہیں بلکہ دوسرے قابل اعتماد ذرائع بھی ہیں اور تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظت حدیث کے عہد رسالت اور عہد صحابہ میں تین طریقے استعمال کیئے گئے ہیں۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

حفظ روایت:

حفاظت حدیث کا پہلا طریقہ احادیث کو یاد کرنا ہے اور یہ طریقہ اس دور کے لحاظ سے انتہائی قابل اعتماد تھا اہل عرب کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظے عطا فرمائے تھے وہ صرف اپنے نہیں اپنے گھوڑوں کے بھی نسب نامے ازبریاد کر لیا کرتے تھے بسا اوقات کسی بات کو صرف ایک بار سنکر ازبریاد کر لیا کرتے تھے تاریخ میں اسکی بے شمار مثالیں ملتی ہیں ان میں ایک یہاں ذکر کی جاتی ہے حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب الا صابہ میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ مروان بن حکم حضرت ابو ھریرہؓ کے حافظے کا امتحان لینا چاہا اور انہیں بلا کر احادیث بیان کرنے کی درخواست کی حضرت ابو ہریرہؓ نے بہت سی احادیث سنائیں ایک کاتب ان کو لکھتا رہا عبد الملک نے اگلے سال انھیں پھر بلوایا اور ان سے کہا کہ جو احادیث آپ نے پچھلے سال انھیں لکھوائی تھیں وہی احادیث اسی ترتیب کے ساتھ سنایئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے احادیث سنانی شروع کی کاتب اپنی کتاب سے ان کا مقابلہ کرتا رہا کسی ایک جگہ ایک حروف ایک نقطہ شوشہ کی بھی تبدیلی نہیں آئی۔

تعامل:

حفاظت حدیث کا دوسرا طریقہ جو صحابہ رضی اللہ عنھم نے اختیار کیا تھا یعنی وہ آپ علیہ السلام کے اقوال وافعال پر بجنسہا عمل کر کے اسے یاد کرتے تھے بہت سے صحابہ سے منقول ہے کہ انھوں نے کوئی عمل کیا اور اس کے بعد فرمایا **ھکذا رئیتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل** ۔ اس لئے کہ جس بات پر انسان خود عمل کرے گا وہ ذھن میں کالنقش علی الحجر ہوتی ہے۔

کتابت:

احادیث کی حفاظت کتابت کے ذریعے بھی کی گئی ہے منکرین حدیث عہد رسالت ﷺ میں کتابت حدیث کو تسلیم نہیں کرتے ہیں اور صحیح مسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو کہ ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے۔

لا تکتبو اعنی و من کتب عن غیر القرآن فلیمحه

خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا منع فرمانا ابتدائی دور میں تھا وجہ اسکی یہی تھی کہ قرآن کریم مکمل طور پر مدوّن نہیں ہوا تھا بلکہ متفرق طور پر صحابہ کے پاس لکھا ہوا تھا اور دوسری اہم بات یہ تھی کہ صحابہ اکرامؓ بھی ابھی تک اسلوب قرآن سے اتنے مانوس نہ تھے کہ وہ قرآن اور غیر قرآن میں اوّل نظر تمیز کر سکیں اور ان حالات میں اگر احادیث بھی لکھی جاتیں تو خطرہ تھا کہ قرآن کے ساتھ خلط ہو جائیں۔ مگر جب صحابہ اکرام قرآن کریم سے مکمل طور پر مانوس ہو گئے تو آپ علیہ السلام نے اجازت بھی دیدی۔ اسکے متعدد واقعات کتب حدیث میں منقول ہیں۔ مستدرک حاکم میں حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

قیدو العلم قلت و ماتقیده؟قال کتابته۔۔۔

اس قسم کی احادیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ کتابت حدیث کی ممانعت کسی امر عارض کی بناء پر تھی جب وہ عارض مرتفع ہو گیا تو اس کی کتابت کا حکم دے دیا گیا۔

قرآن کریم سے الگ احادیث لکھنے کا رواج ہر دور میں جاری رہا چنانچہ عہد صحابہؓ میں حدیث کے کئی مجموعے جو ذاتی نوعیت کے تھے تیار ہو چکے تھے اسکی بہت ساری مثالیں کتابوں میں ذکر کی گئی ہیں ان میں چند مثالیں ذکر کی جا رہی ہیں۔

الصحیفة الصادقة:

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ نے احادیث کا جو مجموعہ تیار کیا تھا اسکا نام الصحیفۃ الصادقہ رکھا یہ عھد صحابہؓ کے حدیثی مجموعوں میں سب سے زیادہ ضخیم صحیفہ تھا اسکی احادیث کی کل تعداد یقینی طور سے معلوم نہیں ہو سکی۔

صحیفہ علی رضی اللہ عنہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے

ما کتبنا عن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الا القرآن و ما فی ھذہ الصحیفة

حضرت علیؓ کا صحیفہ ان کی تلوار کی نیام میں رہتا تھا اس میں دیات، اور معاقل فدیہ قصاص احکام اہل نصاب زکوۃ اور مدینہ طیبہ کے حرم ہونے سے متعلق ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم درج تھے

کتاب الصدقة:

یہ ان احادیث کا مجموعہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود املاء کرائے تھے اس میں زکوۃ وصدقات اور عشر وغیرہ کے احکام تھے۔

صحیفہ سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ:

حافظ ابن حجرؒ نے تھذیب التھذیب میں نقل کیا ہے کہ سلیمان بن سمرہؓ نے اپنے والد سمرہ بن جندب سے ایک بڑا نسخہ روایت کیا ہے۔

صحیفۃ سعد بن عبادۃ:

امام ابن سعد احمد اللہ نے طبقات میں نقل کیا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے ایک صحیفہ مرتب کیا تھا جس میں احادیث جمع کی تھیں

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا زمانہ (پہلی صدی)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے تک کتابت حدیث اپنے پہلے مرحلوں میں تھی۔ لیکن اب وہ وقت آچکا تھا کہ احادیث کی باقاعدہ تدوین ہو کیونکہ قرآن کریم کے ساتھ اختلاط واتباس کا اندیشہ نہ تھا حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنی پوری قلمرو میں بڑے پیمانے پر تدوین حدیث کا کام شروع کیا تھا چنانچہ آپ کے حکم کے ماتحت پہلی صدی ہجر کے آخر میں مندرجہ ذیل کتب حدیث وجود میں آچکی تھی۔

۱۔ کتب ابی بکرؒ (قاضی ابو بکرؒ نے کئی حدیث کی کتابیں لکھی ان میں سے ایک یہ ہے)

۲۔ رسالہ سالم بن عبد اللہ فی الصدقات (یہ رسالہ عمر بن عبد العزیز کی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔)

۳۔ دفاتر الزہریؒ (علامہ ابن عبد البر نے امام زہری کے قول کے مطابق فرمایا کہ عمر بن عبد العزیز کے حکم پر کئی دفتر لکھے ان میں سے ایک یہ ہے)

۴۔ کتاب السنن بمکحول (یہ کتاب امام ابن مکحولؒ نے تحریر فرمائی تھی)

۵۔ ابواب الشعبی (یہ حضرت عامر بن شراجیلؒ کی تالیف ہے)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی وفات ۱۰۱ھ میں ہوئی لہذا یہ سب کتابیں اس سے پہلے لکھی جاچکی تھیں۔

دوسری صدی ھجری:

یہ مبّوب کتب حدیث کی محض ابتداء تھی دوسری صدی ھجری میں تدوین حدیث کا کام اور بھی زیادہ قوت کے ساتھ شروع ہوا۔ اس دور میں جو کتب حدیث لکھی گئیں ان کی تعداد بیس سے بھی زیادہ ہے جن میں سے چند مشہور کتابیں یہ ہیں

ا۔ کتاب الآثار لابی حنیفہ:۔

اس کتاب میں پہلی بار احادیث کو فقھی ترتیب پر مرتب کیا گیا علم حدیث میں اس کا پایہ بہت بلند ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے چالیس ہزار احادیث میں سے اسکا انتخاب فرمایا ہے رکرہ الموفق فی مناقب الامام ابی حنیفہ اس کتاب کے کئی نسخے ہیں بروایت امام محمدؒ بروایت امام ابو سفؒ، بروایت امام زمرؒ اور یہ کتاب موطا امام مالک سے زمانا مقدم ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ امام مالک نے امام صاحب کی تالیفات سے استفادہ حاصل کیا ہے اس لئے یہ کتاب اپنی طرز تدوین میں موٴطا امام مالکؒ کی اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

۲۔ الموٴطا امام مالک رحمہ اللہ:۔

اس کتاب کو اپنے زمانے میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا تھا اس کے بعد یہ لقب صحیح بخاری کو ملا اس لئے اس میں موٴطا کی تقریباً تمام احادیث دوسری احادیث کے ساتھ موجود ہیں

۳۔ جامع معمر بن راشدؒ:۔

یہ بھی امام مالک رحمہ اللہ کے ہمعصر ہیں اور اپنے دور میں ان کی کتاب بہت مقبول ہوئی مگر آج کل نایاب ہے

۴۔ جامع سفیان ثوری رحمہ اللہ

۵۔ السنن ابن جریج رحمہ اللہ

۶۔ السنن لوکیع بن الجراح رحمہ اللہ

۷۔ کتاب الزھد عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ

تیسری صدی ہجری میں تدوین حدیث:

اس صدی میں تدوین حدیث کا کام اپنے شباب کو پہنچ چکا تھا اسانید طویل ہو گئیں ایک ایک حدیث کئی طریقوں سے روایت کی گئی۔ اور علم کے پھیلاؤ کی وجہ سے فن حدیث پر لکھی ہوئی کتابیں نئی نئی ترتیب اور تبویب کے ساتھ وجود میں آنے لگیں اور کتب حدیث کی ۲۰ سے زیادہ قسمیں رہ گئیں اسماء الرجال کے علم نے باقاعدہ صورت اختیار کر لی۔ اور اس پر بھی متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ اسی دور میں صحاح ستہ کی تالیف ہوئی۔ جہاں تک صحاستہ کا تعلق ہے یہاں اسکے تعارف کی ضرورت نہیں۔

تدوین علم حدیث کے طبقات:۔

خلاصہ تدوین علم حدیث کے طبقات کو بیان کیا جاتا ہے۔ تدوین حدیث کو چند طبقات پر تقسیم کیا جاتا ہے

۱۔ پہلا طبقہ ابن شہاب زہری اور ابو بکر بن حزم کا ہے ان کا دور ۱۰۰ھ سے لیکر ۱۲۵ھ تک ہے اس دور میں صرف احادیث کو جمع کیا ابواب اور کتب کا سلسلہ قائم نہ رہا۔

۲۔ دوسرے طبقے میں ربیع بن صبیح کا نام لیا جاتا ہے یہ دور ۱۲۵ھ سے لیکر تقریباً ۱۵۰ھ تک ہے اس دور میں احادیث اور آثار صحابہ کو جمع کیا ساتھ ساتھ ابواب بھی قائم کئے لیکن ہر باب کو علیحدہ مجموعہ کی شکل میں جمع کیا۔ مثلاً نماز کی حدیثوں کو باب الصلوٰۃ کے عنوان سے علیحدہ جمع کیا۔

۳۔ اسکے بعد تیسرا طبقہ آتا ہے جسکا دور تقریباً ۱۵۰ھ سے ۲۰۰ھ تک محیط ہے اس طبقے میں بہت سے نام ذکر کیئے گئے ہیں، مثلاً ابن جریج عبد الملک بن عبد العزیز متوفی ۱۵۰ مکہ میں معمر بن راشد متوفی ۱۵۴ھ یمن میں وغیرہ شامل ہیں۔ ان حضرات نے طبقہ ثانیہ کی طرح ہر باب کی احادیث کا مجموعہ علیحدہ علیحدہ بیان نہیں کیا بلکہ ایک ہی مجموعے میں مختلف ابواب کی احادیث کو مختلف ابواب کا عنوان دیکر متقلاً جمع کیا۔

۴۔ اسکے بعد ۲۰۰ھ سے چوتھا طبقہ وجود میں آیا جنھوں نے صرف احادیث مرفوعہ کو جمع کرنے کا اہتمام کیا اور مسانید لکھیں اس طبقے کے مدونین میں عبداللہ بن موسیٰ عیسی متوفی ۲۱۳ھ نعیم بن حماد ثراعی متوفی ۲۲۸ھ

۵۔ پانچواں طبقہ مصنفین صحاح وحسان کا ہے ان کا دور ۲۲۵ھ سے شروع ہوا اس طبقہ میں صحاح کے سرخیل امام بخاری رحمہ اللہ ہیں جنھوں نے صحیح بخاری لکھی اور پھر اور لوگوں نے ان کی تقلید کی مثلاً امام مسلم وغیرہ اور حسان پر مختلف کتب تالیف ہوئیں مثلاً نسائی اور سنن ابی داؤد وغیرہ۔

یہاں تک تو حدیث اور علم حدیث سے متعلق بات تھی اب مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے حدیث اور علم حدیث میں کتنی گراں قدر خدمات انجام دی ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔

مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور حدیث:۔

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے جس طرح قرآن کریم اور اس کی تفسیر لوگوں میں عام کی تا کہ امت کا ہر فرد قرآن کریم کی تعلیمات کو سمجھے اور اس پر عمل پیرا ہو اسی طرح حضرت موصوف نے علم حدیث میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ حضرت موصوف نے خیر المدارس سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد ہی اپنے شیخ کے حکم سے تدریس کا آغاز کر دیا تھا اور پہلے روشن والا فیصل آباد کے ایک مدرسہ میں پڑھایا پھر اپنے شیخ کے حکم پر مدرسہ احیاء العلوم ماموں کانجن تشریف لے گئے اور مدرسہ احیاء العلوم میں گیارہ سال تدریس کی اور تمام علوم وفنون پڑھائے اور یہی سے حضرت اقدسؒ نے حدیث کی تدریس شروع کی تھی اور مشکوۃ شریف کا سبق آپ کے پاس تھا تشنگان علم آپ کے درس حدیث اور روحانیات سے فیض پاتے اور کامیابیوں کی راہ پا جاتے۔ حضرت اقدسؒ جب کراچی مستقل تشریف لے آئے تو آپ کو بنوری ٹاؤن کی مسند حدیث پر ابو داؤد پڑھانے کے لئے دی گئی۔ آپ کا تدریسی انداز ایسا دلنشین ہو تا کہ کمزور طالب علم کے سمجھ میں بھی آسانی سے سبق آجاتا۔ آپ حدیث پڑھاتے تو ابتدائی دنوں میں حجیت حدیث، آداب حدیث اور محبت حدیث پر ضرور بات فرماتے چنانچہ آپ نے ایک موقع پر ابو داؤد شریف کتاب کے پڑھائے ہوئے سبق میں حجیت حدیث کے بارے میں فرمایا:

" اگر رسول ﷺ کی اطاعت لازم نہیں جیسا کہ منکرین حدیث بکتے ہیں تو دین ہی ختم ہو جائے گا۔ جو رسول ﷺ کی اطاعت کا منکر ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا منکر ہے۔"(27) آپؒ قرآن و حدیث کے دلائل اور اکابرین کے اقوال سے اپنی بات کو مبرھن فرما کر مضبوط پہاڑ کی مانند بنا دیتے چنانچہ حجیت حدیث پر مزید بات فرماتے ہوئے دلائل پیش کرتے ہیں

من يطع الرسول فقد اطاع الله ہ(28)

ترجمہ: جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ رسول ﷺ کی اطاعت تمام ایمانیات کی بنیاد ہے اللہ تعالیٰ کو مانا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر، قرآن کو مانا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر تمام غیبی حقائق مانے جاتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر اگر حضور ﷺ کی بات قابل اعتماد نہیں تو کوئی چیز بھی قابل اعتماد نہیں۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرماتے تھے۔

" یہ تو میرے میاں (یعنی رسول اللہ ﷺ) کا کمال ہے کہ وہ فرمادیتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور یہ میرا کلام ہے۔ کیونکہ ایک ہی زبان مبارک سے دونوں کلام نکلے۔ لوگوں نے فرشتے کو اترتے نہیں دیکھا۔ صرف ادراک کیا۔ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک ہی سے قرآن پاک بھی نکلتا اور اسی زبان مبارک سے حدیث بھی نکلی۔"(29) حضرت اقدس شہیدؒ علم حدیث کو ایک عظیم المرتبت علم فرمایا کرتے تھے اور علم حدیث سیکھنے والوں کو آداب حدیث کی تعلیم دیتے۔ حضرت کے نزدیک علم حدیث حاصل کرنے والوں کو اعلی اخلاق بلند حوصلہ اور صاحب تقوی ہونا چاہیے ورنہ وہ حدیث پڑھ کر بھی حدیث کے روحانی فیض سے محروم رہے گا چنانچہ حضرت نے علم حدیث کے آداب بیان فرماتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا:

" اتنی بات تو معلوم ہونی چاہیے کہ علم جتنا دقیق ہو گا اسی کے آداب بھی اتنے ہی دقیق اور نازک ہونگے علم حدیث اشرف العلوم ہے تو اس کے حاصل کرنے کے لئے بھی اشرف انسانوں کو چنا جاتا ہے اس لئے علم حدیث کے

طالب علم کو اشرف الاخلاق ہونا چاہیے کیونکہ جتنے اونچے اور بلند اخلاق کا مالک ہو گا اتنا ہی اس علم سے مستفیض ہو گا۔ اس لئے کہ جتنی زیادہ قیمتی چیز ہوتی ہے اتنے ہی قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے۔ کھیر کو کوڑے سے اٹھائے ہوئے ٹھیکرے میں نہیں رکھتے ہیں بازاری لوگوں کو علم حدیث کیسے دیں گے؟ اس لئے اخلاق کا پاک ہونا اور عالی ہونا بڑا ضروری ہے۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب نوراللہ مرقدہ جو حضرت حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اجل تھے اور خیر المدارس ملتان کے بانی تھے آداب حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ:

بعض اکابر کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی طالب علمی میں تقویٰ اختیار نہیں کرتا اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں میں سے ایک ضرور مبتلا کر دیتے ہیں:

۱۔ یا تو وہ حکومت کا کوئی کل پرزہ بن جاتا ہے (چنانچہ مشکوۃ شریف کی حدیث کا مفہوم ہے کہ جو شخص حکمرانوں سے تعلق رکھے گا وہ خود کو ان کے فتنے سے نہیں بچا سکتا جیسے انسان آگ سے کپڑوں کو نہیں بچا سکتا۔)

۲۔ یا بازار میں لگا دیں گے (فوج میں لگا دیں گے، دوکان پر بٹھا دیں گے۔)

۳۔ یا جوانی کی موت سے دوچار کر دیں گے۔

جن لوگوں نے حدیث شریف کو اس کے آداب کا خیال رکھ کر سیکھا اللہ تعالیٰ ان سے دین کا بڑا کام لیں گے۔ ورنہ ایک بزرگ کے بقول کہ " مسند کا مصلے تو مل جائیگا لیکن علم میں برکت اور قبولیت نہیں ہو گی لہذا پوری محنت اور جہد مسلسل کے ساتھ اس علم کو حاصل کیا جائے۔۔۔(30)

حضرت اقدس لدھیانوی شہیدؒ کو حدیث نبوی ﷺ سے والہانہ شغف تھا طلبہ کو بھی حدیث کی عظمت و محبت سکھاتے اور آپ خود بھی حدیث پر عمل فرماتے اور حدیث کہ طلبہ کو بھی عمل کی ترغیب و تحریض کرتے چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

" ایک بات یہ بھی یاد رکھو کہ حدیث شریف ناول یا افسانہ نہیں ہے بلکہ سینہ نبوت سے نکلے ہوئے وہ حقائق ہیں جو صرف حضور اقدس ﷺ سے ہی حاصل ہو سکتے ہے یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور یہ

وہ علوم ہیں جنکا واحد منبع حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے تو پھر ان علوم کا حق یہ ہے کہ ہماری گردنیں ان کے سامنے جھک جائیں۔ اور ان سے قلب منور ہو جائے اور بدن ان کے سانچے میں ڈھل جائے یعنی جو حدیث بھی پڑھیں اس پر عمل کریں(31) حضرت اقدس مزید وضاحت فرماتے اور عمل کی صورت بالکل واضح کر کے بتاتے تھے فرمایا:

"احادیث پر عمل کرنے کی شکل یہ ہے کہ: وضو کی فضیلت کی حدیث پڑھی ایک دن اس پر عمل کرو، تحیۃ المسجد کی حدیث پڑھی، ایک مرتبہ اس پر عمل کرو، ایام بیض کے روزے کی حدیث پڑھی ایک مرتبہ تو اس پر عمل کرو۔ اور اگر عمل کا داعیہ دورانِ سبق بھی پیدا نہ ہوا تو پھر عمل کی توفیق کب ہو گی؟"(32) حضرت اقدس دوران تدریس احادیث سے متعلق مسائل اور ائمہ کرام کے مابین اختلافات ذکر فرماتے اور مسلک احناف کی برتری پر نشاندہی فرماتے۔ اور اگر کہیں احادیث کے درمیان بظاہر تعارض معلوم ہوتا تو اسے رفع فرماتے طلبہ کو حدیث کا سبق پڑھانے کے ساتھ ساتھ ان کو اصلاح نفس بیعت وارشاد کی طرف بھی متوجہ کرتے تھے۔ آپؒ نے اپنے فیض و درس حدیث سے سالہاسال تک بنوری ٹاؤن کی مسند حدیث کو رونق بخشی جو تادمِ حیات جاری تھی۔

فصل دوم: عوام میں درس قرآن وحدیث

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی ہر دینی خدمت بے مثال تھی مگر مولانا موصوف نے قرآن کریم میں جو خدمات انجام دیں وہ عظیم المرتبت ہیں حضرتؒ اپنی شہادت تک مسجد الفلاح میں عوامی حلقہ احباب میں درس قرآن دیتے رہے آپ کے درس قرآن سے لاکھوں لوگ فیض یاب ہوئے، ہزاروں تائب ہو کر صالحین کی صف میں آکھڑے ہوئے مولانا موصوف کو قرآن کریم کی تفسیر سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ آپ چند تفاسیر کی تعریف فرماتے اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی دعوت دیتے۔ آپ کی پسندیدہ تفاسیر کے بارے میں ڈاکٹر صلاح الدین ثانی لکھتے ہیں

" آپ نے اپنے مقالہ میں چند تفاسیر کا ذکر کرتے ہوئے مفتی محمد شفیعؒ کی تفسیر " معارف القرآن " (آٹھ جلدیں) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی معارف القرآن (چھ جلدیں) شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر عثمانی (ایک جلد) اور مولانا احمد سعید دھلویؒ کی تفسیر " کشف لراحمن " (دو جلدیں) کو مفید قرار دیتے ہوئے اہل علم اور عوام کو اس کی طرف توجہ دلائی۔ "(33) حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ قرآن کی تفسیر کرنے کے لئے انہی شرائط کے قائل تھے جو متقدمین نے ذکر کیں ہیں اور فرماتے تھے کہ تفسیر کرنا ایک نازک اور مشکل کام ہے ذراسی لغزش اور سہل انگاری انسان کو گناہ گار بنادیتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

" قرآن کریم کی تفسیر و تشریح ایک کٹھن کام ہے اور نہایت نازک ذمہ داری ہے اس لئے کہ قرآن کریم حق تعالیٰ کا مقدس کلام ہے اور قرآن کی تفسیر در حقیقت حق تعالیٰ شانہ کی ترجمانی کا نام ہے جب ہم قرآن کریم کے کسی لفظ ، کسی جملے یا کسی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں تو گویا ہم دعوٰی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے اس طرح اپنے بیان کئے ہوئے مفہوم کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں ظاہر ہے اس سلسلے میں ذراسی لغزش اور سہل انگاری افتراء علی اللہ کا موجب بھی ہو سکتا ہے۔ اور افتراء علی اللہ سنگین جرم ہے۔ "(34) حضرت موصوف بھی ایک مفسر کے لئے انہی علوم کا سیکھنا ضروری قرار دیتے تھے جو دیگر علماء نے ذکر کئے ہیں اس کے علاوہ حضرت تفسیر قرآن کے لئے چند اصول اور بیان فرماتے جن میں سے کچھ یہ ہیں۔ جن کو ڈاکٹر صلاح الدین ثانی نے اپنے مقالہ میں ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

" مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اہل حق کے عقائد و اعمال اور اخلاق کا پابند ہو۔اسی طرح ہر قسم کی بدعت و کجر روی سے مفسر کے ذہن کا پاک ہونا بھی ضروری ہے ورنہ اس کی تفسیر نا قابل اعتماد ہو گی۔کیونکہ وہ قرآن کریم کو اپنی بدعت کے رنگ میں ڈھالنا شروع کر دے گا۔جس طرح مفسر کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے خیالات و افکار سے خالی الذہن ہو کر یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ اس آیت میں قرآن کریم کی دعوت کیا ہے اور کن کن مسائل پر روشنی ڈالی جارہی ہے ،خود اپنے خیالات و افکار قرآن کریم میں ٹھونسنے کی کوشش نہ کرے۔اسی طرح اس کا یہ بھی فرض ہے کہ تفسیر بالرائے سے اجتناب کرے کیونکہ تفسیر بالرائے حرام ہے۔"(35)حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے تقریباً ۲۲ سال الفلاح مسجد فیڈرل بی ایریا میں درس قرآن دیا ہے جو مختلف حضرات کے پاس محفوظ ہے حضرت اقدس اپنے بیان کردہ اصولوں کے مطابق درس قرآن دیا کرتے تھے۔درس قرآن میں آپ کا انداز انتہائی سہل اور دلنشین ہوتا، آپ ترجمہ بھی آسان فرماتے اور ترجمہ میں الفاظ مترادفہ بھی بیان فرماتے آپ کے درس قرآن کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صلاح الدین ثانی فرماتے ہیں:

" درس قرآن میں مولانا کا اصول یہ تھا کہ پہلے چند آیات کی تجوید کے ساتھ تلاوت فرماتے پھر سلیس اور با محاورہ ترجمہ قرآن پیش فرماتے مولانا کے ترجمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی خاص مترجم کا ترجمہ پیش نظر نہیں ہوتا۔بلکہ یہ مولانا کا اپنا ترجمہ ہوتا ہے مولانا کے ترجمہ میں دوسری بات جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ کے مترادف معانی بھی بیان کرتے ہیں ترجمہ کے بعد آیات کے ایک ایک حصہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے دوبارہ ترجمہ سرسری انداز میں کرتے ہیں لیکن لغات القرآن کی طرف سامعین کو مکرر متوجہ کرتے ہیں اور سادہ سی وضاحت کے ساتھ ساتھ مترادف معانی بھی بیان کرتے ہیں۔" (36)

آگے مزید مولانا موصوف کے درس قرآن کی خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مولانا درس قرآن دیتے ہوئے نہ مشکل علمی مباحث کو چھیڑتے ہیں اور نہ ہی ان کے درس میں غیر ضروری طوالت ہوتی بلکہ اعتدال پایا جاتا ہے جو خصوصیات سامنے آئیں ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ یہ کہ درس قرآن میں آسمانی مذاہب اور آسمانی کتب کے ساتھ تقابلی مطالعہ نظر آتا ہے

۲۔ پیش آنے والے اعتراضات کے جوابات دیتے ہیں مثلاً'' ومصد قالمابین یدیہ'' پر اعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن خود توریت کی تصدیق کرتا ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ توریت کے احکامات کی اطاعت کریں؟ مولانا نے اس موقع پر ایجابی وسلبی انداز میں بہت عمدہ جوابات دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ مصدقہ توریت زبور، انجیل وہ تھی جو اسی وقت نازل ہوئی تھی جبکہ موجودہ تورات تو تحریف شدہ ہے دوسرے یہ کہ تصدیق کرنے کا مطلب اطاعت کو لازم نہیں کرتا۔

۳۔ مولانا کے درس قرآن کی ایک خصوصیت ان کا تمثیلی انداز ہے مثلاً جعلنا منکم شرعۃ و منھا جاً'' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے شریعتوں کی منسوخی اور ناسخ و منسوخ پر عمدہ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ تبدیلی ایسی ہی ہے جیسے ایک طبیب حاذق مریض کی حالت کے پیش نظر ایک دوا تجویز کرتا ہے جب اس دوا کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے تو دوسری دوا دیتا ہے کبھی طبیب مریض کی حالت بدلنے پر دوا تبدیل کرتا ہے، انسان کا مزاج ہے وہ جس چیز کا عادی ہو جاتا ہے اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ مولانا عہدِ حاضر کی مثال دیتے ہیں جیسے آباؤ اجداد کی رسومات ہیں لوگ انہیں چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے

۴۔ درس دیتے ہوئے کتب سماوی سے بھی استشھاد پیش کرتے ہیں کہ تمام آسمانی کتب میں آپ ﷺ کی آمد اور آپ ﷺ پر قرآن کریم کے نزول کا ذکر موجود ہے۔

۵۔ عہدِ حاضر کے فکری انحرفات کا بھی رد فرماتے ہیں مثلاً و لا تتبع اھواءھم'' تفسیر بیان کرتے ہوئے ''ھوی وھدی'' کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں آج اجتھاد نام خواہش نفس کے مطابق شریعت کو ڈھالنے کا''

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی پوری زندگی قرآن و تفسیر سے عبارت تھی ہر لمحہ قرآنی تعلیمات پر عمل خود فرماتے اور آپ کی پوری زندگی دوسروں کو ترغیب دیتے ہوئے گزری ہے۔ جس کے ہر شب و روز لکھنا ایک انتہائی مشکل کام ہے مذکورہ اوراق میں ان کی زندگی میں سے قرآنی خدمات کے چند پہلو قارئین کے سامنے پیش کیئے ہیں۔

فصل سوم: تصنیفی خدمات

تفسیر میں تصنیفی خدمات:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی تصنیفی خدمات کا باب بہت وسیع ہے چونکہ حضرت شہیدؒ ہر فتنہ کے خلاف زبانی عملی یلغار کے ساتھ ساتھ قلمی جہاد بھی کیا کرتے اور حضرت کا دور پُر فتن دور تھا حضرت کی اکثر تصانیف باطل کی دجل کاریوں کو بے نقاب کرنے اور گمرہ کن نظریات کے حاملین کے تعاقب پر مشتمل ہیں حضرت کی پوری زندگی قرآن و حدیث کی تعلیمات کے پرچار کے لئے وقف تھی آپ نے قرآن کریم کی تعلیم تفسیر و تشریح اور اس کے لوگوں میں عام ہو جانے کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں جس کو اگر مستقل طور پر مکمل جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ لیکن حضرت کو تفسیر پر کوئی خاص تصنیف کا موقع نہ مل سکا۔

اتنا ضرور ہے کہ حضرت کا قرآنی آیات کی تفسیر کا سلسلہ مواظبت سے ماہنامہ بینات میں شائع ہوتا رہا جو کہ بینات کی فائلوں میں محفوظ ہے۔

حدیث میں تصنیفی خدمات:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے علم حدیث پر جہاں درس تدریس کا میدان اپنے تبحر علمی سے مہکایا وہیں اس میدان میں آپ نے گراں قدر تصنیفات بھی امت کے حوالہ کی آپ کی حدیث کے ترجمہ و تشریح مشتمل پر ایک بے مثال کتاب "دنیا کی حقیقت" بھی ہے۔

جس میں حضرت اقدس شہیدؒ نے ترمذی کے چند منتخب ابواب کی احادیث کا ترجمہ و تشریح کی ہے۔ دنیا کی حقیقت کتاب کا اصل محرک یہ ہوا کہ حضرت اقدس لدھیانوی شہیدؒ کو مدعو فرمایا تو حضرت بنوری رحمہ اللہ کی چاہت تھی کہ بینات میں چار سلسلے شروع کیئے جائیں جیسا کہ گذشتہ ابواب میں ذکر کیا گیا جس میں ایک سلسلہ حدیث پاک کا ترجمہ و تشریح بھی ہو جو ماہنامہ "بینات" کی زینت بن کر گھر گھر میں نبوی تعلیمات کی شمعیں روشن کریں۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی تمنا تھی

کہ ماہنامہ بینات میں حدیث کے سلسلے میں ترمذی کے ابواب الزہد کی احادیث کا ترجمہ و تشریح ذکر کی جائیں کیونکہ وہ بہت جامع ہے۔ چنانچہ حضرت لدھیانوی نے اس محنت کش کام پر کمر باندھ لی اور یہ سلسلہ شروع فرمادیا۔ ترجمہ و تشریح کا کام نہایت بہترین اسلوب میں فرما کر حق ادا کر دیا۔

حضرت لدھیانوی رحمہ اللہ احادیث کی بہت خوبصورت الفاظ و انداز میں تشریح فرماتے تھے۔ ہم یہاں چند اقتباسات نقل کرتے ہیں ۔ حضرت اقدسؒ صحت اور فراغت کے مضمون پر مشتمل حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

حدیث ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سے لوگ خسارے میں ہیں صحت اور فراغت۔"(37)

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں آنے والے ہر عاقل و بالغ کو ایک تاجر کے ساتھ تشبیہ دی ہے گویا دنیا ایک تجارتی منڈی ہے آدمی کی عمر عزیز اس کا رأس المال ہے اور جس سامان کو وہ بھر رہا ہے وہ اس کے اعمال ہیں اہل عقل کسی تجارت میں سرمایہ لگاتے ہیں تو نفع کی امید پر ہی لگاتے ہیں اور کوئی شخص بقائمی ہوش و حواس اپنے رأس المال کو خسارے کی سرمایہ کاری میں ڈبونا نہیں چاہتا کہ نفع کے بجائے اصل سرمایہ ہی غارت ہو کر رہ جائے۔

تجارت سے نفع کمانے کے لئے تاجر کو چند چیزوں کا اہتمام کرنا ہوتا ہے اول یہ کہ وہ اچھی طرح غور کرلے کہ جس چیز میں سرمایہ کاری کر رہا ہے وہ منافع کی ہے یا خسارے کی؟ دوم یہ کہ جس شخص سے معاملہ کرے اس کے بارے میں اطمینان کرلے وہ لائق اعتماد بھی ہے یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ کاروبار نہایت دیانت، اصول پسندی اور محنت و استقلال کے ساتھ کرے۔ چوتھے یہ کہ اپنے قیمتی سرمایہ کو فضول خرچی اور تعیش پسندی میں برباد نہ کرے ورنہ کچھ ہی عرصے میں اس کا اصل سرمایہ اڑ جائے گا۔ اور اس کی تجارت ناکام ہو جائے گی۔

ان اُمور کو سامنے رکھ کر اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی پر غور فرمایئے۔ یہ دنیا ایک منڈی ہے یہاں سے اعمال کا مال بھر کر آپ کو دساور (آخرت میں) لے جانا ہے اور وطن سے آپ عمر عزیز کا ایک محدود سرمایہ لیکر آئے ہیں او

یہ نقدی اتنی قیمتی اور انمول ہے کہ اس کا ایک ایک لمحہ دنیاومافیہا سے قیمتی ہے یعنی دنیا کی ساری دولت اور روس، چین، امریکہ وبرطانیہ کے سارے خزانے ایک آدمی کے ایک سانس کی قیمت نہیں، لیکن افسوس ہے کہ اس انمول جوہر میں سب سے بڑااور لاعلاج نقص یہ ہے کہ اس کو بقاء قرار نہیں، یہ دھوپ میں رکھی ہوئی برف کی طرح پگھلتا رہتا ہے۔ اس کی مثال پانی کی اس ٹنکی کی ہے جس میں ذراسا سوراخ ہو اور پانی مسلسل اس سے ٹپکتا رہے، گویا اس سرمایہ کی خصوصیت یہ ہے کہ تم اسے خرچ کرو یانہ کرو یہ خود بخود خرچ ہوتا رہے گا۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں صوفیاء کے پاس بیٹھاہوں اور ان کی محبت سے فائدہ اٹھایاہے جو سب سے قیمتی بات میں نے ان سے حاصل کی وہ یہ کہ وقت ایک تلوار ہے اگر تم اس کو نہیں کاٹو گے تو یہ تمہیں کاٹ دیگا۔

بہرحال آدمی کا یہ قیمتی سرمایہ جو بدقسمتی سے زوال پذیر بھی ہے اگر کسی ایسی چیز میں لگ رہاہے جو اس سے قیمتی ہے تب تو اس کی تجارت نفع کی ہوئی اور اگر اس نے اس سرمایہ کو کسی گھٹیا چیز پر خرچ کر دیا تو معلوم ہو گا کہ اس شخص کو تجارت کا طریقہ نہیں آتا ورنہ یہ خسارے کی سرمایہ کاری نہ کرتا۔ اس طرح اگر اس نے اس سرمایہ سے کام بھی نہ لیا اور وہ برف کی طرح پگھل پگھل کر ضائع ہو گیا تب یہ شخص احمق تصور ہو گا۔

اسی کو آنحضرت ﷺ اس حدیث میں یوں ارشاد فرمارہے ہیں کہ صحت و فراغت دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سے لوگ خسارے میں ہیں۔ یعنی عمر کا سرمایہ آخرت کی تجارت میں لگانے کے لئے صحت اور فراغت درکار ہے اول تو یہ دونوں چیزیں بیک وقت بہت کم لوگوں میں میسر آتی ہے ایک آدمی صحت مند ہے مگر اس کو دھندے سے فرصت نہیں ایک کو فرصت ہے مگر صحت نصیب دشمناں ہے۔ اور آگ کسی کو اللہ تعالیٰ نے صحت دی ہے اور بقدر ضرورت معاش بھی اسے حاصل ہے۔ تو اسے ان نعمتوں کی قدر نہیں وہ انہیں یا تو دنیا کا کوڑا جمع کرنے میں ضائع کر رہاہے یا گپ شب سیر و تفریح و لغووں یعنی چیزوں میں برباد کر رہاہے۔ آج اس کو احساس نہیں کہ اس کا کتنا بڑا خزانہ خود اس کے اپنے ہاتھوں لٹ رہاہے۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اہل جنت کو کوئی حسرت نہیں ہو گی بس ایک حسرت انہیں بھی رہے گی کہ انہوں نے اپنی عمر کا قیمتی حصہ بے مقصد کیوں ضائع کر دیا ایک روایت میں ہے کہ انسانی عمر کے لمحات قیامت کے دن ڈبیوں کی شکل میں آدمی کے سامنے پیش ہونگے۔ جس ڈبیہ سے نیک عمل نکلے گا اس پر اسے بے حد خوشی ہو گی جس ڈبیہ سے برا عمل نکلے گا اس پر اسے نہایت ندامت شرمساری ہو گی۔ اور جو ڈبیہ ضائع نکلے گی اس پر اسے حسرت و پشیمانی ہو گی۔

اور بعض لوگ اس گوہر بے بہا کو خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ کسی کے پاس سونے چاندی ہیرے اور جو ہرات کا ذخیرہ ہو اور وہ اس کو سانپوں بچھوؤں اور کیرے مکوڑوں کے جمع کرنے پر خرچ کرے۔ الغرض جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے عقل و بصیرت عطاء فرمائی ہے اور وہ اپنی عمر کو اس سے زیادہ قیمتی چیز پر خرچ کر رہے ہیں وہ تو نفع میں ہیں۔ ان کے علاوہ سارے لوگ خسارے میں ہیں جن کی صحت و فراغت اور زندگی کی تمام صلاحیت یا تو رائیگاں جارہی ہے یا دنیا کا پاخانہ جمع کرنے پر خرچ ہو رہی ہے یا گناہوں کے سانپ اور بچھو سمیٹنے میں لگ رہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحت و فراغت کو نعمت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے بہت ہی کم لوگ ہیں ورنہ اکثریت ان لوگوں کی ہے جو اس نعمت کی ناشکری کے مرتکب ہیں ان کو یہ نعمتیں بغیر کسی محنت کے مفت مل گئی ہیں اس لئے انہیں آج ان کی کوئی قدر نہیں، ان کی قدر کل ہو گی جب یہ دولت ان سے چھن جائے گی اور وہ خالی ہاتھ بیک بنی و دو گوش اس محفل سے اٹھا دیئے جائیں گے۔ (38)

توکل کی حقیقت:

حضرت اقدس اسی کتاب میں ایک حدیث کی تشریح میں توکل اور اسباب کی بہترین وضاحت فرماتے ہیں کیونکہ اس سلسلے میں لوگ افراط و تفریط کا شکار کچھ لوگ ایسے ہیں جو اسباب ہی کو حقیقت سمجھ بیٹھتے ہیں اور کچھ لوگ اس کے برعکس اسباب اختیار کرنے کو توکل کے خلاف سمجھتے ہیں تو حضرتؒ نے حدیث کی تشریح کرتے ہوئے بہت بہترین انداز میں سمجھایا جس سے انسان اس افراط و تفریط سے بچ سکتا ہے تحریر فرماتے ہیں:

" اس حدیث پاک میں یہ تعلیم ہے کہ مال و جان کی حفاظت کے اسباب عادیہ کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ عین توکل ہے۔ کوئی شخص رات کو گھر کے دروازے کھلے چھوڑدے یا چوپاؤں اور مویشیوں کو کھلا چھوڑ کر یوں سمجھے کہ توکل پر چھوڑا اس نے توکل نہیں بلکہ بے عقلی کی ہے، ہاں! اپنی قدرت و ہمت کے مطابق جائز اسباب کو اختیار کرنے کے بعد ان پر اعتماد نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے یہ توکل ہے۔(39)

اسی بات کو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے

" تفویض کے معنی ترک تدبیر نہیں بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا کے سوا کسی پر نظر نہ رکھے، تدبیر کرلے اور تدبیر کے نتیجہ کو خدا کے سپرد کرے۔"(40)

مصائب و آفات:

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر لوگ خواہ نیکو کار ہوں یا بدکار سب ہی پر مصائب و آفات آتے ہیں لیکن بعض سادہ لوح مسلمان اس سلسلے میں عجیب کشمکش میں مبتلا رہتے ہیں کہ ہم نیک اعمال کرتے ہیں پھر بھی مصائب آتے رہتے ہیں اس معاملے میں حضرت اقدس لدھیانویؒ ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نیکوکار اور بدکار پر مصائب آئے تو دونوں میں کیا فرق ہے حضرت تحریر فرماتے ہیں:

"یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مصائب و آلام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء و صلحا پر بھی آتے ہیں اور فساق و فجار پر بھی، ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے ک مقبولان الہیٰ پر مصائب کا آنا بطور تطہیر و آزمائش ہوتا ہے جس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں اور بھول چوک کی وجہ سے (جو لازم بشریت ہے) ان سے سرزد ہونے والی خطاؤں کا کفارہ ہو جاتے ہے اور وہ ہر قسم کے گرد و غبار اور میل کچیل سے پاک صاف ہو جاتے ہیں، اس کے برعکس فساق و فجار پر جو مصائب آتے ہیں وہ شومئ اعمال کی بناء پر بطور عقوبت ہوتے ہیں، اگرچہ دار الجزاء تو آخرت ہے، مگر حق تعالیٰ کی رحمت اس کو مقتضی ہوئی کہ عذاب و سزا کا کچھ نمونہ دنیا میں بھی دکھلایا جائے تا کہ لوگوں کو توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ کی توفیق ہو۔ اور ظاہری فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ صلحا پر جو مصائب و تکالیف آتی ہیں ان کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ

شانہ سے انقباض نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ شانہ سے تعلق و محبت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے ان پر اپنی بندگی و بے چارگی اور حق تعالیٰ شانہ کی مشیت کاملہ کی کار فرمائی مزید واضح ہو جاتی ہے اور اسکی وجہ سے ان پر اسرار عجیبہ کھلتے ہیں۔"(41)

حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کا حدیث پر ایک بہت عظیم الشان کام سندھ کے معروف بزرگ کی درود شریف فضائل پر مشتمل احادیث کی کتاب " ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول " کا اردو ترجمہ ہے۔اس میں حضرت نے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے کام کیا۔ حضرت نے اس میں کیا خدمت انجام دی خود حضرت اقدسؒ کی تحریر سے ملاحظہ کیجئے۔

"اس ناکارہ کی عرصہ سے آرزو تھی کہ درود شریف پر ایک رسالہ تالیف کروں، اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی تک رسائی کا ذریعہ بناؤں لیکن اس خیال سے شرم آتی تھی کہ اس موضوع پر اکابر کے بہترین رسائل موجود ہیں، خصوصا حافظ سخاوی رحمہ اللہ کا رسالہ "القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع" (ﷺ) اور ہمارے شیخ برکۃ العصر قطب العالم حضرت الحاج الحافظ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ کا رسالہ " فضائل درود شریف" اپنے موضوع پر عدیم النظیر ہیں، ان اکابر کی ان بابرکت تالیفات کے بعد اس موضوع پر یہ روسیاہ کیا لکھے گا اور اسکی کیا قیمت ہو گی؟ لیکن حق تعالیٰ شانہ کے لطف و عنایت کے قربان جایئے کہ اس مولائے کریم نے غیب سے دستگیری فرمائی، اور درینہ آرزو کے بر آنے کی شکل پیدا فرمادی، اس کی تقریب یہ ہوئی کہ "ہالا" ضلع حیدرآباد (سندھ) سے میرے دوست ڈاکٹر قاضی محمد شوکت علی قریشی "زید مجدہ" نے شیخ مخدوم محمد ہاشم سندھی کے فارسی رسالہ "ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ" کا نسخہ بھجوایا اور اسے اردو میں منتقل کرنے کی فرمائش کی، اس ناکارہ کے دیرینہ حسین خواب کی تعبیر تھی اس لئے اس لطیفہ کو غیبی سمجھ کر فوراً وعدہ کر لیا۔(42)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید کو اس کام میں کتنی محنت اور عرق ریزی کرنی پری اس کا اندازہ مندرجہ ذیل سطور سے لگایا جا سکتا ہے۔ حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں:

" رسالہ ذریعۃ الوصول" کے شروع میں جناب مولانا غلام مصطفی قاسمی (حیدرآباد سندھ) نے حضرت مصنفؒ کا تعارف لکھا ہے جس میں موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے پاس جناب مصنف رحمہ اللہ کے اپنے قلم سے لکھا ہوا

خطی نسخہ موجود تھا، جس کا عکس انہوں نے "مہران آرٹس کونسل حیدرآباد" کی جانب سے شائع کر دیا،(یہی مطبوعہ نسخہ مترجم کے سامنے ہے) یہ نسخہ چھوٹی تقطیع (طول ساڑھے پانچ انچ عرض تین انچ) کے ۶۲ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۲۷ سطریں ہیں افسوس ہے کہ یہ نسخہ صفحہ ۵ سے ۶۲ تک کرم خوردہ ہے، ان صفحات کی بالائی سطریں سقیم ہیں، صفحہ ۵ سے ۰۹ تک تو عبارت کا کچھ نہ کچھ مفہوم سمجھ میں آسکا۔ اور اس ناکارہ نے اس کو اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی، لیکن صفحہ ۶۰ سے ۶۱ کی چار چار سطریں کٹی ہوئی تھیں، اس لئے یہ حصہ چھوڑ کر باقی کا ترجمہ کر دیا کیونکہ ان صفحات میں درود شریف کے الفاظ محفوظ تھے لیکن صفحہ ۶۲ میں درود شریف کے الفاظ بھی نہیں پڑھے جاسکے، مجبوراً اس کو چھوڑ دینا پڑا۔(43)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی یہ بھی ایک عظیم خدمت ہے جس کو ہمیشہ سراہا جاتا رہے گا۔

مصادر ومراجع

(1)القرآن، سورہ نساء ۱۶۴

(2) تفسیر انوار البیان جلد ۲ ص ۴۰ مکتبہ دارالاشاعت

(3)روح المعانی جلد ۶،۵ ص ۲۶۱ مکتبہ رشیدیہ

(4)القرآن سورہ احزاب ۴۰

(5) تفسیر ابن جریر ج ۲۲ ص ۱۶ بحوالہ ختم نبوت کامل

(6)ابوداؤد ص ۱۲۷ ج ۲، ترمذی ج ۲ ص ۴۵

(7)روح المعانی جلد ۳۰ ص ۴۵۲

(8)علوم القرآن ص ۴۵۷

(9)علوم القرآن ص ۴۶۰، ۴۶۱ مکتبہ دار لعلوم

(10)الاتقان ج ۲ ص ۱۸۷

(11)علوم القرآن ص ۴۶۲

(12)علوم القرآن ص ۴۶۲

(13)تہذیب الاسماء ص ۳۲۶ـ۳۳۱

(14)تذکرۃ الحفاظ ص ۱۱۵ تا ۱۱۷ طبقہ ۴، ترجمہ ۱۲

(15)علوم القرآن ص ۴۸۰

(16)معارف القرآن ج ۱ ص ۵۰

(17)معارف القرآن ج ۱ ص ۵۱

(18)معارف القرآن ج ۱ ۵۱

(19)معارف القرآن ج ۱ ص ۵۲

(20)اصول تفسیر وعلوم القرآن ص ۶۹ـ۷۰

(21)بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۴۵۸

(22)بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۴۷۷

(23)بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۴۵۸

(24)شخصیات وتاثرات ج ۱ ص ۲۸۳

(25)بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۴۴۸

(26)بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۳۴۶

(27)بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۴۰۶

(28)القرآن، النساء ۵

(29)بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۴۰۶

(30) بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۴۰۸

(31) بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۴۰۸

(32) بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۴۰۹

(33) بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۴۵۹

(34) بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۴۵۹

(35) بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۴۶۱

(36) بینات حضرت لدھیانوی نمبر ص ۴۶۱
(37) ترمذی جلد ۲ ابواب الذہد
(38) دنیا کی حقیقت ج ا ص ۱۶۔۱۸
(39) دنیا کی حقیقت ج ا ص ۴۲۲
(40) انفاس عیسیٰ ص ۲۲۱
(41) دنیا کی حقیقت ج ا ص ۲۰۱۔۲۰۲
(42) ذریعۃ الوصول ص ۷۔۸
(43) ذریعۃ الوصول ص ۹۔۱۰

باب چہارم: فقہی خدمات

فصل اول: تدریسی خدمات

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی فقہ میں تدریسی خدمات جاننے سے پہلے آیئے فقہ کے متعلق جانتے ہیں کہ فقہ کتنا دقیق علم ہے اور فقہ ہے کیا؟

فقہ کے لغوی معنیٰ:۔

۱۔ فقہ لغت میں کسی چیز کے کھولنے کو کہا جاتا ہے۔

۲۔ فقہ کے معنی کسی چیز کو جاننا پھر یہ علم شریعت کے ساتھ خاص ہو گیا۔(1)

۳۔ فقہ (باب سمع سے) بمعنی کسی چیز کو جاننا اور سمجھنا

۴۔ فقہ (باب کرم سے) بمعنی فقیہ ،ہونا، علم میں غالب ہونا۔(2)

۵۔ فقہ (بکسر القاف) جاننا، اور فقہ (بفتح القاف) دوسروں کو سمجھانا، فقہ (بضم القاف) فقہ میں کمال پیدا کرنا، مہارت کا حاصل ہو جانا۔(3)

۶۔ فقہ (باب فتح سے) بمعنی پھاڑنا۔ چونکہ فقہاء مسائل کی چادر کو پھاڑ کر تحقیق کر کے احکام کا استنباط و استخراج کرتے ہیں اس لئے ان کو فقہاء کہتے ہیں۔(4)

۷۔ فقہ لغت میں فہم، سمجھداری اور ذہانت کو کہتے ہیں۔

فقیہ:۔

۱۔ ذہین اور سمجھدار شخص کو کہا جاتا ہے۔(5)

۲۔ علامہ زمخشریؒ فرماتے ہے کہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام شرعیہ کو واضح کرے اور ان کی حقائق کا سراغ لگائے اور مغلق و پیچیدہ مسائل کو واضح کرے۔

۳۔ اس عالم کو کہتے ہیں جو شریعت کے احکام کو واضح کرے۔(6)

۴۔ صوفیاء کے نزدیک وہ شخص جو دنیا سے بے رغبت ہو۔ آخرت کی طرف راغب، اپنے عیوب کو دیکھنے والا ہو۔(7)

فقہ کی اصطلاحی تعریف:۔

۱۔ فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو احکام کے ادلہ مفصلہ سے حاصل ہو۔

نوٹ: جن احکام کا تعلق عمل سے ہوتا ہے انکو احکام فرعی کہتے ہیں اور جن کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے ان کو احکام اصلی کہتے ہیں۔

۲۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کو جاننے کا نام فقہ ہے

۳۔ حضرات صوفیائے کرام کے نزدیک علم و عمل کے مجموعہ کا نام فقہ ہے۔(8)

۴۔ فقہ علم احکام شرعیہ فرعیہ عملیہ کے جاننے کا نام ہے اس حیثیت سے کہ اسکو ادلہ تفصیلہ سے مستنبط کیا جائے یعنی کتاب اللہ، سنت، اجماع اور قیاس سے۔(9)

۵۔ فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہا جاتا ہے جو احکام کے تفصیلی دلائل کے ذریعہ حاصل کیا جائے۔(10)

۶۔ امام ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تعریف اس طرح منقول ہے۔

معرفۃ النفس مالھا و ماعلیھا (فقہ ان چیزوں کے جاننے کا نام ہے جو نفس کو فائدہ پہنچائیں اور جو ان کو نقصان پہنچائیں۔(11)

۷۔امام غزالیؒ نے لکھاہے کہ عہد اولیٰ میں فقہ کا لفظی مفہوم خاص حد تک محدود نہیں تھاجیسا کہ آج کل محض نکاح وطلاق اور بیع و میراث کی تفصیلات جاننے کانام فقہ ہے۔بلکہ اس وقت راہ آخرت کے علم، آفات نفسانی، اعمال کی خرابیوں کے اسباب اور ان کی وجوہات کو جاننے اور معلوم کرنے، دنیاکو حقیر اور آخرت کو بڑی چیز سمجھنے، خوف خداکادل پر غالب آنے کانام فقہ ہے۔(12)

فقہ کاموضوع:

ا۔علم فقہ کا موضوع جائز اور ناجائز ہونے کے اعتبار سے عاقل وبالغ کا فعل اور کام ہے۔(13)

۲۔فعل المکلف ثبوتاًاو سلباً(یعنی حلال اور حرام ہونے کے اعتبار سے مکلف کا فعل فقہ کا موضوع کہلاتا ہے۔(14)

فقہ کی غرض وغایہ:

ا۔الفوز بسعادۃالدارین(یعنی دنیااور آخرت میں خوش بختی حاصل کرنافقہ کی غرض وغایت ہے۔(15)

۲۔دارین کی نیک بختی حاصل کرکے بامراد ہونا۔دارین سے مراد دنیااور آخرت ہے۔دنیاکی کامیابی تو یہ ہے کہ فقہ سے احکام شرع کاعلم ہو گاجاماموراتِ ہر عمل کیاجائے گااور منہیات سے اجتناب کیاجائے گا۔اور آخرت کی کامیابی یہ ہے کہ جنت اور نعیم جنت ملیں گی۔(16)

فقیہ کے فضائل:۔

قرآن کریم سے

ا۔شھداللہ انہ لاالہ الاھو و الملٰکتہ و اولو العلم قائماًبالقسط(اللہ نے گواہی دی ہے کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوااور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا۔)اس آیت مبارکہ میں باری تعالیٰ

نے اپنی ذات پاک سے شروع فرمایا ہے دوسرے نمبر پر فرشتوں کو ذکر کیا۔ اور تیسرے درجہ میں اہل علم کی فضیلت اور بزرگی کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

۲۔ **یرفع اللہ الذین آمنو امنکم والذین اوتو العلم درجات** (اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطاہو انکے درجے بلند کردیگا) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عام مومنین سے علماء سات سو درجات بلند ہونگے اور ہر دو درجوں کے درمیان پانچ سو برس کی راہ ہو گی۔

احادیث نبوی ﷺ سے

۱۔ **من یرد اللہ بہ خیر اًیفقہ فی الدین** (یعنی جس کے ساتھ اللہ بہتری کا اردہ کرتا ہے اسکو دین کی سمجھ دیتا ہے۔)

۲۔ **العلماء ورثۃ الانبیاء** (یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ ظاہر ہے کہ نبوت سے بڑھ کر کوئی رتبہ نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس رتبہ کی وراثت سے بڑھ کر کوئی اور اشرف نہیں۔

۳۔ **یستغفر العالم مافی السمٰوٰت والارض** (یعنی عالم کے لئے آسمانوں اور زمینوں میں جو چیز ہے مغفرت طلب کرتی ہے۔)(17)

علم فقہ وفقیہ کے کے فضائل:۔

علم فقہ وہ اہم موضوع ہے جس کے متعلق خلاصہ وغیرہ میں یہاں تک لکھدیا جاتا ہے کہ "**تعلم الفقہ افضل من تعلم معانی القرآن**"

کہنے والے نے اپنے شعر میں کہا۔

اذاما اعتز ذو علم معلم	**فعلم الفقہ اولیٰ باعتزاز**
فکم طیب یفوح ولا کمسک	**وکم طیر یطیر ولا کباذی**

یعنی اگر کوئی علم صاحب علم کے لئے ذریعہ صاحب افتخار ہو سکتا ہے۔ تو علم فقہ اس کا سب سے بہترین ذریعہ ہے اس لئے کہ بہت سی خوشبوئیں مہکتی ہیں لیکن مشک کی طرح نہیں ہوتیں۔ اور ربہت سے پرندے اڑتے ہیں لیکن باز کی طرح نہیں اڑ سکتے۔

فقہ کی فضیلت قرآن کریم سے:

و من یؤت الحکمۂ فقداوتی خیرا کثیرا۔ (اس آیت میں بہت سے مفسرین نے حکمت سے مراد فقہ لیا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: کہ علم تو بس دو ہی ہیں ایک علم فقہ جس کے بغیر دین کے احکام سے ناواقفیت رہ جاتی ہے اور دوسرا علم طب جس سے صحت انسانی کی تعمیر ہوتی ہے۔بقیہ علوم رتو صرف راحت نفس کا ذریعہ ہے۔

امام شافعیؒ کے قول کا یہ مطلب ہے کہ دو علم ضروری ہیں جس کا درجہ وجوب ہے ان کے علاوہ دیگر علم درجہ کفایت میں ہے۔(18)

علم فقہ کے متعلق شارع کا حکم:

علم فقہ کا سیکھنا فرض عین بھی ہے اور فرض کفایہ بھی۔ اتنی معلومات حاصل کرنا جن کی دین میں احتیاج واقع ہوتی ہے فرض عین ہے اور زائد از ضرورت۔ دوسروں کے نفع کے لئے حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ علم فقہ کے جمیع انواع طہارت ،نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق وغیرہ کو معلوم کرنا مندوب ہے۔(19)

علم فقہ کی اہمیت:

ا۔ انسانی کمالات کا مدار علمی و عملی کمال یہ ہے اگر عصری علوم کا دین سے تعلق نہیں ہے تو وہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق ملعون اور سراسر جہالت ہیں۔ اور دینی علوم میں، علم فقہ کی جو اہمیت اور عظیم مقام حاصل ہے وہ کسی اور علم کو حاصل نہیں قرآن کریم سمجھنے اور حدیث طلب کرنے کا آغاز فقہ ہی سے ہوتا ہے اور یہی فقہ قرآن وحدیث کا نتیجہ اور

ثمرہ بھی ہے اگر کوئی دینی طالب علم یاعالم فقہ میں کچاہو تووہ قرآن پاک اور حدیث شریف کو سمجھنے میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح اگر قرآن و حدیث پڑھ کر فارغ ہونے کے بعد علم فقہ تک رسائی نہیں ہوئی اور دلچسپی نہیں ہوئی تو اس نے اسلام کو ایک مکمل نظام زندگی اور قانون حیات کی حیثیت سے نہیں سمجھا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ وہ چھلکے میں ہی اٹک کر رہ گیا قرآن وحدیث کے مغز تک اس کی رسائی نہیں ہوئی۔

۲۔ امام محمد بن غزالیؒ نے لکھاہے کہ علم شرعی اذھو مستفاد من النبوۃ (بے شک علم فقہ علم شرعی ہے کیونکہ وہ نبوت (یعنی قرآن وحدیث) ہی سے لیا گیاہے۔(20)

۳۔ چاروں اماموں میں ایک امام حضرت امام محمد بن ادریس الشافعی (المتوفی ۲۰۴ھ) نے واضح الفاظ میں فرمایاہے (**جمیع ماتقولہ الائمہ شرح للسنۃ و جمیع شرح السنۃ شرح للقرآن**)

ائمہ کرام نے جتنی بھی باتیں بیان فرمائی ہیں وہ سب حدیث ہی کی شرح ہیں اور پورا ذخیرہ حدیث قرآن کریم ہی کی شرح ہے۔(21)

فقہ کی ضرورت:۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت فقہ اور اجتہاد کی طرف محتاج کیوں ہے ؟ اس اہم مسئلہ کو سمجھنے کے لئے چند مقدموں کا سمجھناضروری ہے۔

(پہلا مقدمہ) اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں فرمایا۔ الیوم اکملت لکم دینکم (آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے ہر طرح کامل کر دیا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اکیاسی (۸۱) دن زندہ رہے۔

(دوسرا مقدمہ) حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہے آپ پر جو دین نازل ہو اوہ اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے یہی دین قیامت تک چلے گا۔ کوئی نیا دین آسمان سے نازل نہ ہو گا۔ ان دونوں باتوں سے معلوم ہوا کہ اسلام ساری دنیا کے لئے ایک کامل مکمل نظام اور زندگی گزارنے کا ضابطہ اور طریقہ ہے ساتھ ساتھ یہ اللہ تعالیٰ کا آخری اور ابدی پیغام ہے۔

(تیسرا مقدمہ) روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ زندگی ایک حرکت کرنے والی اور بدلنے والی چیز ہے اور وہ ہر وقت اپنے دامن میں ہزاروں نئے نئے حوادثات، نئے نئے واقعات لے کر ہمارے سامنے آتی ہے۔ بدلتے ہوئے حالات کی بناء پر پیش آنے والے نئے نئے مسائل کے لئے صبح وشام علماء اسلام، مفتیان کرام، قائدین ملت، دارالافتاء کے دروازوں کی کنڈی کھٹکھٹائی جاتی رہتی ہے عبادات، رسم رواج، جنگی طریقے اور جدید ایجادات کی وجہ سے اتنے مسائل پیدا ہوگئے ہیں جن کا تصور تک پہلے زمانے میں نہیں تھا اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ ان تمام مسائل کا حل صرف اور صرف قرآن وحدیث کی روشن تعلیمات اور پاکیزہ ہدایات کی روشنی میں مل سکتی ہے ان کے علاوہ کسی اور چیز سے صحیح معنی میں ان مسائل کا حل نہیں مل سکتا۔

(چوتھا مقدمہ) یہ کہ قرآن وحدیث میں تمام مسائل کا حل اور تمام احکام کا بیان وضح طور پر تفصیل کے ساتھ موجود نہیں اس میں بھی بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں موجود ہیں اگر تمام احکام مسائل اور شرعی قوانین واضح طور پر تفصیل کے ساتھ قرآن وحدیث میں بیان ہوتے تو اجتہاد کا دروازہ ہی بند ہو جاتا۔ اور مجتہدین کے اختلاف کا وجود ہی نہیں رہتا اور امت مسلمہ کو بڑی دقت اور مشکل پیش آتی۔ کہیں سے بھی سہولت اور نرمی کی گنجائش نہیں ملتی۔

امام نوویؒ نے امام خطابیؒ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اختلاف امتی رحمۃ (میری امت کا اختلاف رحمت ہے)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام نے اہلیت اور مہارت ہونے کی شرط پر قرآن وحدیث میں بحث و تحقیق کر کے مسائل اور قوانین کو نکالنے کی اجازت دی ہے۔

ان چار مقدموں کے بعد اس بات پر ذرا غور کریں کہ اگر ہر دور کے مجہتدین خاص طور پر چاروں امام قرآن وحدیث سے نکالے گئے محکم اور دقیق اصول وضوابط کی روشنی میں ایسے قوانین اور احکام نہ نکالتے جو زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہوں اور ان دودنوں کی ایسی محکم اور تفصیلی شرح نہ کرتے جو قیامت تک پیش آنے والے غیر محدود انسانی ضروریات اور مشکلات کا حل و مکمل حل ہو، تو دین محمدی کے کامل، آفاقی اور ابدی ہونے کا دعوٰی کرنا درست نہیں ہوگا۔ جس کے بارے میں قرآن وحدیث میں یقین کے ساتھ اعلان کیا گیا ہے۔

نتیجہ کے طور پر تو یہ ماننا پڑے گا کہ دین اسلام آخری دین نہیں، کوئی اور نیا دین آنے والا ہے جس سے ان مشکلات کا حل ہوسکے یا تو یہ کہنا پڑیگا کہ ان تمام مسائل کا حل اور بیان قرآن و حدیث میں صراحت اور تفصیل کے ساتھ موجود ہے حالانکہ دونوں باتیں درست نہیں۔ جیسا کہ اوپر مقدموں سے واضح ہوچکا ہے۔

اب ان تفصیلات کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ قرآن وحدیث سے احکام نکالنے، اور خاص ضابطے کے تحت قرآن وحدیث کی محکم اور مفصل شرح کا نام "فقہ" ہے۔ جو زندگی اور زمانہ کی انفرادی اور اجتماعی ضرورت، قرآن وحدیث کی روشنی میں مشکلات اور مسائل کا ایک ایسا جامع کامل و مکمل حل ہے کہ اس سے بہتر یابرابر کا حل دنیا میں کوئی بھی مفکر یابڑاماہر قانون پیش نہیں کر سکتا۔(22)

علم فقہ کے بانی اور مدوّن:

اسلام کی ابتدا ہونے کے ساتھ اسلامی علوم کی بھی ابتدا ہوگئی اور وحی کے نزول کے زمانہ ہی سے عقائد، حدیث، تفسیر فقہ کی تعلیم شروع ہوچکی تھی مگر چونکہ خاص ترتیب اور مخصوص اسلوب کے ساتھ پہلی صدی ہجری میں "علم فقہ" کی تدوین نہیں ہوئی تھی اور اس کو فن کی حیثیت بھی حاصل نہیں تھی۔ اس لئے وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہیں ہوا۔ پھر دوسری صدی ہجری میں امام اعظم ابوحنیفہؒ نے باقاعدہ اصول وضوابط کے تحت ایک مخصوص انداز فکر کے ساتھ فقہ کو مدون اور مرتب کیا۔ اور اسکو مستقل ایک فن کی شکل دی۔ اس لئے ان کو اس فن کا بانی اور مدون کہا جاتا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی شافعیؒ نے اپنی کتاب " تبیض الصحیفۃ مناقب ابی حنیفہ " میں نقل کیا ہے کہ ابو حنیفہؒ پہلے آدمی ہے جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا۔ اور فقہی ابواب پر ترتیب دیا۔ اور پھر ان کے نقش قدم پر چل کر امام مالکؒ نے موطا مالک لکھی۔

امام موفق نے " مناقب ابی حنیفہؒ " میں لکھا ہے کہ علم شریعت کے سب سے پہلے مدون ابو حنیفہ ہیں اور تدوین شریعت سے مراد شریعت کے مسائل کو فقہی ابواب پر ترتیب دینا ہے۔ اس کا دوسرا نام " تدوین فقہ " ہے۔

خطیب نے " تاریخ بغداد " میں صحاستہ کے راوی مشہور محدث نفر بن شمیل کا قول نقل کیا ہے کہ " لوگ فقہ سے غافل تھے ابو حنیفہ نے قرآن و حدیث کی تشریح اور تلخیص کر کے گرہ کو کھولا۔ اور مشکل کام کو آسان کر کے دکھایا پھر لوگ بیدار ہوئے اور غفلت سے نکلے اور فقہ پر کام کیا۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ علم فقہ کے بانی اور مدون امام اعظم ابو حنیفہؒ ہی ہیں۔

تدوین فقہ کی ضرورت:

قرآن مجید اسلام کا بنیادی اور اساسی قانون ہے۔ اللہ رب العزت کا کلام ہے۔ اور تمام کلاموں کا سردار اور بادشاہ ہے لیکن ضرورت کے مطابق اس سے قانونی دفعات اور جزوی مسائل کو نکالنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں جزوی مسائل ہیں ہی نہیں۔

بلکہ اکثر و بیشتر اصولی اور اجمالی طور پر بیان ہوا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں بہت ساری قانونی دفعات موجود ہیں مگر ہر آدمی احادیث کا حافظ نہیں ہے اور ہر آدمی میں قرآن و حدیث کو دیکھ کر پیش آنے والے مسائل کو نکالنے کی مہارت اور ملکہ نہیں ہوتا۔ پھر مزید یہ کہ ہزاروں مسائل ایسے بھی ہیں جن کی تصریح اور صاف حکم قرآن مجید۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور صحابہ کرام کے اقوال میں موجود نہیں ہے۔ ان مسائل کے احکام کو قرآن وسنت سے نکالنے کے لئے اجتہاد اور استنباط کے ملکہ اور مہارت کی ضرورت ہے تو ان حالات میں ایسی قانونی ایک کتاب یا

متعدد کتابوں کی ضرورت ہے جس میں موجودہ تمام مسائل اور مستقبل میں پیش آنے والے تمام مسائل کے جوابات قرآن وسنت سے نکال کر فقہی ابواب پر مرتب کرکے جمع کر دیئے گئے ہوں تاکہ جب بھی کسی کو کوئی مسئلہ پیش آجائے تو اس کا حکم معلوم کرنے کے لئے ان کتابوں سے رجوع کرے اور اپنا مسئلہ حل کرلے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے زمانے میں اس کام کی شدید ضرورت محسوس ہوئی اور امام صاحب نے اس بارے میں بڑا غور وخوص کیا۔ پھر انہیں خیال آیا کہ اگر فقہ اسلام کی تدوین کا کام ذاتی طور پر انجام دوں تو شاید اسے حکومتی اور عوامی حلقوں میں وہ اعتماد حاصل نہیں ہوسکے گا جو کسی اجتماعی اور جمہوری کوشش کو ہوسکتا ہے۔ لہذا انہوں نے اپنے اس عظیم الشان منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے فقہ وحدیث کے ماہرین پر مشتمل ایک بڑی جماعت اپنے ساتھ بنالی اور فقہ کی تدوین کا کام انجام دیا۔ (23)

تدوین فقہ کی مجلس:۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس بڑے بڑے ماہرین فن افراد کا انتخاب کیا۔ عبد القادر قرشیؒ نے "الجواھر الفقھیہ" میں لکھا کہ امام طحاویؒ نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس مجلس کے اراکین کی تعداد چالیس تھی یہ سب حضرات اجتہاد کے درجہ کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان چالیس میں سے دس بارہ حضرات کی ایک اور خصوصی مجلس تھی۔ جس کے ارکان امام ابو یوسف، امام زفر، داؤد طائی، احمد بن عمر، یوسف بن خلد، یحی بن ابی زائدہ، امام محمد اور خود امام ابو حنیفہؒ تھے۔ (24)

ادلہ تفصیلیہ جن سے علم فقہ ماخوذ ہے چار ہیں ۱۔ کتاب اللہ ۲۔ سنت رسول اللہ ۳۔ اجماع امت ۴۔ قیاس شرعی

۱۔ تعریف کتاب اللہ:۔ کتاب اللہ اگرچہ کسی تعارف یا تعریف کی محتاج نہیں اس لئے کہ یہ ایک ۔۔۔۔۔ کلام ہے مگر بعض مصلحتوں کے پیش نظر علماء اصول فقہ نے یوں تعریف کی ہے۔ " ھو القرآن المنزل علی رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام المکتوب فی المصاحف المنقول عنہ نقلاً متواتراً بلا شبھۃ" (یعنی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ﷺ پر نازل ہوا اور مصاحف میں منقوش ہوا اور ہم تک تواتر کے ساتھ بلاشبہ منقول ہے۔

پھر قرآن کریم اگرچہ فقہ کا ماخذ ہے مگر کل قرآن نہیں بلکہ خصوصیت سے آیات الاحکام ماخذ ہے جو پانچ سو کے ارد گرد ہیں۔

۲۔ تعریف سنت رسول ﷺ:۔ فقہ کا دوسرا ماخذ سنت رسول اللہ ہے سنت کا لغوی معنی طریقہ اور عادت ہے اور فقہاء کی اصلاح میں سنت وہ ہے جس پر حضور ﷺ نے کبھی کبھار ترک کے ساتھ ہیشگی فرمائی ہو۔ مگر اصولین کی اصطلاح میں سنت کے اطلاق میں وسعت ہے۔

چنانچہ صاحب نور الانوار نے یوں تعریف کی ہے۔

"السنۃ تطلق علی قول الرسول ﷺ وفعلہ وسکوتہ وعلی اقوال الصحابہ وافعالہ (یعنی سنت کا اطلاق رسول ﷺ کے قول، فعل اور سکوت پر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ صحابہ کرام کے اقوال وافعال پر بھی سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔

حجیت سنت: سنت کی حجیت کلام اللہ سے ثابت ہے کہ قال اللہ تعالیٰ (**وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ**) یعنی آپؐ اپنی خواہش سے باتیں نہیں بناتے ہیں آپؐ کا ارشاد خالص وحی ہے

۳۔ اجماع کی تعریف:۔ فقہ کا تیسرا ماخذ اجماع ہے اجماع کا لغوی معنی ہے عزم اور اتفاق کرنا اصولیین نے اجماع کی اصطلاحی تعریف یوں کی ہے۔

" اتفاق المجتھدین من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی کل عصر علیٰ امر من الامور (یعنی رسول ﷺ کی امت کے مجتہدین کا کسی زمانے میں کسی معاملہ پر متفق ہونا اجماع کہلاتا ہے۔

<u>حجیت اجماع:۔</u> حجیت اجماع کلام اللہ سے ثابت ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (**کذالک جعلنا کم امۃ وسطًا لتکونوا شھداء علی الناس**) اسی طرح ہم نے بنایا تم کو بہترین امت تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔

سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے قرطبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ اجماع امت کے حجت ہونے پر دلیل ہے کیونکہ جب اس امت کو اللہ تعالیٰ نے شہداء قرار دے کر دوسری امتوں کے بالمقابل ان کی بات حجت

بنادیاتوثابت ہوا کہ اس امت کا(کسی مسئلہ پر)اجماع حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے اس طرح کہ صحابہؓ کا اجماع تا بعین کا اجماع تبع تابعین ہر حجت ہے۔(25)

رسول اللہ کا ارشاد ہے(ان اللہ لا یجمع امتی افعال امتہ محمد علی خلا بقہ)یعنی اللہ تعالیٰ نے میری امت کو یہ فرمایا کہ امت محمد ﷺ کو گمراہی پر جمع نہیں کریگا۔

۴۔**تعریف قیاس:۔** فقہ کا چوتھا ماخذ قیاس ہے۔قیاس کا لغوی معنی ہے اندازہ لگانا،برابر کرنا۔جیسا کہ کہا جاتا ہے(قاس النعل بالنعل)کہ انہوں نے جوتے کو دوسرے جوتے کے ساتھ برابر کر دیا۔تو قیاس شرعی میں بھی فرع کو حکم میں اصل کے مماثل اور برابر کیا جاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف صاحب نور الانوار نے یوں کی"**تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم و العلۃ**"یعنی فرع کو اصل کے ساتھ حکم اور علت میں مساوی اور برابر کرنا۔

حجیت قیاس:۔ حجیت قیاس کتاب اللہ سے ثابت ہے

ا۔باری تعالیٰ کا ارشاد ہے(فاعتبروا یااولی الأبصار)یعنی اے آنکھوں والوں اعتبار کرو۔اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل بصیرت کو اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور فقہاء کرام نے اعتبار کا معنی یوں کیا ہے۔" رد الشی الی نظیرہ ای الحکم علی الشی بماھو ثابت لینظیرہ"(کسی شئی کو اس کی نظیر کی طرف پھیرنا یعنی شئی پر وہ حکم لگانا جو اسکی نظیر میں ثابت ہے۔

۲۔معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے جب حضورؐ نے آپ کو یمن کا گورنر مقرر کیا تو رخصت کرتے وقت آپؐ نے پوچھا اے معاذ جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ آجائے اور مقدمہ پیش تو تو کس چیز کے ساتھ فیصلہ کروگے تو آپؓ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ اس پر آپؐ نے فرمایا اگر تم کتاب للہ میں نہ پاؤ تو؟ عرض کیا رسولؐ اللہ کی سنت کے ساتھ آپؐ نے فرمایا اگر ان دونوں میں اس معاملہ کا حل نہ پاؤ تو؟ آپؓ نے عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا اس پر آپؐ نے

فرمایاسب تعریفیں اس ذات کے لئے ہے جس نے اپنے رسول اللہ کے رسول کو اس بات کی توفیق دی کہ جس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اسکو پسند کرتا ہے

۳۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے (**اذاحکم الحاکم فااجتھد فاصاب فلہ اجران فان اخطأ فلہ اجر واحد**) یعنی جب کوئی حاکم کسی معاملہ میں حکم کے لئے اجتہاد کرے اور اس اجتہاد میں وہ مصیب ہے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر وہ مخطی ہے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔(26)

یہ چند سطور ہم نے فقہ سے متعلق لکھیں اب اپنے ممدوح وموصوف حضرت اقدس لدھیانویؒ کی تدریسی خدمات دیکھتے ہیں۔

تدریسی خدمات:

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو بے پناہ صلاحتیں اور کمالات عطا کئے تھے حضرت شہید نے جس طرح دین کے دوسروں شعبوں میں بے نظیر اور انتہائی درجہ کی خدمات انجام دی اسی طرح آپ کو تدریس میں بھی بلا کی مہارت تھی۔ اور خاص کر فقہی کتابوں کی تدریس میں آپ اپنی نظیر آپ تھے۔ حضرت نے درس نظامی میں پڑھائی جانے والی تقریباً تمام فقہی کتابیں پڑھائیں ہیں۔

انداز تدریس:۔

آپ جب کوئی مسئلہ سمجھاتے تو انداز ایسے سہل ہوتا کہ غبی سے غبی طالب علم کو بھی مسئلہ سمجھ آجاتا، اور کسی اختلافی مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے آپ پہلے اختلاف کو اچھی طرح واضح فرماتے اس کے بعد فریقین کے دلائل ترتیب وار بیان کرتے حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید کے تدریسی انداز کو مولانا اسلم گوجرہ صاحب نقل کرتے ہیں۔

"مدرسہ احیاالعلوم ماموں کانجن میں علم وفن کی درسی متداول اور غیر متداول تمام کتابیں حضرت اقدس نے پڑھائیں اور پڑھانے کا حق ادا کر دیا۔ بغیر مطالعے کے اسباق پڑھانے کا قطعا معمول نہ تھا، طلباء سے باقاعدہ سبق سنتے تھے

ہفتہ بھر کے آموختہ کو سنتے عبارت کی صحت کا بہت اہتمام تھا، ترجمہ کی ضرورت محسوس فرماتے تو ترجمہ بھی کرتے ورنہ سبق کی تقریر ایسی ذہن نشین، سہل الحصول، مختصر، جامع اور مطلب خیز فرماتے کہ غبی طالب علم بھی سمجھ جاتا، مشکل اور پیچیدہ مقام اور سبق سے پہلے بتلائے بغیر سمجھاتے اور ذہن نشین کروانے کے بعد فرماتے یہ ہے وہ مسئلہ جو معرکۃ الاراء، دقیق اور مشکل سمجھا جاتا ہے طلباء کے لئے بھی اگلے سبق کا مطالعہ ضروری تھا۔ جس میں عبارت کی تصحیح، صرف نحو قواعد کا لحاظ رکھنا ترجمہ اور مطلب بیان کرنا شامل ہوتا۔"(27)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو فقہ سے خاص لگاؤ تھا یہی وجہ ہے کہ آپ آخر دم تک فقہی شعبہ سے وابستہ رہے یہاں تک کہ جب آپ کو شہید کیا گیا ان دنوں بھی آپ معروف کتاب " المعتمد فی المعتقد" کا ترجمہ فرما رہے تھے جس کو آپ نے شہادت سے ایک روز قبل تک تحریر فرمایا ہے۔ قاری سعید الرحمن حضرت اقدس لدھیانوی شہید کے ایک سفر کا واقعہ بیان کرتے ہیں جو کہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی زندگی کا آخری سفر تھا۔

"مولانا یوسف لدھیانوی شہید مسلسل ایک کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے میں نے پوچھا کون سی کتاب ہے جو اس قدر غور سے مطالعہ فرما رہے ہیں۔ فرمایا: علامہ فضل اللہ تورپشتی کی فارسی کتاب " المعتمد فی المعتقد" ہے جو عقائد میں ایک نایاب اور معتمد علیہ کتاب ہے اس کا اردو ترجمہ کرنا ہے، کتاب میں ایک لفظ کے بارے میں فرمایا اس کو آپ بھی دیکھیں یہ کیا ہے؟ میں نے غور سے دیکھنے کے بعد عرض کیا کہ میرے خیال میں یہ لفظ ایسا ہے اور اسکے معنی غالباً یہ ہیں فرمانے لگے میرا بھی یہ ہی خیال ہے، فرمانے لگے! میرا اور آپ کا توارد طالب علمی کے دور سے چلا آرہا ہے، یہ کتاب شاید مولانا کی ان کتابوں میں سے آخری تھی جو آپ کے زیرِ مطالعہ تھی اور جس کا آپ ترجمہ فرما رہے تھے۔"(28)

اس طرح حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ شہادت تک کتابوں سے اور تعلیم و تصنیف سے منسلک رہے۔

فصل دوم: افتاء تصنیفات

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اپنے دور کی ایک عظیم شخصیت تھی آپ نے دین، تعلیم، تدریس کے باب میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ آپ نے افتاء و تصنیف کے کمالات امت کے سامنے پیش کئے اور اس سلسلے میں آپ کی خدمت کا عظیم شہکار آپ کی تصنیف "آپ کے مسائل اور ان کا حل" ہے جس میں تقریبا مسائل جمع کئے گئے جو کہ در حقیقت آپ سے وقتا فوقتا مختلف موقع پر پوچھے جانے والے اور جنگ اخبار کے صفحہ اقراء پر "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے عنوان سے شائع ہونے والے مسائل ہیں حضرت اقدس کی لیاقت و فطانت بے نظیر تھی جس کا کچھ تذکرہ گزشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے۔ حضرت اقدس کی افتاء کی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے تا کہ آپ کی اس باب کی خدمات قارئین کے سامنے واضح ہوں۔

معاملے کی حقیقت تک رسائی:۔

کسی بھی صاحب فتویٰ کے لئے ضروری ہے کہ کوئی سائل اس سے سوال کرے تو اس سوال پر خوب غور و خوض کرے اور اصل معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرے چنانچہ آداب الفتوی المفتی والمستفتی میں لکھا ہے

"لیتأمل الرقعة تاملا شافیا۔"

(مفتی) کو چاہیے کہ سوالیہ رقعہ پر خوب اطمینان سے غور کریں

حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ بھی اکابرین کے اس اصول کے مطابق جب آپ کے پاس کوئی سائل آتا تو آپ اس کے سوال پر خوب غور فرماتے اس کے بعد اسے جواب دیتے اس کی چند مثال ہم یہاں بیان کر رہے ہیں۔

ا۔ ایک خاتون اپنے سسرالی معاملات میں جھگڑے کے مسائل لکھ کر آپ سے حل پوچھا تو حضرت اقدس نے جواب تحریر فرمایا:

’’آپ کا خط غور سے پڑھا، ساس، بہو کا تنازع تو ہمیشہ سے پریشان کن رہا ہے اور جہاں تک تجربات کا تعلق ہے اس میں قصور عموماً کسی ایک طرف کا نہیں ہوتا بلکہ دونوں طرف کا ہوتا ہے ساس، بہو کی ادنی ادنی باتوں پر تنقید کیا کرتی اور ناک بھوں چڑھایا کرتی ہے اور بہو جو اپنے میکے میں ناز پر وردہ ہوتی ہے، ساس کی مشفقانہ نصیحت کو بھی اپنی توہین تصور کرتی ہے یہ دوطرفہ نازک مزاجی مستقل جنگ کا اکھاڑہ بن جاتی ہے۔‘‘(29)

مذکورہ جواب میں حضرت اقدس یوسف لدھیانوی شہید نے معاملے کی حقیقت کو چند جملوں میں آشکارہ کر دیا۔

۲۔ایک صاحب نے معاشرے میں رائج چند دعاؤں کے بارے میں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید سے پوچھا سوال: میں نے اربعین نووی پڑھی جس کے صفحہ ۱۶۸ پر دعائے گنج لعرش، درود لکھی، عہد نامہ وغیرہ کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے میں چند دعاؤں کو آپ کی رائے شریف کی روشنی میں دیکھنا چاہتا ہوں، ان دعاؤں کے شروع میں جو فضیلت لکھی ہوئی ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہوں گے، زیادہ ہی فضیلت ہے جو تحریر نہیں کی جا سکتی، کیا یہ لوگوں نے خود تو نہیں بنائیں؟

آپ صرف یہ جواب دیں ان میں سے کون سی دعا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور کون سی نہیں؟ اگر ثابت ہے تو جو شروع میں فضیلتیں قرآن و حدیث سے ثابت ہیں؟ اگر نہیں تو کیا ہم کو ان دعاؤں کو پڑھنا چاہیے یا کہ نہیں؟ کیا دشمنان اسلام کی سازش تو نہیں؟ دعائیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔وصیت نامہ ۲۔درود ماہی ۳۔درود لکھی ۴۔دعائے گنج العرش ۵۔دعائے جمیلہ

۶۔دعائے عکاشہ ۷۔عہد نامہ ۸۔درود تاج ۹۔دعائے مستجاب

حضرت جواب میں تحریر فرماتے ہیں

’’وصیت نامہ‘‘ کے نام سے جو تحریر چھپتی اور تقسیم ہوتی ہے، وہ تو خالص جھوٹ ہے اور یہ جھوٹ تقریباً ایک صدی سے برابر پھیلایا جا رہا ہے اسی طرح آج کل ’’معجزہ زینب علیھا السلام‘‘ اور ’’بی بی سیدہ کی کہانی‘‘ بھی سو جھوٹ گھڑ کر پھیلائی

جارہی ہے۔

دیگر درود و دعائیں جو آپ نے لکھی ہیں وہ کسی حدیث میں تو وارد نہیں نہ ان کی کوئی فضیلت ہی احادیث میں ذکر کی گئی ہے جو فضائل ان کے شروع میں درج کیے گئے ہیں۔ ان کو صحیح سمجھنا ہرگز جائز نہیں، کیونکہ یہ خالص جھوٹ ہے، اور جھوٹی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا وبال عظیم ہے، جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے یہ بات تو قطعی ہے کہ یہ الفاظ خدا اور رسول کے فرمودہ نہیں ہے بلکہ کسی شخص نے محنت و ذہانت سے ان کو خود تصنیف کر لیا ہے ان میں سے بعض الفاظ فی الجملہ صحیح ہیں، اور قرآن و حدیث کے الفاظ سے مشابہ ہیں، اور بعض الفاظ و قواعد شرعیہ کے لحاظ سے صحیح بھی نہیں، خدا اور رسول ﷺ کے ارشادات تو کیا ہوتے!

یہ کہنا مشکل کہ ان دعاؤں اور درود کا رواج کیسے ہوا؟ کسی سازش کے تحت یہ سب کچھ ہوا ہے یا کتابوں کے ناشروں نے مسلمانوں کی بے علمی سے فائدہ اٹھایا ہے؟ ہمارے اکابرین ان دعاؤں کے بجائے قرآن کریم اور حدیث نبوی کے منقول الفاظ کو بہتر سمجھتے ہیں اور اپنے متعلقین اور احباب کو ان چیزوں کے پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔(30)

موقع شناسی:

ایک باکمال مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ موقع شناس ہو یعنی وہ اس بات کا ادراک رکھتا ہو کہ کس سوال کا جواب مختصر دیا جائے اور کس سوال کا جواب تفصیل سے دیا جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ بھی بہت ہی موقع شناس تھے آپ جہاں تفصیلی جواب کی ضرورت ہوتی آپ خود تفصیل سے جواب مرحمت فرماتے تھے، لہذا ملاحظہ کیجئے۔

ایک صاحب نے میت کی طرف سے نماز، روزے کے فدیہ کے بارے مین سوال کیا آپ نے تفصیل سے پورا مسئلہ تحریر فرمایا کہ تمام مسلمانوں کو اس کا علم ہونا چاہیے۔ حضرت اقدس جواب لکھتے ہیں

"مرحوم کی طرف سے فدیہ کے چند مسائل ذکر کرتا ہوں، تمام مسلمانوں کو ان مسائل کا علم ہونا چاہیے۔ اوّل: جو شخص ایسی حالت میں مرے کہ اسکے ذمہ روزے ہوں یا نمازیں ہوں اس پر فرض ہے کہ وصیت کر کے مرے کہ اس کی نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے، اگر اسنے وصیت نہیں کی تو گنہگار ہو گا۔

دوم: اگر میت نے فدیہ کرنے کی وصیت کی ہو تو میت کے وارثوں پر فرض ہو گا کہ مرحوم کی تجہیز و تکفین اور ادائے قرضہ جات کے بعد اسکی جتنی جائیداد باقی رہی اس کی تہائی جس سے اس کی وصیت کے مطابق اس کی نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا کریں

سوم: اگر مرحوم نے وصیت نہیں کی یا اس نے مال نہیں چھوڑا، لیکن وارث اپنی طرف سے مرحوم کی نماز روزوں کا فدیہ ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے توقع ہے کہ فدیہ قبول کر لیا جائے گا۔

چہارم: ایک روزے کا فدیہ صدقہ فطر کے برابر ہے یعنی تقریباً پونے دو کلو غلہ، پس ایک رمضان کے تیس روزوں کا فدیہ ساڑھے باون کلو ہوا، اور تین رمضانوں کے نوے روزوں کا فدیہ 157.5 کلو غلہ ہوا۔ اسی کے مطابق مزید حساب کر لیا جائے۔

اسی طرح ہر نماز کا فدیہ بھی صدقہ فطر کے مطابق ہے اور وتر سمیت دن رات کی چھ نمازیں ہیں (پانچ فرض اور ایک واجب) پس ایک دن کی نمازوں کا فدیہ ساڑھے دس کلو ہوا۔ اور ایک مہینے کی نمازوں کا فدیہ ۳۱۵ کلو ہوا، اور ایک سال کی نمازوں کا فدیہ ۳۷۸۰ کلو غلہ ہوا۔ مرحوم کے ذمہ جتنی نمازیں اور جتنے روزے رہتے ہوں اسی حساب سے ان کا فدیہ ادا کیا جائے۔

پنجم: جو حکم رمضان کے فرض روزوں کا ہے وہی نذر (منت) کے واجب روزوں کا بھی ہے پس اگر کسی نے کچھ روزوں کی منت مانی تھی پھر ان کو ادا نہیں کر سکا تھا کہ انتقال ہو گیا تو ہر روزے کا فدیہ مندرجہ بالا شرح کے مطابق ادا کیا جائے۔

ششم:اگر وارث کے پاس اتنامال نہیں کہ مرحوم کی جانب سے نمازوں اور روزوں کے سارے فدیہ یکمشت ادا کر سکے تو تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کرنا بھی جائز ہے۔(31)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے جہاں اس مسئلہ کی پوری تفصیل کی وہیں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت کا انداز انتہائی تفہیمانہ ہے کہ ہر عامی شخص مسئلہ کی تفصیل ذہین نشین کر سکتا ہے۔

عیسائی عورت سے نکاح:

اکثر لوگ بیرون ملک جاتے ہیں اور وہی ملازمت کی خاطر یا اس ملک کا رہائشی اقامہ حاصل کرنے کی خاطر غیر مسلم عورت سے شادی کر لیتے ہیں جس سے ایک مسلمان مرد کے لئے دینی و ایمانی اعتبار سے کئی نقصان ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی قسم کا ایک سوال حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کے پاس آیا آپ نے اس سوال کا تفصیلی جواب مرحمت فرمایا، سوال و جواب ملاحظہ کیجئے۔

س: کوئی مسلمان اپنی مسلمان بیوی کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کسی غیر مسلم ملک میں صرف ملازمت کی خاطر عیسائی عورت سے شادی کر سکتا ہے کہ نہیں اور ایسا کرنے کی شکل میں اس کا پہلا نکاح کیسا ہو گا؟ باقی رہے گا؟ وہ مسلمان (عورت) اس کے لئے حلال ہو گی؟ اور اس مسلمان شخص کا ایمان باقی رہے گا اور اس کی کمائی، دولت مسجد میں لگانا کیسا ہو گا؟

جواب:۔۔۔پہلے سے مسلمان بیوی کا نکاح میں ہونا تو عیسائی عورت کے ساتھ نکاح سے مانع نہیں البتہ چند دیگر وجوہ کی بنا پر ایسی شادی ناجائز ہے۔

اولا:۔ اہل کتاب کی جن عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے ان سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو دارالاسلام کے شہری ہوں جن کو ذمی کہا جاتا ہے، دارالکفر کے باشندے مراد نہیں، لہذا اسلامی مملکت کی ذمی عورتوں سے، جب کے وہ اہل کتاب دارالحرب میں رہتے ہیں ان کی عورتوں سے نکاح مکروہ تحریمی ہے (اور مکروہ تحریمی، حرام کے قریب ہونے کی وجہ

سے ناجائز کہلاتا ہے)لہذا یہ نکاح منعقد تو ہو جائے گا مگر مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہو گا اور ایسا کرنے والا گناہ گار ہو گا۔

ثانیاً:۔۔اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ واقعتاً اہل کتاب ہوں بھی، محض نام کے عیسائی یہودی نہ ہوں، آج کل کے بہت سے یہود و نصاری صرف نام کے یہودی، عیسائی ہیں ورنہ واقع کے اعتبار سے وہ قطعا ملحد ہوتے ہیں وہ نہ کسی کتاب کے قائل ہیں نہ کسی نبی کے نہ دین و مذہب کے، اگر ایسی عیسائی عورت ہو جو صرف قومی طور پر عیسائی کہلاتی ہے، واقعتا ملحد اور لادین ہو، اس کے ساتھ نکاح منعقد ہی نہیں ہو گا اور ایسا جوڑا شرعی نقطہ نظر کے لحاظ سے بدکاری و زناکاری کا مرتکب شمار ہو گا۔

ثالثا۔۔: کسی مسلمان نے اہل کتاب کی عورت سے شادی کی ہو تو شرعی قانون کے لحاظ سے اولاد مسلمان شمار ہو گی، لیکن دیار غیر میں عیسائی عورتوں سے جو شادیاں رچائی جاتی ہیں ان سے پیدا ہونے والی اولاد اپنی ماں کا مذہب اختیار کر لیتی ہے بلکہ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے یہ جوڑا طے کر لیتا ہے کہ آدھی اولاد شوہر کی ہو گی اور آدھی بیوی کے مذہب پر ہو گی، اگر ایسی شرط لگائی جائے تو ایسی شادی کرنے والا مسلمان یہ شرط لگاتے ہی مرتد ہو جائے گا، کیونکہ اپنی اولاد کے کافر ہونے کو گوارا کر لیا اور اس پر رضامندی دے دی اور کسی کے کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔لہذا ایسی شرط لگاتے ہی یہ شخص ایمان سے خارج ہو کر مرتد ہو جائے گا اور اسکی پہلی بیوی نکاح سے خارج ہو جائے گی۔

رابعا۔۔۔ہمارے بھولے بھالے نوجوان امریکہ وغیرہ کی شہریت حاصل کرنے اور روٹی کمانے کا ذریعہ پیدا کرنے کی خاطر عیسائی عورتوں کے چکر میں تو پڑ جاتے ہیں لیکن ان ممالک کے قانون کے مطابق چونکہ طلاق کا حق مرد کے بجائے عورت کو حاصل ہے لہذا ایسی عورتیں جن کے جال میں ہمارے بھولے بھالے نوجوان پھنسے تھے ان کو طلاق دے کر گھر بار پر بھی اور اولاد پر بھی قبضہ کر لیتی ہیں اور یہ شوہر صاحب " خسر الدنیاوالاخرۃ" کا مصداق دونوں جہاں میں راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے چونکہ فقہ کا قاعدہ ہے " المعروف کالمشروط" یعنی جس چیز کا رواج اور عرف ہو اس کو ایسا سمجھنا چاہیئے کہ گویا عقد

کے وقت اس کی شرط رکھی گئی تھی لہذا ان ممالک کے عرف کے مطابق گویا یہ شخص اس شرط پر نکاح کر رہا ہے کہ عورت جب چاہے گی اس کو طلاق دے کر بچوں پر قبضہ کر لے۔

ان وجوہات کی بناء پر غیر ممالک میں مسلمان نوجوانوں کا عیسائی عورتوں سے شادی کرنا ناجائز ہے اور دوسری وجہ کی بنا پر نکاح منعقد ہی نہیں ہو گا اور تیسری وجہ چونکہ موجب کفر ہے اس لئے اس صورت میں اس کا پہلی بیوی سے نکاح فسخ ہو جائے گا اور چوتھی وجہ میں بھی اندیشہ کفر ہے البتہ اگر کوئی کفریہ شرط نہیں رکھی گئی تھی اور نہ معروف تھی تو پہلی بیوی اس کے نکاح میں رہے گی مگر یہ شخص عیسائی عورت سے نکاح کرنے پر گناہ گار ہو گا۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم با لصواب۔(32)

مندرجہ بالا سطور میں حضرت نے انتہائی تفصیل اور وضاحت سے مسئلہ تحریر فرمایا جو ہر اس شخص کے لئے لائحہ عمل ہے جو اس قسم کے مسائل سے دوچار ہے۔

جدید مسائل:۔

ایک مفتی وصاحب کمال عالم دین کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ عصر حاضر میں رونما ہونے والے مسائل اور ان کے فقہی و شرعی حل کا مکمل علم رکھتا ہو اور جدید دور کے جدید مسائل میں لوگوں کی صحیح شرعی رہنمائی کر سکتا ہو۔ بیسویں صدی ایک عجیب صدی ہے اس میں ہر چیز کو ترقی ملی ہے صنعت حرفت، عسکری قوت، سائنسی ایجادات وغیرہ اور ایسی بہت سی چیزوں نے ترقی پائی ہے سائنسی ایجادات کے ساتھ ساتھ سائنسی نظریات کو بھی بہت فروغ ملا۔

چنانچہ ان نئی ایجادات ٹیکنالوجی کے مسلم ممالک میں آنے سے ان کے جائز و ناجائز، حلال اور حرام کی بحث بھی ہوئی اور حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے سامنے بھی کچھ مسائل آئے اور لوگوں نے آپ سے ان مسائل میں شرعی نقطہ نگاہ پوچھا، آپ نے نہ صرف ان مسائل کا جائز یا ناجائز ہونا واضح کیا بلکہ آپ نے اپنے ذوق کے مطابق ان مسائل کی پوری تحقیق کر کے مسلمانوں کو ان کے بارے میں آگاہی دی اور رہنمائی فرمائی۔ چند مسائل نمونے کے طور پر یہاں درج کرتے ہیں۔

ا۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا جاچکا ہے کہ بیسویں صدی میں ہر فن میں ترقی ہوئی تو علم طب میں ترقی ہو کر وہ علاج سامنے آئے جو پہلے ناممکن تھے۔ چنانچہ نئے طریقہ علاج میں اعضاء کی پیوند کاری اور خون کے عطیہ دینا جیسے مسائل سامنے آئے تو عوام الناس نے مفتیان کرام سے اس بارے میں رجوع کیا اور خاص کر وقت کے محدث و مفکر عظیم شخصیت حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کی طرف بھی رجوع کیا۔ آپ نے نہ صرف خود جواب مرحمت فرمایا بلکہ وقت کے تمام بڑے مفتیان کرام کی تحقیق امت کے سامنے پیش کر کے مسٔلہ کو حل کر دیا ملاحظہ کیجئے۔

س:۔ مولانا صاحب! آج کل انسانی اعضاء کی پیوندکاری کا سلسلہ چلا ہوا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ نئی تحقیقات اور سائنسی ایجادات نے ہمارے لیے ایک چیلنج کی شکل اختیار کرلی ہے، بعض لوگ ان تحقیقات سے نفع اٹھانے کو عقل مندی اور اس سلسلے کی غیر شرعی تحقیقات سے بچنے والے کو تنگ نظر کہتے ہیں اس طرح خون چڑھانے کا مسٔلہ بھی ہے آپ اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

ج:۔ اس سلسلے میں حال ہی میں حضرت مفتی صاحب مد فیضھم کی تازہ تالیف "انسانی اعضاء کی پیوندکاری" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ جس میں ان دونوں مسائل کے بارے میں متعدد علمائے کرام جن کے اسماء گرامی مفتی صاحب نے تمہید میں ذکر کر دیئے ہیں) کی متفقہ تحقیق کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کے دلائل کی روشنی میں درج کی گئی ہے اس کا مختصر سا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، تفصیلی دلائل کے لئے اصل کتاب کا مطالعہ فرمایئے۔

تمہید:۔ زیر نظر مسٔلہ انسانی خون اور انسانی اعضاء کے تبادلے کا معالہ اس زمانے میں ایک ابتلائے عام کا معاملہ ہے، اور مسٔلہ کتب فقہ میں منصوص نہیں۔ جب اس کے متعلق پاکستان اور بیرون پاکستان سے متعدد سوالات آئے تو احقر (مفتی صاحب) نے سنت اکابر کے مطابق مناسب سمجھا کہ انفرادی رائے کے بجائے ماہر علماء کی ایک جامعیت اس مین غور و فکر بحث و تمحیص کر کے کوئی رائے متعین کرے چنانچہ اس کے لئے ایک سوال نامہ مرتب کر کے فقہ و فتویٰ کے مراکز پاکستان میں کراچی، ملتان، پشاور وغیرہ اور انڈیا میں دیوبند، سہارنپور، دہلی وغیرہ میں بھیجے، اکثر حضرات کے جوابات موصول ہوئے، توان پر بھی اجتماعی غور فکر مناسب تھا، مگر ملک گیر وسائل بھی آسان نہ تھے، اس کے لئے جتنے وقت فاور

طویل فرصت کی ضرورت تھی اس کا میسر ہونا بھی دشوار تھا، اسلئے بحکم "**مالا یدرک کله لا یترک کله**" یہ صورت اختیار کی کہ صرف کراچی کے اہل فتوی علماء کا اجتماع کر کے ان پر غور کیا جائے اور یہ اجتماع جس نتیجے پر پہنچے اس کو منضبط کر کے ملک اور بیرون ملک کے ارباب فتوی کے پاس بھیج کر ان کی آراء اور فتاوٰی حاصل کیئے جائیں تا کہ یہ ماہرین اہل فتوی کا اجتماعی فتوی ہو سکے۔(33)

اس کے بعد حضرت نے اس مسئلہ میں ہونے والے اجتماعات اور اس میں شرکت کرنے والے اہل فتاوی و علماء اعظام کے اسماء گرامی تحریر فرمائیں پھر اصل مسئلہ پر چند اصولی مقدمات تحریر فرمائیں دیکھیے۔

"چند اصولی مسائل"

مسائل کی تفصیل سے پہلے چند اصولی باتیں سمجھ لینا ضروری ہے تا کہ آنے والے مسائل کے سمجھنے میں سہولت ہو۔

اوّل :۔ ہر حرام چیز انسان کے لئے مضر ہے۔ خدائے حکیم وبرتر نے جن چیزوں کو بندوں کے لئے حرما و ممنوع قرار دیا ہے۔ خواہ ان میں بظاہر کتنا ہی فائدہ نظر آئے لیکن در حقیقت وہ انسان اور انسانیت کے لئے مضر ہیں اور نفع کے بجائے نقصان کے پہلو ان میں غالب ہے، یہ نقصان کبھی جسمانی ہوتا ہے کبھی روحانی۔ پھر کبھی تو اس قدر واضح ہوتا ہے کہ ہر عام و خاص اسے جانتا ہے اور کبھی ذرا خفی ہوتا ہے جیسے حاذق طبیب اور ماہر ڈاکٹر ہی جان سکتے ہیں اور کبھی اتنا لطیف ہوتا ہے کہ نہ افلاطون وارسطو کی عقل کی وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے اور نہ کبھی جدید سے جدید آلات کی مدد سے اسے دریافت کیا جا سکتا ہے بلکہ صرف حاسئہ نبی اور فراست نبوت سے ہی اسے دیکھا اور پہچانا جا سکتا ہے۔

دوم:۔ تکریم انسان اور اس کے دو پہلو"

حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے انسان کو ظاہری و معنوی شرف و امتیاز بخشا ہے، وہ شکل و صورت میں سب سے حسین اور علم و ادراک میں سب سے فائق پیدا کیا گیا اور اسے کائنات کا مخدوم و مکرم بنایا گیا ہے اس تکریم و شرف کا ایک پہلو یہ ہے کہ تمام کائنات اسی کی خدمت پر مامور ہے، بہت سی چیزوں کو اس کی غذا یا دوا کے لئے حلال کر دیا گیا ہے اور اضطراری

حالت میں حرام چیزوں کے استعمال کی بھی اسے اجازت دی گئی ہے اور دوسرا پہلو یہ کہ انسان کے اعضاء کو غذا اور دوا کے لئے ممنوع اور ان کی خرید وفروخت کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

سوم: علاج میں شرعی سہولتیں:۔

اسلام کی نظر میں انسانی جان در حقیقت امانت الٰہیہ ہے جسے تلف کرنا سنگین جرم ہے اس کی حفاظت کے لئے بڑے سامان تیار کئے گئے ہیں جن کے استعمال کا حکم اور ایسی تدابیر اور علاج معالجے کو ضروری قرار دیا ہے جس سے مریض کی جان بچ سکے، مریض کی سہولت کے لئے نماز، روزہ، غسل، طہارت وغیرہ کے احکام الگ وضع فرمائے ہیں، اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ اضطرار کی حالت میں جان بچانے کے لئے کلمہ کفر بکنے کی جو اسلام کی نظر میں بدترین جرم ہے، اجازت دے دی گئی، اسی طرح جو شخص بھوک سے مر رہا ہو اس کے لئے سدرمق تک خنزیر اور مردار کھانے کو مباح بلکہ ضروری کر دیا گیا۔

چہارم: اضطرار کا صحیح درجہ کیا ہے؟

ناواقف حضرات ہر معمولی حاجت کو اضطراری حالت کا نام دے لیتے ہیں اس لئے ضروری ہوا کہ اس کی تنقیح کر دی جائے۔ علامہ حمویؒ "شرح اشباہ" میں لکھتے ہیں کہ یہاں پانچ درجے ہیں ضرورت (اضطرار) حاجت منفعت، زینت، اور فضول۔

اضطرار:۔ یہ ہے کہ کہ ممنوع چیز کو استعمال کئے بغیر جان بچانے کی کوئی صورت ہی نہ ہو یہی وہ اضطراری صورت ہے جس میں خاص شرائط کے ساتھ حرام کا استعمال مباح ہو جاتا ہے۔

حاجت:۔ یہ ہے کہ ممنوع چیز کو استعمال نہ کرنے سے ہلاکت کا اندیشہ تو نہیں لیکن مشقت اور تکلیف شدید ہو گی اس حالت میں نماز، روزہ، طہارت وغیر کے احکام کی سہولتیں تو ہوں گی مگر حرام چیزیں مباح نہ ہوں گی۔

منفعت: یہ ہے کہ کسی چیز کے استعمال کرنے سے بدن کی تقویت کا فائدہ ہو گا، اور نہ کرنے سے ہلاکت کا اندیشہ ہے نہ شدید تکلیف کا، اس حالت میں نہ کسی حرام کا استعمال جائز ہے، نہ روزہ کے افطار کی اجازت ہے، کسی حلال چیز سے یہ نفع حاصل ہو سکتا ہو تو کرے، ورنہ صبر کرلے۔

زینت:۔ یہ ہے کہ اس میں بدن کی تقویت بھی نہ ہو، محض تفریح طبع ہو، ظاہر ہے کہ اس کے لئے کسی ناجائز چیز کے جواز کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے؟

فضول:۔ یہ کہ تفریح سے بھی آگے محض ہوس رانی مقصود ہو۔

ہماری بحث چونکہ اضطرار کی حالت سے ہے اس لئے یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اضطرار کی حالت میں کسی حرام چیز کے استعمال کی تین شرطیں ہیں۔

الف: مریض کی حالت واقعتاً ایسی ہو کہ حرام چیز کے استعمال نہ کرنے سے جان کا خطرہ ہو۔

ب:۔ یہ خطرہ محض وہمی نہ ہو بلکہ کسی معتمد حکیم یا ڈاکٹر کے کہنے کی بنا پر یقینی ہو اور کسی حلال چیز سے علاج ممکن نہ ہو

ج:۔ اس حرام چیز سے جان کا بچ جانا بھی کسی معتمد حکیم یا مستند ڈاکٹر کی رائے میں عادتاً یقینی ہو۔

ان شرائط کے ساتھ حرام چیز کا استعمال مباح ہو جاتا ہے مگر پھر بھی بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ رہیں گی۔ مثلاً ایک شخص کی جان بچانے کے لئے دوسرے کی جان لینا جائز نہیں، کہ دونوں کی جان یکساں محترم ہے۔

پنجم: غیر اضطراری حالت میں علاج کی شرعی سہولت:۔

اگر اضطرار کی حالت تو نہ ہو (جس میں جان کا خطرہ ہوتا ہے) مگر بیماری اور تکلیف کی شدت سے مریض بے چین ہے (اسی حالت کو اوپر حاجت سے تعبیر کیا گیا) تو اس صورت میں حرام اور نجس دوا کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ اسکا حکم قرآن

وسنت میں صراحتاً مذکور نہیں، اور جمہور فقہاء مذکرہ بالا شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں، یعنی کسی معتمد ڈاکٹر یا حکیم کی رائے میں اس کے علاوہ کوئی علاج نہ ہو، اور اس حرام چیز سے شفا حاصل ہونے کا پورا وثوق ہو۔

ان مقدمات کی روشنی میں اب زیر بحث دونوں مسئلوں کا حکم لکھا جاتا ہے۔

خون کا مسئلہ

سوال: ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ خون انسان کا جزو ہے اور جب بدن سے نکال لیا جائے تو نجس بھی ہے، انسان کا جزو ہونے کی حیثیت سے اس کی مثال عورت کے دودھ کی ہو گی جس کا استعمال علاج کے لئے فقہاء نے جائز لکھا ہے۔(34)

خون کو بھی اگر اسی پر قیاس کر لیا جائے تو یہ قیاس بعید نہیں ہو گا، البتہ اس کی نجاست کے پیش نظر اس کا حکم وہی ہو گا جو حرام اور نجس چیزوں کے استعمال کا اوپر مقدمہ میں ذکر کیا گیا، یعنی

۱۔ جب مریض اضطراری حالت میں ہو، اور ماہر ڈاکٹر کی نظر میں خون دیئے بغیر اس کی جان بچانے کا کوئی راستہ نہ ہو تو خون دینا جائز ہے

۲۔ جب ماہر ڈاکٹر کی نظر میں خون دینے کی حاجت ہو، یعنی مریض کی ہلاکت کا خطرہ تو نہ ہو لیکن اس کی رائے میں خون دیئے بغیر صحت کا امکان نہ ہو تب بھی خون دینا جائز ہے۔

۳۔ جب خون نہ دینے کی صورت میں ماہر ڈاکٹر کے نزدیک مرض کی طوالت کا اندیشہ ہو، اس صورت میں خون دینے کی گنجائش ہے، مگر اجتناب بہتر ہے کما فی الهندية وان قال الطبيب يتعجل شفاءك فيه وجهان۔"

۴۔ جب خون دینے سے محض منفعت یا زینت مقصود ہو، یعنی ہلاکت یا مرض کی طوالت کا اندیشہ ہو، بلکہ محض قوت بڑھانا یا حسن میں اضافہ کرنا مقصود ہو تو ایسی صورت میں خون دینا ہرگز جائز نہیں۔

سوال دوم:۔ کیا کسی مریض کو خون دینے کے لئے اس کی خرید و فروخت اور اور قیمت لینا بھی جائز ہے؟

جواب:۔ خون کی بیع تو جائز نہیں، لیکن جن حالات میں جن شرائط کے ساتھ نمبر اول مریض کو خون دینا جائز قرار دیا ہے ان حالات میں کسی کو خون بلا قیمت نہ ملے تو قیمت دے کر خون حاصل کرنا صاحب ضرورت کے لئے جائز ہے، مگر خون دینے والے کے لئے اس کی قیمت لینا درست نہیں۔(35)

اعضاء انسانی کا مسئلہ

سوال:۔ کسی بیمار یا معذور انسان کا علاج دوسرے زندہ یا مردہ انسان کے اعضاء کا جوڑ لگا کر کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ اس وقت تک ڈاکٹروں نے بھی زندہ انسان کے اعضاء کا استعمال کہیں تجویز نہیں کیا، اس لئے اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں، بحث طلب مسئلہ وہ ہے جو آج ہسپتالوں میں پیش آرہا ہے، اور جس کے لئے اپیلیں کی جارہی ہے، وہ یہ کہ جو انسان دنیا سے جارہا ہو، خواہ کسی عارضہ کے سبب یا کسی جرم میں قتل کئے جانے کی وجہ سے اس کی اجازت اس پر لیجائے کہ مرنے کے بعد اس کا عضو لے کر کسی دوسرے انسان میں لگا دیا جائے۔

بظاہر یہ صورت مفید ہی مفید ہے کہ مرنے والے کے تو سارے ہی اعضاء فنا ہونے والے ہیں، ان میں سے کوئی عضو اگر کسی زندہ انسان کے کام آجائے، اور اس کی مصیبت کا علاج بن جائے تو اس میں کیا حرج ہے یہ ایسا معاملہ ہے کہ عام لوگوں کی نظر صرف اس کے مفید پہلو پر جم جاتی ہے اور اس کے وہ مہلک نتائج نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں جن کا کچھ ذکر شروع بحث میں آچکا ہے (اصل کتاب میں اس کے مضر پہلوؤں پر مفصل بحث کی گئی ہے، تلخیص میں وہ حصہ حذف کر دیا گیا۔)

مگر شریعت اسلام کے لئے، جو انسان اور انسانیت کی ظاہری اور معنوی صلاح و فلاح کی ضامن ہے، اس کے لئے مضر اور مہلک نتائج سے صرف نظر کر لینا اور محض ظاہری فائدہ کی بناء پر اس کی اجازت دے دینا ممکن نہیں، شریعت اسلام نے صرف زندہ انسان کے کارآمد اعضاء ہی کا نہیں بلکہ قطع شدہ بیکار اعضاء و اجزا کا استعمال بھی حرام قرار دیا ہے اور مردہ

انسان کے کسی عضو کی قطع وبرید کو بھی ناجائز کہااور اس معاملہ میں کسی کی رضامندی اور اجازت سے بھی اس کے اعضاء و اجزا کے استعمال کی اجازت نہیں دی، اور اس میں مسلم وکافر سب کا حکم یکساں ہے کیونکہ یہ انسانیت کا حق ہے جو سب میں برابر ہے تکریم انسان کو شریعت اسلام نے وہ مقام عطا کیا ہے کہ کسی وقت کسی حال میں کسی کو انسان کے اعضاء و اجزاء حاصل کرنے کی طمع دامن گیر نہ ہو، اور اس طرح یہ مخدوم کائنات اور اس کے اعضاء عام استعمال کی چیزوں سے بالاتر رہیں جن کو کانٹ چھانٹ کر یا کوٹ پیس کر غذاؤں اور دواؤں اور دوسرے مفادات میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اس پر ائمہ اربعہ اور پوری امت کے فقہاء متفق ہیں، اور نہ صرف شریعت اسلام بلکہ شرائع سابقہ اور تقریباً ہر مذہب وملت میں یہی قانون ہے، واللہ اعلم۔(36)

ڈارون کا نظریہ ارتقاء اور اسلام

جب نئی سے نئی سائنسی تحقیقات سامنے آنے لگی تو ان تحقیقات میں سے ایک تحقیق " ڈارون کی تھیوری" کے نام سے بہت مشہور ہوئی جو سراسر اسلامی نظریات کے خلاف تھی لیکن اہل مغرب نے اس تھیوری کو بڑی ہوا دی یہاں تک کہ مسلمانوں میں سے بھی کچھ جدیدیت سے مرعوب لوگ اس کو صحیح قرار دینے کی تگ ودو میں لگ گئے۔

اس ڈارون کی تحقیق کے بارے میں جب حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ سے پوچھا گیا تو آپ نے بہت بہترین انداز میں تفصیل اور دلائل کے ساتھ ایک دلنشین تحقیقی جواب عنایت فرمایا یہ سوال وجواب ملاحظہ کیجئے۔

س:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام روح ڈالے جانے سے پہلے بھی زندہ تھے مگر حیوان کی شکل میں، اور اس حیوانی شکل میں بھی وہ جمادات و نباتات کے مراحل سے گذر کر پہنچے تھے، " واللہ انبتکم من الارض نباتا الایہ۔" اس آیت کریمہ سے وہ شخص اسی عقیدہ پر استدلال لیتا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کی روح ڈالے جانے سے پہلے کی کیفیت کو وہ شخص " حیوان آدم" قرار دیتا ہے۔

یہ شخص حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کی بابت انہی مراحل سے گزر کر حیوان کی شکل تک پہنچنے کا عقیدہ رکھتا ہے۔ جن مراحل کا تذکرہ ڈارون نے اپنے ''نظریہ ارتقاء'' میں کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق جناب رسول اکرم ﷺ کی صریح، صحیح اور واضح احادیث مبارکہ کو یہ شخص درخور اعتنا نہیں سمجھتا، چونکہ اس کے نزدیک صرف وہ احادیث قابل اتباع ہیں جو علم الاحکام یا حلال و حرام سے متعلق ہوں۔ علم الحقائق اور حکمت سے متعلق احادیث کی بات ان کے نزدیک دوسری ہے۔

یہ شخص کہتا ہے کہ جو کوئی سمجھتا ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مٹی کا پتلا بنایا گیا تھا اور پھر اس بے جان پتلے میں روح پھونکی گئی تھی تو یہ کفر تو نہیں نا سمجھی ضرور ہے۔

یہ شخص حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق تفصیل و تحقیق کو'' امور دنیا'' میں قرار دیتا ہے، پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کھجوروں کی پیوند کاری کے بابت **انتم اعلم با مور دنیا کم** والی حدیث کو اپنے لئے دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق اگر کوئی واضح موقف اختیار نہیں فرمایا تو کوئی بات نہیں کہ یہ معاملہ امور دنیا میں سے ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میدان کار نہیں یہ شخص مذکورہ تمام باتیں بر سر منبر جمعہ کہ خطبے میں لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے اس شخص کی متذکرہ بالا باتوں کی روشنی میں دریافت طلب امور یہ ہیں:۔

۱۔ کیا اس شخص کے مذکورہ بالا عقائد کو اہل سنت والجماعت کے عقائد کہا جاسکتا ہے؟

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق احادیث کے بارے میں اس شخص کا رویہ گستاخی اور گمراہی نہیں ہے؟

۳۔ آدم علیہ السلام کو ''حیوان آدم'' کہنا گستاخی نہیں ہے؟

۴۔ کیا یہ شخص تفسیر بالرائے کا مرتکب نہیں ہوا؟

۵۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلاف امت کا عقیدہ حضرت آدم علیہ السلام کے مٹی کے پتلے سے بنائے جانے کا ہے یا نہیں؟

۶۔اس شخص کی بیعت یا کسی قسم کا تعلق اس کے ساتھ آپ کے نزدیک کیسا ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں تفصیلات آگاہ فرما کر ثواب دارین حاصل کریں

الجواب:۔ آنجناب نے ان صاحب کے جو افکار و خیالات نقل کئے ہیں، مناسب ہو گا کہ پہلے ان کا تنقیدی جائزہ لیا جائے بعد ازاں آپ کے سوالوں کا جواب عرض کیا جائے۔

آنجناب کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ان صاحب کے علم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بارے میں کچھ تصریحات فرمائی ہیں، جن کو یہ صاحب امور دنیا قرار دیتے ہوئے لائق توجہ اور درخور اعتنا نہیں سمجھتے اس لئے یہاں دو باتوں پر غور کرنا ضروری ہے

اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بارے میں امت کو کیا بتایا ہے؟

دوم یہ کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات امت کے لئے لائق توجہ نہیں؟

امرِ اوّل:

"تخلیق آدم علیہ السلام کے بارے میں تصریحات نبوی" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی تکلیق جسمانی کی کیفیت اور تخلیق کے مدارج کے سلسلے میں جو تصریحات فرمائی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو تمام زمین سے مٹی کا خلاصہ لیا، پھر اس میں پانی ملا کر اس کا گارا بنایا گیا، پھر اسے ایک مدت تک پڑا رہنے دیا گیا، یہاں تک کہ وہ گارا سیاہ ہو گیا، اس سے بو آنے لگی اور اس میں چپکاہٹ کی کیفیت پیدا ہو گئی، پھر اس گارے سے حضرت آدم علیہ السلام کا ساٹھ ہاتھ لمبا قالب بنایا گیا، پھر یہ قالب کچھ عرصہ پڑا رہا یہاں تک کہ خشک ہو کر اس مین کھنکھناہٹ پیدا ہو گئی اور ٹھیکری کی طرح بجنے لگا، اس دوران شیطان اس قالب کے گرد

گھومتا تھا، اسے بجابجا کر دیکھتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ اس مخلوق کے پیٹ میں خلا ہے اس لئے اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکے گی۔

پھر اس بے جان قالب میں روح پھونکی گئی اور وہ جیتے جاگتے انسان بن گئے جب ان کے نصف اعلی میں روح داخل ہوئی تو انہیں چھینک آئی اور ان کی زبان مبارکہ سے پہلا کلمہ جو نکلا وہ " الحمد اللہ" تھا جس پر حق تعالیٰ شانہ نے ان کو جواب میں فرمایا" یرحمک ربک" (تیرا رب تجھ پر رحم فرمائے) حضرت آدم علیہ السلام جس وقت پیدا کئے گئے اس وقت ان کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا تھا اور ان کے تمام جسمانی اعضا اور ظاہری و باطنی قوی کامل و مکمل تھے، ان کو نشو ونما کے ان مراحل سے گزرنا نہیں پڑا جن سے اولا آدم گزر کر نشو ونما کے آخری مدارج تک پہنچتی ہے۔

یہ خلاصہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان بہت سے ارشادات کا جو حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بارے میں مروی ہیں میں ان بہت سی احادیث میں سے یہاں صرف چار احادیث کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

حدیث اوّل:۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خلق اللہ عز وجل آدم علی صورتہ، طولہ ستون ذراعاً فلما خلقہ قال: اذھب فسلم علی اولک النفر! وھم نفر من الملکۃ جلوس فاستمع مایجیبونک بہ؟ فانھا تحیتک وتحیۃ ذریتک قال: فذھب فقال: السلام علیکم! فقالو: السلام علیک ورحمۃ اللہ! قال: فزادوہ ورحمۃ اللہ قال: فکل من یدخل الجنۃ علی صورۃ آدم وطولہ ستون ذراعا، فلم یزل الخلق ینقص بعدہ حتی الأن (37)۔

ترجمہ: حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا، ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا جب ان کو پیدا کیا گیا تو ان سے فرمایا کہ: جاؤ! اس جماعت کو جا کر سلام کہو، یہ فرشتوں کی ایک جماعت بیٹھی تھی پس سنو کہ یہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں؟ کیونکہ یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا چنانچہ آدم علیہ السلام نے جا کر ان فرشتوں کو "السلام علیکم" کہا انہوں نے جواب میں کہا: " وعلیک السلام ورحمۃ اللہ" فرشتوں نے جواب میں " ورحمۃ اللہ" کے لفظ کا اضافہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جتنے لوگ جنت میں داخل ہوں

گے وہ آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوں گے اور ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا ہوگا اور بعد میں انسانوں کے قد چھوٹے ہوتے رہے جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ، آنحضرت ﷺ کے ارشاد: اللہ تعالیٰ نے آدم علی السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"والمعنی ان اللہ تعالیٰ وجدہ علی الھیئۃ التی خلقہ علیھا لم ینتقل فی النشاۃ احوالا، ولا تردو فی الارحام اطوارا کذریتہ بل خلقہ اللہ رجلا کاملا سویا من اول ما نفخ فیہ الروح، ثم عقب ذلک لقولہ وطولہ ستون ذراعاً۔(38)

ترجمہ: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جس ہیئت وشکل میں پیدا فرمایا ان کو اسی ہیئت وشکل میں وجود بخشا وہ اپنی ذریت کی طرح پیدائش کے مختلف حالات سے نہیں گزرے نہ شکم مادر میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوئے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق اس طرح فرمائی کہ نفخ روح کے وقت ہی سے وہ مرد کامل تھے، اور ان کی تمام جسمانی قوتیں بدرجہ کمال تھیں اسی بنا پر اس کے بعد فرمایا کہ اس وقت ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔" اس حدیث کی یہی تشریح اور بہت سے اکابر نے فرمائی ہے۔

حدیث دوم:۔

عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ قال: قال رسول ﷺ ان اللہ تعالیٰ خلق آدم ن قبضۃ قبضھا من جمیع الارض فجاء بنو آدم علی قدر الارض، منھم الابیض و الاحمر والاسود وبین ذالک و السھل و لحزن و الخبیث و لطیب۔(39)

ترجمہ: حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا مٹی کی مٹھی سے جس کو تمام زمین سے لیا تھا، چنانچہ اولاد آدم زمین کے اندازے کے مطابق ظاہر ہوئی، ان میں کوئی سفید ہے کوئی سرخ، کوئی کالا، اور کوئی ان رنگوں کے درمیان کوئی نرم، کوئی سخت، کوئی خبیث، کوئی پاکیزہ۔"

حدیث سوم:۔

عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال : لما صور اللہ آدم فی الجنة ترکه ما شاء اللہ ان یترک فجعل ابلیس یطیف به ینظر ماهو، فلمارااہ اجوف عرف انه خلق خلقا لا یتمالک۔(40)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں آدم علیہ السلام کاڈھانچہ بنایاتو اس کو اسی حالت میں رہنے دیا جتنی مدت کہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھی، تو شیطان اس کے گرد گھومنے لگا یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ کیا چیز ہے؟ پس جب اس نے دیکھا کہ اس کے پیٹ میں خلا ہے تو اس نے پہچانا کہ اس کی تخلیق ایسی کی گئی ہے کہ یہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکے گا۔

حدیث چہارم:۔

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: ان اللہ خلق آدم من تراب، ثم جعله طینا، ثم ترکه حتی اذا کان حماء مسنو ناخلقه و صوره ثم ترکه حتی اذا کان صلصال کالفخار، قال: فکان ابلیس یمر به فیقول! لقد خلقت لامر عظیم! ثم نفخ اللہ فیه من روحه فکان اول شئ جری فیه الروح بصره و خیاشیهه، فعطس فلقاه اللہ حمد ربه، فقال الرب یر حمک ربک۔۔(41)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے بنایا آدم علیہ السلام کو مٹی سے پھر اس مٹی میں پانی ڈال کر اس کو گوندھ دیا۔ پھر اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ سیاہ گارا بن گیا تو اس کا قلب بنایا، پھر اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ آگ میں پکی ہوئی چیز کی طرح کھنکھنانے لگا۔ ابلیس اس کے پاس سے گذرتا تو کہتا کہ تجھے کسی بڑے کام کے لئے بنایا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس قالب میں روح ڈالی پس سب سے پہلی جس میں روح جاری ہوئی وہ آدم علیہ السلام کی آنکھیں اور نتھنے تھے، پس ان کو چھینک آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ” الحمد اللہ “ کہنا کا الہام فرمایا۔ انہوں نے الحمد اللہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا” یرحمک ربک “ تیرا رب تجھ پر رحم فرمائے۔“

ان احادیث شریفہ کا خلاصہ مضمون پہلے ذکر کر چکا ہوں اب اس پر غور فرمائیے کہ ان احادیث مقدسہ میں تخلیق آدم علیہ السلام کے جو مدارج ذکر کئے گئے اور اس تخلیق کی جو کیفیت بیان فرمائی گئی ہے قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اس کی تصدیق وتصویب فرمائی گئی ہے۔

اول:۔ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق بلاواسطہ مٹی سے ہوئی اور یہ ان کی تخلیق کا نقطۂ آغاز اور مبدا اول ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

"ان مثل عیسی عنداللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔"(42)

ترجمہ: بے شک حالت عجیب (حضرت) عیسیٰ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشابہ حالت عجیبہ (حضرت) آدمؑ کے ہے کہ ان (کے قالب) کو مٹی سے بنایا، پھر ان کو حکم دیا کہ (جاندار) ہو جا، پس وہ (جاندار) ہو گئے۔

دوم: یہ کہ اس مٹی کو پانی سے گوندھا گیا، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اذقال ربک للملائکۃ انی خالق بشرا من طین

ترجمہ: جب آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان (یعنی اس کے پتلے کو) بنانے والا ہوں۔

سوم: یہ کہ گارا ایک عرصہ تک پڑا رہا یہاں تک کہ سیاہ ہو گیا اور اس میں سے بو آنے لگی، چنانچہ ارشاد ہے۔

ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حماء مسنون۔(43)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے، جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی تھی پیدا کیا۔

چہارم: یہ کہ مزید پڑا رہنے سے اس گارے میں چپکنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی، ارشاد ہے

انا خلقنھم من طین لازب(44)

ترجمہ: ہم نے ان لوگوں کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔

پنجم: اس گارے سے قالب بنایا جو خشک ہو کر بجنے لگا، ارشاد باری تعالیٰ ہے

و اذقال ربک للملائکۃانی خالق بشرا من صلصال من حماء مسنون (45)

ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے سے بنی ہو گی، پیدا کرنے والا ہوں۔

خلق الانسان من صلصال کالفجارہ و خلق الجان من مارج من نارہ (46)

ترجمہ: اس نے انسان کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی پیدا کیا اور جنات کو خالص آگ سے پیدا کیا۔

ششم: یہ کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا قالب مندرجہ بالا مدارج سے گذر چکا تو اس میں روح پھونکی گئی اور یہ ان کی تخلیق کی تکمیل تھی ارشاد ہے

اذقال ربک للملائکۃانی خالق بشرا من طین فااسویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعو الہ ساجدین (47)

ترجمہ: جب آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان (یعنی اس پتلے کو) بنانے والا ہوں، سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے روح ڈال دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔''

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ قرآن کریم میں یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے فرمائی چنانچہ ارشاد ہے:۔

قال یاابلیس مامنعک ان تسجد لما خلقت بیدی (48)

ترجمہ: حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کو سجدہ کرنے سے تجھ کو کون سی چیز مانع ہوئی

یہ تو ظاہر بات ہے کہ پوری کائنات حق تعالیٰ شانہ کی ہی پیدا کر دہ ہے مگر حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں جو ارشاد فرمایا کہ " میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنایا" اس سے آدم علیہ السلام کی عظمت و شرف کا اظہار مقصود ہے۔یعنی ان کی تخلیق توالد و تناسل کے معروف طریقہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدست خود مٹی سے بنایا اور ان میں روح پھونکی چنانچہ امام ابو السعودؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اے خلقتہ بالذات من غیر توسط اب و ام(49)

ترجمہ:یعنی میں نے ان کو ماں باپ کے واسطے کے بغیر بذات خود پیدا فرمایا

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں " خلقت بیدی" (بنایا میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے) فرمانا اس حقیقت کبریٰ کا اظہار ہے کہ ان کی تخلیق تولید و تناسل کے معروف ذرائع سے نہیں ہوئی۔یہیں سے اہل عقل کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جس شخصیت کی تخلیق میں ماں باپ کا واسطہ بھی قدرت کو منظور نہ ہو اس کے بارے میں یہ دعوٰی کرنا کہ وہ جمادات، نباتات، حیوانات اور بندروں کی "جون" تبدیل کرتے ہوئے انسانی شکل میں آیا کتنی بڑی ستم ظریفی ہو گئی؟ الغرض " خلقت بیدی" کے قرآنی الفاظ سے جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے توالد و تناسل کے ذریعہ پیدا ہونے کی نفی ہوتی ہے وہاں ان کے جمادات نباتات اور حیوانوں اور بندروں سے ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے انسان بننے کی بدرجہ اولیٰ نفی ہوتی ہے،اس لئے اہل ایمان کے نزدیک حق وہی ہے جو رسول ﷺ نے فرمایا اور جس کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں۔

حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بارے میں انبیاء کرامؑ کا عقیدہ

قرآن کریم کا ارشاد ہے۔" خلقت بیدی" (بنایا میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے) کے مفہوم کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد اب اس پر بھی غور فرمایئے کہ اس بارے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا عقیدہ کیا تھا؟

حدیث کی قریباً تمام معروف کتابوں (صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، موطاامام مالک اور مسند احمد وغیر) میں حضرت موسیٰ اور حضرت آدم علیہم السلام کا مباحثہ مذکور ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا:۔

انت آدم الذی خلقک اللہ بیدہ و نفخ فیک من روحہ و اسجد لک ملائکتہ و اسکنک فی جنتہ۔(50)

ترجمہ: آپ وہی آدم علیہ السلام ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اپنی طرف سے روح ڈالی اور ر آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو اپنی جنت میں ٹھہرایا۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں ٹھیک وہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو مذکورہ الصدر آیت شریفہ میں وارد ہوئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنانا اور ان کے قالب میں اپنی جانب سے روح ڈالنا۔ اس سے واضح ہوتا ہے حضرت انبیاء علیہم السلام بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قالب اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اس میں روح ڈالی وہ توالد و تناسل کے معروف مراحل سے گزر کر انسان نہیں بنے، نہ جمادات و نباتات اور حیوانوں اور بندروں سے شکل تبدیل کرتے ہوئے آدمی بنے

"محشر کے دن اہل ایمان بھی اسی عقیدہ کا اظہار کریں گے۔"

حدیث شفاعت میں آتا ہے کہ اہل ایمان قیامت کے دن شفاعت کبری کے لئے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان سے عرض کریں گے

"انت آدم ابو الناس خلقک اللہ بیدہ و اسکنک جنتہ و اسجد لک ملٰکتہ و علمک اسماء کل شیئ۔"(51)

ترجمہ: آپؑ آدم ہیں، تمام انسانوں کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور آپ کو اپنی جنت میں ٹھرایا اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا، اور آپ کو تمام اشیاء کے ناموں کی تعلیم فرمائی۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان بھی اسی عقیدہ کا اظہار کریں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق حق تعالیٰ شانہ نے براہ راست اپنے دست قدرت سے فرمائی۔ مٹی سے ان کا قالب بنا کر اس میں روح پھونکی اور

ان کو جیتا جاگتا انسان بنایا ان کی تخلیق میں نہ توالد و تناسل کا واسطہ تھا اور نہ جمادات سے بندریک ارتقائی مراحل سے گزر کر" انسان آدم" بنے۔

قرآن کریم کی آیات بینات، آنحضرت ﷺ کے ارشادات طیبات حضرت موسی علیہ السلام کے فرمودات اور میدان محشر میں اہل ایمان کی تصریحات آپ کے سامنے موجود ہیں جو شخص ان تمام امور پر بشرط فہم و انصاف غور کرے گا اس پر آفتاب نصف النہار کی طرح یہ حقیقت روشن ہو جائی گی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بارے مین حقیقت واقعہ وہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی اور ان صاحب کا فلاسفہ طبعین کی تقلید میں تخلیق آدم علیہ السلام کو کرشمہ ارتقا قرار دینا صریح طور پر نصوص قطعیہ سے انحراف ہے واللہ یقول الحق وھو یھد السبیل۔"(52)

مذکورہ بالا مسئلہ میں حضرتؒ نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا غلط ہونا قرآن و حدیث سے بہترین پیرایہ میں ثابت کی اور صرف یہی نہیں بلکہ اس پر دلائل کا انبار ذکر فرمایا جو کہ حضرت لدھیانوی ہی کا خاصہ ہے۔

دلائل:

کوئی بھی مفتی جب فتوی دیتا ہے تو اس مسئلہ کے حل پر قرآن و حدیث سے استدلال کرتا ہے اور عموماً مسائل پر ایک یا دو دلیل ذکر کیں جاتی ہیں، مگر ہمارے ممدوح حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید جب کسی فتوے پر دلائل سے استدلال فرماتے تو ایک دو نہیں بلکہ اتنے کثیر دلائل جمع فرماتے کہ سائل اور مخالف کے لئے کسی قسم کی کوئی حجت باقی نہیں رہتی چنانچہ اسی مسٔلے کو دیکھ لیجئے کہ حضرت اقدس نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے غلط ہونے پر تقریب سولہ ۱۶ دلائل تحریر فرمائیں۔ اور مسٔلہ تراویح پر آپ نے بیس سے زائد دلائل تحریر فرمائے۔

حضرت اقدس یوسف لدھیانوی شہید کے فقہی مسائل پر دلائل کا انبار کا نظارہ کرنا ہو تو حضرت کی تالیف" اختلاف امت اور صراط مستقیم" دیکھئے اس میں حضرت نے ایک ایک مسٔلہ پر ایک درجن سے زائد دلائل ذکر کیے ہیں جس سے حضرت شہید کے افتاء و تصنیف میں مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔

فصل سوم: ملکی اور بین الاقوامی مسائل میں آپ کا کردار

حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کی شخصیت ایک عالمی شخصیت تھی آپؒ سے فقہی رہنمائی لینے والے صرف ملکی سطح کے افراد نہ تھے بلکہ چہار عالم سے مختلف ملک وملت اور مختلف اقوام سے تعلق رکھنے والے لوگ آپ سے فقہی مسائل میں رجوع کرتے تھے۔ حضرت نے شرعی مسائل میں ہر خاص وعام کی رہنمائی کی ہے۔

بین الاقوامی اور ملکی فقہی مسائل:

بر صغیر پاک وہند میں بلکہ دنیا کی تہائی آبادی فقہی مسائل میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کی پیروکار اور ان کے مسلک پر کاربند ہے مگر کچھ لوگ ہر دور میں عام مسلمانوں کو مختلف منطقی پیرایوں میں پھانس کر انہیں راہ حق سے متزلزل کرتے ہیں اور نئے نئے انداز سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں انہی میں سے ایک پروپیگنڈہ یہ ہے کہ دینی مسائل میں ائمہ کرام کا اختلاف کیوں ہیں جب قرآن ایک ہے تو پھر یہ اختلاف کیوں؟ ان سوالات کی وجہ سے عوامی طبقہ الجھن کا شکار ہو جاتا ہے اور یہ صرف ایک شہر کے لوگوں کا مسئلہ نہیں بلکہ ملکی اور بین الاقوامی اور عالمی سطح کا مسئلہ ہے۔ چنانچہ اس بارے میں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ سے رجوع کیا گیا اور سائل نے آپ کو سوالیہ مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا:

سوال: اکثر سننے میں آتا ہے کہ فلاں کام فلاں امام کے نزدیک جائز ہے لیکن فلاں کے نزدیک جائز نہیں۔ دینی اعتبار سے کوئی بھی کام ہو دو باتیں ہی ممکن ہیں جائز یا ناجائز، لیکن یہاں بات مہمل سی ہے۔ اصل بات بتائیں۔ میں نے پہلے بھی کئی ایک سے پوچھا مگر کسی نے مجھے مطمئن نہیں کیا۔۔

حضرت موصوف نے بہت بہترین اور دلنشین انداز میں اس معمہ کو حل فرمایا آپؒ لکھتے ہیں:

"بعض امور کے بارے میں تو قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ میں صاف صاف فیصلہ کر دیا گیا ہے (اور یہ ہماری شریعت کا بیشتر حصہ ہے) ان اُمور کے جائز وناجائز ہونے میں تو کسی کا اختلاف نہیں اور بعض امور میں قرآن وسنت کی صراحت نہیں ہوتی وہاں مجتہدین کو اجتہاد سے کام لے کر اس کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ علم وفہم

اور قوت اجتھاد میں فرق ایک طبعی اور فکری چیز ہے۔اس لئے ان کے اجتھادی فیصلوں میں اختلاف بھی ہے اور یہ ایک فطری چیز ہے اس کو چھوٹی سی دو مثالوں سے آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں ا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ایک مہم پر روانہ فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ عصر کی نماز فلاں جگہ جا کر پڑھنا۔ نماز عصر کا وقت وہاں پہنچنے سے پہلے ختم ہونے لگا تو صحابہؓ کی دو جماعتیں ہو گئیں ایک نے کہا کہ آپ ﷺ نے وہاں پہنچ کر نماز عصر پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، اس لئے خواہ نماز قضاء ہو جائے مگر وہاں پہنچ کر ہی پڑھیں گے، دوسرے فریق نے کہا کہ آپ ﷺ کا منشاء مبارک تو یہ تھا کہ ہم غروب سے پہلے پہلے وہاں پہنچ جائیں۔ جب نہیں پہنچ سکے تو نماز قضاء کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ بعد میں یہ قصہ بارگاہ اقدس ﷺ میں پیش ہوا تو آپ نے دونوں کی تصویب فرمائی اور کسی پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔ دونوں نے اپنے اپنے اجتھاد کے مطابق منشائے نبویؐ کی تعمیل کی (ﷺ) اگرچہ ان کے درمیان جواز اور عدم جواز کا اختلاف بھی ہوا۔ اسی طرح تمام مجتھدین اپنی اجتھادی صلاحیت کے مطابق منشائے شریعت ہی کی تعمیل کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے درمیان اختلاف بھی رونما ہو جاتا ہے اور اس اختلاف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ برداشت فرمایا بلکہ اس کو رحمت فرمایا اور اس ناکارہ کو اس اختلاف کا رحمت ہونا اس طرح کھلی آنکھوں نظر آتا ہے جیسے آفتاب۔

۲۔ دوسری مثال ہمیں روزمرہ پیش آتی ہے کہ ایک ملزم کی گرفتاری کو ایک عدالت جائز قرار دیتی ہے اور دوسری عدالت ناجائز، قانون کی کتاب دونوں کے سامنے ایک ہی ہے۔ مگر اس خاص واقعہ پر قانون کے انطباق میں اختلاف ہوتا ہے اور آج تک کسی نے اس اختلاف کو "مہمل بات" قرار نہیں دیا۔

چاروں ائمہ اجتھاد ہمارے دین کے ہائی کورٹ ہیں۔ جب کوئی متنازعہ فیہ مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوتا ہے تو کتاب و سنت کے دلائل پر غور کرنے کے بعد وہ اس کے بارے میں فیصلہ فرماتے ہیں۔ ایک کی رائے یہ ہوتی ہے کہ یہ جائز ہے دوسرے کی رائے یہ ہوتی ہے کہ یہ ناجائز ہے اور تیسرے کی راائے یہ ہوتی ہے کہ یہ مکروہ ہے اور چونکہ سب کا فیصلہ اس امر کے قانونی نظائر اور کتاب و سنت کے دلائل پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے سب کا فیصلہ لائق احترام ہے گو عمل کے لئے ایک ہی جانب کو اختیار کرنا پڑے گا۔ یہ چند حروف قلم روک کر لکھے ہیں زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں ہے ورنہ یہ مستقل مقالے کا موضوع ہے۔" (53)

مسئلہ تراویح:

اسی طرح ایک مسئلہ رمضان شریف میں پوری امت مسلمہ کو درپیش ہوتا ہے وہ مسئلہ ہے کہ تراویح کتنی رکعت پڑھیں جائیں، بعض ناسمجھ لوگوں کی طرف سے اصرار کیا جاتا ہے کہ تراویح صرف آٹھ رکعات پڑھی جائیں۔ آپ نے اس سلسلے میں بھی عالمی سطح پر رہنمائی فرمائی اور پوری امت کو بڑی بڑی تفصیل سے تراویح کی رکعات کی صحیح تعداد انتہائی آسان طریقہ اور جامع دلائل کے ساتھ امت کو بتائی۔ جس کی وجہ سے نہ صرف پاکستان بلکہ بیرونی ممالک خاص کر عرب امارات کے لوگوں کو رہنمائی اور تسلی بخش جواب ملا۔ حضرت لدھیانوی شہید تراویح کے مسئلے کو چار حصوں میں تقسیم فرماتے ہیں لکھتے ہیں:

اس تحریر کو چار حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔

۱۔ تراویح عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں

۲۔ تراویح عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں

۳۔ تراویح صحابہ رضی اللہ عنھم و تابعین کے دور میں

۴۔ تراویح ائمہ اربعہ کے نزدیک۔(54)

مسئلہ خلع:

ہمارے ملک پاکستان میں خلع سے متعلق ایک بہت بڑی کوتاہی کی جارہی ہے وہ یہ کہ خلع کے لئے زوجین کی رضامندی ضروری ہے مگر عام طور پر عدالت کے ذریعہ خلع لینے کے موقع پر شوہر کی رضامندی کا خیال نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے خلع واقع نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود پاکستانی عدالتیں بیوی کو عقدِ ثانی کا حق جاری کرتی ہیں اور خلع کی ڈگری ان کو دے دیتی ہیں چنانچہ اس بارے میں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی جانب رجوع کیا گیا تو آپ نے ۱۲ اگست ۱۹۹۴ میں جنگ اخبار کے اسلامی صفحہ اقراء میں جواب لکھا کہ:

" خلع کے لئے زوجین کی رضامندی کے بغیر خلع کی ڈگری دے دی تو خلع نہیں ہو گا اور عورت کے لئے دوسری جگہ نکاح صحیح نہیں ہو گا۔(55)

اس کے کچھ دن بعد ۲ ستمبر کو جنگ اخبار میں ہی ایک خاتون حلیمہ اسحٰق صاحبہ نے آپ کے مسئلہ کی تردید کرتے ہوئے لکھا کہ " عورت خود خلع لے سکتی ہے اور عدالت بھی شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع دے سکتی ہے اور اپنے تئیں محترمہ صاحبہ نے قرآن وحدیث سے دلائل بھی پیش کئے۔ اس مضمون کے بعد پورے پاکستان میں شک وشبہ کی ایک فضاء پھیل گئی اور خاص کر حضرت موصوف نے محترمہ کے اس مضمون کے رد میں کچھ تحریر نہیں فرمایا جس کی وجہ سے عوام میں ایک بے چینی کی کیفیت پیدا ہونے لگی۔ تو کئی لوگوں نے انفرادی طور پر آپ سے اس سلسلہ میں رجوع کیا اور کتنے ہی اس بارے میں آپ کی تحریر کے منتظر تھے چنانچہ جب بہت اصرار ہوا تو آپ نے اس مسئلہ پر اور محترمہ۔۔کے مضمون کی تردید میں کافی وشافی لکھا اور ساتھ ہی پاکستان میں خلع کے بارے میں عدالتی نظام کے نقائص کی نشاندہی کی۔ چنانچہ آپ نے اولاً محترمہ حلیمہ اسحٰق کے مضمون کے رد میں تاخیر کی وجہ ذکر فرمائی تحریر فرمایا کہ:

" محترمہ حلیمہ اسحٰق صاحبہ کا مضمون شائع ہونے پر بہت سے لوگوں نے خطوط اور ٹیلی فون کے ذریعہ اس ناکارہ سے وضاحت طلب کی اس ناکارہ نے ان کو جواب تو دے دیا اور مسئلہ کی وضاحت بھی دوبارہ شائع کر دی، لیکن محترمہ حلیمہ کے مضمون سے تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا، کیونکہ ایک نامحرم خاتون کا نام لیتے ہوئے بھی طبعی طور پر شرم وحیا مانع آتی ہے، چہ جائیکہ ایک خاتون کی تردید میں قلم اُٹھایا جائے اگر محترمہ نے یہ مضمون اپنے والد، بھائی یا شوہر کے نام سے شائع کر دیا ہوتا تو اس کی تردید میں یہ طبعی حجاب مانع نہ ہوتا، بہر حال چونکہ اس مضمون سے بہت سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں، اس لئے یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ محترمہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ شرعی مسئلہ نہیں بلکہ ان کی انفرادی رائے اور ان کا اپنا اجتہاد ہے۔ حضرت اقدس نے پھر اس مسئلہ پر تمام مذاہب یعنی فقہی چاروں مسالک کا اس بات پر اجماع ہے ثابت کرتے ہوئے فقہی کتب کے حوالہ جات نقل کیئے ہیں ملاحظہ کیجئے۔ کیونکہ تمام فقہائے امت اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ خلع ایک معاملہ (عقد) ہے جو فریقین (میاں بیوی) کی رضامندی پر موقوف ہے۔ حوالہ کے لئے دیکھئے۔

فقہ حنفی:۔ الرخی: مبسوط ص ۱۷۳ جلد ٦۔ الکاسانی: بدائع الضائع ص ۱۴۵ جلد ۳ ابن عابدین شامی: حاشیہ در مختار ص ۴۴۱ جلد ۳ عالم گیری ص ۴۸۸ جلد ۱

فقہ شافعی:۔ امام شافعی، کتاب الام ص ۲۱۴ جلد ۵ ایضاً ص ۲۱۳ جلد ۵ ایضاً ص ۲۱۲ جلد ۵ ایضاً ص ۲۰۸ جلد ۵ نووی: شرح مہذب ص ۳ جلد ۱۷

فقہ مالکی:۔ ابن اشد: بدایۃ المجتہد ص ۵۱ جلد ۲ قرطبی: الجامع الاحکام القرآن ص ۱۲۵ جلد ۳

فقہ حنبلی:۔ ابن قیم: زاد لمعاد ص ۱۰٦ جلد ۵، ابن قدامہ: المغنی ص ۱۷۴ جلد ۸۳

فقہ ظاہری:۔ ابن حزم: المحلی ص ۲۳۵ جلد ۱۰، ص ۸۸ جلد ۱۰

لہذا شرعاً خلع کے لئے میاں بیوی دونوں کا رضامند ہونا لازم ہے، نہ بیوی کی رضامندی کے بغیر شوہر اس کو خلع لینے پر مجبور کر سکتا ہے، اور نہ شوہر کی رضامندی کے بغیر عورت خلع حاصل کر سکتی ہے، اسی طرح عدالت بھی میاں بیوی دونوں کی رضامندی کے ساتھ تو خلع کا حکم کر سکتی ہے، لیکن اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک راضی نہ ہو تو کوئی عدالت بھی خلع کا فیصلہ دینے کی مجاز نہیں۔(56)

اس مسئلہ خلع کے بارے میں محترمہ حلیمہ صاحبہ کا یہ مضمون کتنا صحیح ہے؟ اور حقائق کی روشنی میں محترمہ کے مضمون میں کس قدر صدق اور راست بازی سے کام لیا گیا اور محترمہ کے دلائل کی حقیقت اور اس پندار کو کھولتے ہوئے حضرت تحریر فرماتے ہیں۔

محترمہ کا یہ استدلال چند وجوہ سے غلط در غلط ہے:

اوّل:۔ محترمہ کے یہ الفاظ کہ "تو تمہیں اختیار ہے کہ انہیں الگ کر دو" قرآن کریم کے کسی لفظ کا مفہوم نہیں نہ قرآن کریم نے قاضی یا حکم کو میاں بیوی کے درمیان تفریق کا کسی جگہ اختیار دیا ہے، اس مفہوم کو خود تصنیف کر کے محترمہ نے بڑی جرأت و جسارت کے ساتھ اس کو قرآن کریم سے منسوب کر دیا ہے۔

دوم:۔ آیت شریفہ میں فان خفتم سے جو جملہ شروع ہوتا ہے وہ جملہ شرطیہ ہے، جو شرط ار جزا پر مشتمل ہے اس جملہ میں شرط تو وہی ہے جس کا ترجمہ محترمہ نے یوں نقل کیا ہے یعنی " اگر تم سمجھتے ہو کہ دونوں یعنی شوہر ار بیوی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو قائم نہیں رکھ سکتے تو۔۔۔" اس "تو" کے بعد شرط کی جزا ہے، لیکن وہ جزا کیا ہے؟ اس میں محترمہ حلیمہ اسحٰق کو اللہ تعالیٰ سے شدید اختلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے اس شرط کی جزا یہ ذکر فرمائی ہے:

"فلاجناح علیھما فیما افتدبہ"

ترجمہ: تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں نہ ہوگا اس (مال کے لینے اور دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑائے۔

لیکن محترمہ فرماتی ہیں کہ نہیں! اس شرط کی جزا یہ نہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی ہے، بلکہ اس شرط کی جزا یہ ہے کہ:

"تو (اے حکام) تم کو اختیار ہے کہ تم ان دونوں میاں بیوی کو الگ کر دو"

گو یہ حلیمہ اسحٰق (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی غلطی نکال رہی ہیں کہ "فان خفتم" کی جو جزا اللہ تعالیٰ نے "فلاجناح علیکھما فیما افتدت بہ" کے بلیغ الفاظ میں ذکر فرمائی ہے یہ غلط ہے۔ اس کی جزا یہ ہونی چاہیے تھی:

فلکم ان تفرقوا بینھما

ترجمہ: تو تم کو اختیار ہے کہ تم ان دونوں کے درمیان از خود علیحدگی کر دو

کیسا غضب ہے کہ پورا ایک فقرہ تصنیف کر کے اسے قرآن کے پیٹ میں بھرا جاتا ہے اور اس پر دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہیں قرآن و سنت کی روشنی میں کہہ رہی ہیں۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔

سوم:۔ محترمہ فرماتی ہیں کہ " اللہ تعالیٰ نے اجتماعی طور پر شوہر اور بیوی کے ساتھ ساتھ قاضی یا حاکم کو بھی اختیار دیا ہے۔ شوہر اور بیوی کے ساتھ ساتھ کے الفاظ سے واضح ہے کہ محترمہ کے نزدیک بھی "فان خفتم" کا اصل خطاب تو میاں بیوی ہی سے ہے البتہ ان کے ساتھ ساتھ یہ خطاب دوسروں کو بھی شامل ہے اب دیکھئے کہ قرآن حکیم کی رو سے صورت مسئلہ یہ ہوئی کہ:

- خلع میاں بیوی کا شخصی اور نجی معاملہ ہے
- خلع کے ضمن میں قرآن کریم بار بار میاں بیوی دونوں کا ذکر کرتا ہے (جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے)
- اور "فان خفتم" میں ابھی اصل خطاب انہی دونوں سے ہے (اگرچہ ان دونوں کے ساتھ ساتھ قاضی یا حاکم بھی شریک ہیں)

ان تمام حقائق کے باوجود جب خلع کے فیصلہ کی نوبت آتی ہے تو محترمہ فرماتی ہیں کہ میاں بیوی دونوں سے یہ پوچھنا ضروری نہیں کہ آیا وہ خلع کے لئے تیار ہیں یا نہیں؟ بلکہ عدالت اپنی صوابدید پر علیحدگی کا یکطرفہ فیصلہ کر سکتی ہے خواہ میاں بیوی ہزار خلع سے انکار کریں، مگر عدالت یہی کہے گی:

" مابدولت قطعی طور پر اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ یہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکتے، لہذا مابدولت ان دونوں سے پوچھے بغیر دونوں کی علیحدگی کا فیصلہ صادر فرماتے ہیں، کیونکہ حلیمہ اسحٰق کے بقول قرآن نے ہمیں اس کے اختیارات دیئے ہیں۔"

کیا محترمہ کا یہ نکتہ عجیب وغریب نہیں کہ جن لوگوں کے بارے میں علیحدگی کا فیصلہ صادر کیا جارہا ہے ان سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں، بس عدالت کا سکھاشاہی فیصلہ بیوی کو حلال و حرام کرنے کے لئے کافی ہے؟ کیا قرآن کریم میں دور دور بھی کہیں یہ مضمون نظر آتا ہے؟(57)

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے ملک پاکستان میں خلع کے بارے میں رائج عدالتی نظام کیا ہے اور اس مین کیا نقائص ہیں شرعی اعتبار سے عدالتی کاروائی کی کیا حیثیت ہے ان تمام پہلوؤں کو بحسن انداز تحریر فرماتے ہیں

محترمہ ہمیں عدالتی طریق کار سے آگاہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

" یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ہماری عدالتوں کا ایک طریقہ کار یہ بھی ہے کہ وہ دوران مقدمہ شوہر اور بیوی کو بلا کر ایک موقع اور دیتے ہیں لیکن اگر عدالت اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ زوجین کا اکھٹا رہنا ناممکن ہے تو اس صورت

میں عدالت خلع کی ڈگری کر دیتے ہے، اور یوں عدت کے بعد اگر کوئی عورت عقد ثانی کرتی ہے تو نہ عقد ثانی حرام ہے ،اور نہ ہی قرآن و سنت اس بات کی ممانعت کرتی ہے۔"

اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ عدالتیں اگر میاں بیوی کو مصالحت کا موقع دیتی ہیں تو بہت اچھا کرتی ہیں، تاہم شرعی نقطہ نظر سے ہمارے موجودہ عدالتی نظام میں (خصوصاًعائلی مسائل کے حوالے سے)متعدد سقم پائے جاتے ہیں چونکہ خلع کا مسئلہ خالص شرعی مسئلہ ہے، جس سے حلال و حرام وابستہ ہے، اس لئے عدالتی نظام کی ان خامیوں کی اصلاح بہت ضروری ہے، چند اُمور کی جانب مختصراًاشاررہ کرتا ہوں:

ا۔ ہمارے یہاں یہ تو ضروری سمجھا جاتا ہے کہ جس شخص کو جج کے منصب پر فائز کیا جائے وہ رائج الوقت قانون کا ماہر ہو، اور ایک عرصہ تک اس نے بحیثیت وکیل کے قانونی تجربہ بھی بہم پہنچایا ہو، لیکن شریعت اسلامی نے منصب قضا کے لئے جو شرائط مقرر کی ہیں، مثلاًاس کا مسلمان ہونا، مرد ہونا، عادل ہونا، شرعی قانون کا ماہر ہونا، ان شرائط کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ چنانچہ جس جج کی عدالت مین خلع کا مقدمہ جاتا ہے اس کے بارے میں ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ مسلمان بھی ہے یا نہیں اوشرعی قانون کا ماہر ہونا تو درکنار وہ ناظرہ قرآن بھی صحیح پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ کسی غیر مسلم کا فیصلہ مسلمانوں کے نکاح و طلاق کے معاملات مین شرعاًنافذ و موئثر نہیں، اس لئے ضروری ہے کہ یہ اصول طے کر دیا جائے کہ خلع کے جو مقدمات عدالتوں میں جاتے ہیں ان کی سماعت صرف ایسا جج کر سکے گا جو مسلمان ہو، نیک اور خدا ترس ہو، اور شرعی مسائل کی نزاکتوں سے بخوبی واقف ہو، چونکہ خلع سے حلال و حرام وابستہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس میں شرعی اصول و قواعد کی پابندی کی جائے۔

۲۔ موجودہ عدالتی نظام میں سب سے زیادہ موئثر کردار قانون کے ماہرین (وکلاء) حضرات کا ہے کہ وہی فریقین کی طرف سے عدالت میں پیش ہوتے ہیں اوعدالت کی قانونی رہنمائی کرتے ہیں، لیکن وکیل ساحبان کا طرز عمل عموماًیہ ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کو معلوم ہو تا ہے کہ ان کے موکل کا موقف قطعاًغلط اور باطل ہے، وہ اس باطل کی پیروی کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں اور پھر اس باطل کو حق اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے نہ صرف خود عدالت میں زمین و

آسمان کے قلابے ملاتے ہیں بلکہ اپنے موکل کو بھی جھوٹا بیان تلقین کرتے ہیں، اور یہ جھوٹا بیان اس کو اس طرح رٹاتے ہیں جس طرح قرآن حفظ کرنے والا بچہ مکتب میں قرآن کریم کے الفاظ کو رٹتا ہے۔ کوئی خاتون خلع کی درخواست عدالت میں پیش کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے بھی وکیل صاحبان کی خدمات حاصل کرنا ناگزیر ہوتا ہے اور وکیل صاحبان اس سے بھی جھوٹا بیان دلواتے ہیں خیال کیجئے کہ عورت کا جو دعویٰ اس طرح کے وکیلانہ جھوٹ پر مبنی ہو، اور عدالت اس جھوٹ کو سچ سمجھ کر اسے خلع کی یکطرفہ ڈگری دے دیں تو کیا یہ عدالتی فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حلال و حرام کو تبدیل کرنے میں مؤثر ہو سکتا ہے؟

۳۔ عدالت کا منصب فریقین کے ساتھ انصاف کرنا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ عدالت کا جھکاؤ کسی ایک فریق مقدمہ کی طرف نہ ہو۔ لیکن مغربی پروپیگنڈہ کے زیر اثر ہمارے یہاں گویا یہ اصول طے کر لیا گیا ہے کہ خلع کے مقدمہ میں مرد ہمیشہ ظالم ہوتا ہے اور عورت ہمیشہ معصوم، مظلوم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ خلع کے تقریباً سو فیصد فیصلے عورت کے حق میں کیے جاتے ہیں، جب عدالت نے ذہنی طور پر شروع ہی عورت کی طرفداری کا اصول طے کر لیا ہو تو سوچا جا سکتا ہے کہ اس کا فیصلہ انصاف کی ترازو میں کیا وزن رکھتا ہے۔ اور وہ شرعاً کیسے نافذ و مؤثر ہو سکتا ہے، اور اس کے ذریعے عورت پہلے شوہر کے لئے حرام اور دوسرے کے لئے حلال کیسے ہو سکتی ہیں؟

۴۔ مفتی اور قاضی کے منصب میں یہ فرق ہے کہ مفتی کے سامنے جو صورت مسئلہ پیش کی جائے وہ اس کا شرعی حکم لکھ دیتا ہے، اسکو اس سے بحث نہیں کہ سوال میں جو واقعت درج ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں، نہ اس کے ذمہ اصل حقائق کی تحقیق و تفتیش لازم ہے۔ برعکس اس کے قاضی کا منصب یہ کہ مدعی نے اپنے دعویٰ میں جو واقعات ذکر کئے ہیں ان کے ایک ایک حرف کی تحقیق و تفتیش کرکے دیکھے کہ ان میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ؟ اور جب تحقیق و تفتیش کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ ہو جائے تو اس کی روشنی میں عدل وانصاف کی ترازو ہاتھ میں لے کر فیصلہ کرے۔

لیکن ہمارے یہاں خلع کے مقدمات میں تحقیق و تفتیش کی ضرورت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ گویا عدالتیں قاضی کے بجائے مفتی کا کردار ادا کرتی ہیں، مدعیہ کی جانب سے جو واقعات پیش کئے جاتے ہیں، جن کو وکیل صاحبان نے اپنی خاص

مہارت کے ذریعہ بات کا بتنگڑ ابنا کر خوب رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی کے ساتھ پیش کیا ہوتا ہے، عدالت انہی کو وحی آسمانی اور حرف آخر سمجھ کر ان کے مطابق یکطرفہ ڈگری صادر کر دیتی ہے شوہر کو حاضر عدالت ہونے کی بھی زحمت نہیں دی جاتی۔ نہ صحیح صورت کو معلوم کرنے کی تکلیف اٹھائی جاتی ہے عدالت زیادہ سے زیادہ یہ کرتی ہے کہ شوہر کے نام نوٹس جاری کر دیتی ہے کہ:

"وہ فلاں تاریخ کو حاضر عدالت ہو کر اپنا موقف پیش کرے ورنہ اس کے خلاف کاروائی یکطرفہ عمل میں لائی جائے گی۔"

مرد یہ سمجھتا ہے کہ اس کا عدالت جانا نہ جانا برابر ہے کیونکہ عدالتی فیصلہ تو بہر صورت اس کے خلاف ہونا ہے، اسلئے وہ عدالت کے نوٹس کا نوٹس ہی نہیں لیتا، ادھر عدالت یہ سمجھتی ہے کہ اس نے شوہر کے نام نوٹس بھجوا کر قانون و انصاف کے سارے تقاضے پورے کر دیئے ہیں، اب اگر وہ عدالت میں نہیں آئے گا تو اپنا نقصان کرے گا۔ اس لئے وہ خلع کی یکطرفہ ڈگری جاری کر دیتی ہے۔ (58)

اس طرح آپ کی کاوشوں سے ملکی سطح پر اس مسئلے کی صحیح شرعی رہنمائی ہوئی۔ اور ہزاروں گھرانے غلط کاری سے محفوظ ہوئے۔

افضل فرقہ:۔

اس وقت پوری دنیا میں لوگ مختلف گروہ اور مذاہب و مسالک اور رنگ و نسل کے فرق و امتیاز میں بٹے ہوئے۔ یہی کچھ حالات اسلام کے ماننے والے کلمہ گو مسلمان کئی فرقے میں بٹے ہوئے ہیں کوئی شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث و غیرہ کئی نام سے لوگ مختلف نظریات کے حامل ہیں اور ایسا ہونا ایک امر مقدر ہے کیونکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ولو شاء اللہ لجعلھم امۃ واحدۃ ولکن یدخل من یشاء فی رحمتہ (59)

ترجمہ: اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا اور وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے۔

اس آیت کی تشریح میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"یعنی بیشک اس کو قدرت تھی اگر چاہتا تو سب کو ایک طرح کا کا بنا دیتا اور ایک راستہ پر ڈال دیتا لیکن اس کی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ اپنی رحمت وغضب دونوں قسم کی صفات کا اظہار فرمائے اس لئے بندوں کے احوال میں اختلاف و تفاوت رکھا کسی کو اسکی فرمانبرداری کی وجہ سے اپنی رحمت کا مورد بنا دیا اور کسی کو اس کے ظلم وعصیان کی بناء پر رحمت سے دور پھینک دیا۔"(60)

حدیث شریف میں بھی اس بات کا تذکرہ ہے کہ اس امت میں تہتر فرقے ہونگے جن میں سے صرف ایک فرقہ نجات پائے گا مگر مسئلہ یہ پیش آتا ہے کہ یہ ناجی فرقہ کون سا ہے؟ مسلمانوں میں پھیلے ہوئے مختلف فرق میں سے کون سا فرقہ سب سے افضل ہے؟ خاص کر عوام الناس جو قرآن وحدیث کی تعلیمات سے نابلد ہے وہ کس راہ کو اختیار کرے یہ ایک عالمی اور پوری امت مسلمہ کا مسئلہ ہے لیکن جب اس سلسلے میں دوبئی سے کچھ لوگوں نے مولانا یوسف لدھیانوی سے اپنی اس پریشانی اور الجھن کا استفسار کیا اور حل کی کوئی صورت پوچھی تو حضرت اقدس نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کو ایک ایسا" معیار" تحریر فرما کر دیا جس کے تناظر میں ہر عام شخص خود حق وباطل کا فیصلہ با آسانی کر سکتا ہے فائدہ کے پیش نظر سوال نامہ سے اس نوعیت کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں پھر حضرت کا تحریر کردہ معیار نقل کرے گے۔

سنی، شیعہ، دیوبندی، بریلوی اور وہابی فرقوں کے عقائد میں کیا فرق ہے ان میں اختلاف کیا ہیں ان میں سب سے افضل کون سا فرقہ ہے اور اس میں کتنے فرقے ہیں۔(61)

حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں دوسری قسم کا اختلاف "نظریاتی اختلاف" کہلاتا ہے۔ اور یہی آپ کے سوال کا موضوع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف کی بھی پیش گوئی فرمائی تھی اور اس اختلاف میں حق وباطل کو جانچنے کا معیار بھی مقرر فرمایا تھا چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

" بنو اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹے تھے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹے گی۔ یہ سب کے سب سوائے ایک کے جہنم میں جائیں گے۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ! یہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے؟ فرمایا "ماانا علیہ واصحابی" جو لوگ اس راستے پر قائم رہیں گے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ ہیں۔"

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

" دوزخ جائیں گے اور ایک جنت میں۔ اور یہ "الجماعت" یعنی بر حق جماعت ہے اور کچھ لوگ نکلیں گے جن میں خواہشات اور غلط نظریات اس طرح سرایت کر جائیں گے جس طرح باؤلے کتے کے کاٹے ہوئے شخص کی بیماری ہوتی ہے۔ کہ اس کا کوئی جوڑ اور رگ وریشہ ایسا نہیں رہتا جس میں یہ بیماری سرایت نہ کر جائے۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

" جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ اس لئے میرے طریقہ کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑو! اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑو۔ اور دیکھو! جو باتیں نئی نئی ایجاد کی جائیں گی ان سے احتراز کیجئو۔ اس لئے کہ ہر وہ چیز (جو دین کے نام پر) نئی ایجاد کی جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچ کر فرمایا:

" یہ تو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے" اور اس کے دائیں بائیں کچھ لکیریں کھینچ کر فرمایا یہ وہ راستے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک پر ایک شیطان بیٹھا لوگوں کو ورغلا رہا ہے کہ ادھر آؤ! یہ صحیح راستہ ہے۔ یہ ارشاد فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس اس پر چلو۔" (یہ تمام حدیثیں مشکوٰۃ شریف میں ہیں)

ان ارشاداتِ مقدسہ سے واضح طور پر حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ آنحضرت ﷺ نے امت میں نظریاتی اختلاف کے رونما ہونے کی پیش گوئی فرمائی۔

۲۔ اس اختلاف کو ناپسند فرمایا اور سوائے ایک جماعت حقّہ کے باقی سب کو دوزخ کی وعید سنائی۔

۳۔ اس اختلاف میں حق و باطل کو پہچاننے کا معیار آنحضرت ﷺ نے یہی معّین فرمایا کہ جو شخص یا جو گروہ آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے طریقے پر قائم ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ ﷺ صحابہؓ بھی عمل پیرا رہے۔ وہ حق پر ہے اور جو اس کے خلاف چلے وہ باطل پر ہے۔ گویا معیار حق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا راستہ ہے قرآن نے بھی بہت سی جگہ اسی کو معیار حق قرار دیا ہے ایک جگہ ارشاد ہے:

و من یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المومنین نو له ماتولی و نصله جهنم و ساءت مصیراً

ترجمہ: اور جو شخص مخالفت کرے۔ رسول ﷺ کی جب کہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی ہے اور چلے مومنین کا راستہ چھوڑ کر ہم اس کو دھکا دیں گے جدھر وہ جاتا ہے اور اس کو دوزخ میں جھونک دیں گے۔ اور وہ ہے بہت بُرا ٹھکانا۔

اس آیت کریمہ میں جن ’’ المومنین‘‘ کے راستے کی نشاندہی کی گئی اس سے جماعت صحابہؓ مراد ہے۔

۴۔ آنحضرت ﷺ نے ان تمام اُمور کو جو دین کے نام پر بعد میں ایجاد کئے گئے ’’بدعت‘‘ فرمایا۔

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدعات اور گمراہیوں کے ایجاد کرنے کی علت بھی بیان فرمائی یعنی غلط خواہشات کی پیروی۔ اور یہ ایسا مرض ہے کہ آدمی کے دل و دماغ کو مسخ نہیں کرتا بلکہ جس طرح باؤلے کتے کے کاٹے کا زہر آدمی کے سارے بدن میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور وہ اچھا بھلا آدمی ہونے کا باوجود غیر انسانی حرکات پر اتر آتا ہے۔ اسی طرح جس شخص کو غلط نظریات کے باؤلے کتے نے کاٹ کھایا ہو اس کے رگ وریشہ میں بھی خود رائی کا زہر سرایت کر جاتا ہے۔ اور اسے اپنے خود تراشیدہ نظریات کے سوا تمام دنیا افسانۂ غلط نظر آنے لگتی ہے۔

۶۔ آنحضرت ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائی کہ ان اختلافات کے ظہور کے وقت وہ آنحضرت ﷺ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین جن کا ہدایت پر ہونا ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ کے طریقہ پر سختی سے قائم رہیں اسے

دانتوں کی کچلیوں سے مضبوط پکڑلیں، بدعات وخواہشات کے ہزاروں جھکڑ چلیں اور نئے نئے خوش نما قسم کے نظریات کی لاکھوں بجلیاں کوندیں مگر امت کے ہاتھ سے یہ مضبوط رشتہ ہر گز نہیں چھوٹنا چاہیے۔

۷۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اور جس پر صحابہ کرامؓ چلے۔ یہ راستہ قیامت تک رہے گا لیکن اس خدائی راستے کے بالمقابل کچھ شیطانی راستے بھی نکلیں گے اور ہر راستہ پر ایک شیطان بیٹھا لوگوں کو خدائی راستہ سے ہٹا کر اپنے راستہ پر چلنے کی دعوت دے گا۔ اپنی اس دعوت میں لوگوں کے مزاج اور ان کی نفسیات کے مطابق دلائل بھی دے گا اور خدا تعالیٰ کے راستہ کا نعوذ باللہ فرسودہ اور رجعت پسندانہ بھی بتائے گا۔ مگر امت کو آگاہ رہنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ٹھیک راستہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا۔ جس پر صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ چلے اور جس کی پیروی ہمیشہ سلف صالحین اور اولیائے امت کرتے۔ اس ایک راستے کے سوا باقی سب شیطان کے ایجاد کیے ہوئے راستے ہیں۔ اور جو لوگ ان میں سے کسی راستے کی دعوت دیتے ہیں وہ شیطان کے ایجنٹ بلکہ مجسم شیطان ہیں۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ صراط مستقیم کو چھوڑ کر ان پگڈنڈیوں پر نکل پڑے گا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کسی اندھیرے غار میں کسی اژدہائے منہ میں جائے گا۔ یا کسی لق ودق صحرا میں بھٹک کر کسی بھیڑیئے کا تر نوالہ بن کر رہ جائے گا۔(62)

اس معیار کو لکھنے کے بعد حضرت اقدس لکھتے ہیں کہ یہ اصول و قواعد جو قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر کیے گئے ہیں ان کو ذہین نشین کر لینے سے ایک متوسط ذہن رکھنے والا بھی کسی بھی فرقہ کو ان اصولوں پر جانچ پرکھ سکتا ہے کہ کون سے فرقہ صحیح اور افضل ہے اور یقیناً حضرتؒ کا دیا ہوا یہ ایک قیمتی سرمایہ ہے جو ہر آدمی کے لئے مفید ہے۔

اس کے علاوہ حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ چونکہ مرجع الخلائق تھے اس لئے ملک یا بیرون ملک میں کوئی بھی فقہی اعتبار سے مسئلہ پیش ہوتا تو سب آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔

مسئلہ رجم:

۱۹۸۱ میں ملک میں ایک حکم شرعی زنا کی حد کے خلاف مغربی پروپیگنڈے کے تحت طوفانی بد تمیزی برپا ہوا۔ اسلامی نکتہ نظر سے اگر شادی شدہ مرد وعورت زنا کریں تو اس کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے لیکن پاکستان کے کچھ پڑھے لکھے جاہل اس شرعی حد کے منکر تھے اور ۱۹۸۱ میں انہوں نے اس مسئلہ کو ملکی سطح پر بہت اچھالا اور ارباب اقتدار کے ذریعہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ:

" حدود آرڈیننس مجریہ ۱۹۷۹ کے تحت زنا کے جرم میں رجم کر کے ہلاک کرنے کی سزا اسلامی احکام کے خلاف ہے۔"

چنانچہ حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ نے رجم کی شرعی حیثیت پر قرآن وحدیث اور اسلاف واکابرین امت کے اقوال جمع کر کے اسے ایک کتابی شکل دی۔ اور اس بارے میں پاکستانی عوام اور مسلمانوں کو اس فقہی مسئلہ پر مکمل آگاہی فراہم کی۔ حسن اتفاق ہوا آپ کی اس کتاب کے چھپ کے آنے کے بعد حالات بہتر ہوئے اور اسی وفاقی شرعی عدالت میں راسخ العلم علماء کا اثر ونفوذ ہوا اور انہوں نے پھر سے رجم کے شرعی حد ہونے کا فیصلہ دیا الحمد اللہ۔

چار شادیاں:۔

ہر دور میں کفار نے اسلام کے خلاف سازش کی ہیں اور کفار ہمیشہ اسلامی احکام کو غلط رخ دے کر دنیا کے سامنے اسلام واہل اسلام کے بارے میں منفی تاثرات پھیلاتے اور پروپیگنڈہ کرتے ہیں اسلامی احکامات میں سے ایک "حکم مردوں کو چار شادیوں کی اجازت ہے۔" حقیقت میں اللہ تعالیٰ انسانوں کی فطرت کو خوب جانتے ہیں اسی کے مطابق اللہ نے احکام دیئے ہیں۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید کے دور میں چند مغربی کلچر سے متاثر اور دین سے دور خواتین نے اس سلسلے میں خواتین کے عالمی دن میں مارچ کیا اور اس مسئلہ کے خلاف احتجاج کیا جس سے پورے ملک میں اس فقہی حکم کے بارے میں چے مے گوئی ہونے لگی تو اس بارے حضرت اقدسؒ سے رجوع کیا گیا چنانچہ ہم سوال وجواب کا اقتباس نقل کرتے ہیں:

گزشتہ دنوں کراچی میں عورتوں کے عالمی دن کے موقع پر مختلف سماجی تنظیموں کی جانب سے تقاریب منعقد ہوئیں جن میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ " ایک سے زیادہ شادیوں پر پابندی عائد کی جائے اور عورتوں کو مردوں کے مساوی وراثت کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ اسی طرح شادی اور طلاق میں عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق حاصل ہونے چاہئیں:۔

ا۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے ان مطالبات کی کیا اہمیت ہے؟

۲۔ ایسے مطالبے کرنے والے شرعی نقطہ نگاہ سے کیا اب تک دائرہ اسلام میں داخل ہیں؟

۳۔ رسول ﷺ کے احکامات کا مذاق اڑانے والوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے خلاف آواز اٹھانے والوں کی کیا سزا ہے؟

جواب:۔ ان بے چاری خواتین نے جن کے مطالبات آپ نے نقل کیے ہیں۔ یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ وہ اسلام کی ترجمانی کر رہی ہیں تاکہ آپ یہ سوال کریں کہ وہ دائرہ اسلام میں رہیں یا نہیں؟ رہا یہ کہ اسلامی نقطہ نظر سے ان مطالبات کی کیا اہمیت ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مرد کو بشرط عدل چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔ عورت کو چار شوہر کرنے کی اجازت اللہ تعالیٰ نے تو کجا؟ کسی ادنی عقل و فہم کے شخص نے بھی نہیں دی۔ اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ قرآن کریم نے وراثت اور شہادت میں عورت کا حصہ مرد سے نصف رکھا ہے۔ اور طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے جب کہ عورت کو طلاق مانگنے کا اختیار دیا ہے، طلاق دینے کا نہیں۔ اب فرمان الٰہی سے بڑھ کر اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت کون کرے گا؟ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مسلم معاشرہ میں بڑی بھاری اکثریت ایسی باعفت، باسلیقہ اور اطاعت شعار خواتین کی رہی ہے جنہوں نے اپنے گھروں کو جنت کا نمونہ بنا رکھا ہے واقعتاً حوران بہشتی کو بھی ان کی جنت پر رشک آتا ہے۔ اور یہ پاکباز خواتین اپنے گھر کی جنت کی حکمران ہیں۔ اور اپنی اولاد اور شوہروں کے دلوں پر حکومت کر رہی ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض گھروں میں مرد بڑے ظالم ہوتے ہیں اور انکی خواتین ان سے بڑھ کر بے سلیقہ اور آداب زندگی سے نا آشنا۔ ایسے گھروں میں میاں بیوی کی

"جنگ انا" ہمیشہ برپا رہتی ہیں اواس کے شور شرابے سے ان کے آس پڑوس کے ہمسایوں کی زندگی بھی اجیرن ہو جاتی ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ عورتوں کے عالمی دن کے موقع پر جن بیگمات نے اپنے مطالبات کی فہرست پیش کی ہے ان کا تعلق بھی خواتین کے اسی طبقہ سے ہے جن کا گھر جہنم کا نمونہ پیش کر رہا ہے، اور اس کے جگر شگاف شعلے اخبارات کی سطح تک بلند ہو رہے ہیں، اور وہ غالباً اپنے ظالم شوہروں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہی ہیں، اور چونکہ یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اپنے جیسا سمجھا کرتا ہے اس لئے اپنے گھروں کو جہنم کی آگ میں جلتے ہوئے دیکھ کر یہ بیگمات سمجھتی ہوں گی کہ جس طرح وہ خود مظلوم و مقہور ہیں اور اپنے ظالم شوہروں کے ظلم سے تنگ آچکی ہیں کچھ یہی کیفیت مسلمانوں کے دوسرے گھروں میں بھی ہوں گی، اس لئے وہ بزعم خود تمام مسلم خواتین کی طرف سے مطالبات پیش کر رہی ہیں۔ حالانکہ یہ ان کی "آپ بیتی" ہے "جگ بیتی" نہیں۔ سو ایسی خواتین واقعی لائق رحم ہیں، ہر نیک دل انسان کو ان سے ہمدردی ہونی چاہیے، اور حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ ان مظلوم بیگمات کو ان کے درندہ صفت شوہروں کے چنگل سے فوراً نجات دلائے۔

میں ایسے مطالبے کرنے والی خواتین کو مشورہ دوں گا کہ وہ اپنی برادری کی خواتین میں یہ تحریک چلائیں کہ جس شخص کی بیوی موجود ہو اس کے حبالہ عقد میں آنے کو کسی قیمت پر بھی منظور نہ کیا کریں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں مردوں کی ایک سے زیادہ شادی پر خود بخود پابندی لگ جائے گی اور ان محترم بیگمات کو حکومت سے مطالبہ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ رہا طلاق کا اختیار تو اس کا حل پہلے سے موجود ہے۔ کہ جب بھی میاں بیوی کے درمیان ان بن ہو فوراً خلع کا مطالبہ کر دیا جائے، ظالم شوہر خلع نہ دے تو عدالت خلع دلوا دے گی۔ بہر حال اس کے لئے حکومت سے مطالبہ کی ضرورت نہیں رہی مرد عورت کی برابری کا مسئلہ! تو آج کل امریکہ بہادر اس مساوات کا سب سے بڑا علمبردار بھی ہے، اور ساری دنیا کا اکیلا چودھری بھی۔ یہ مطالبہ کرنے والی خواتین امریکی ایوان صدر کا گھیراؤ کریں، اور مطالبہ کریں کہ جب سے امریکہ مہذب دنیا کی برادری میں شامل ہوا ہے آج تک اس نے ایک خاتون خانہ کو بھی امریکی صدارت کا منصب مرحمت نہیں فرمایا، لہٰذا فی الفور امریکہ کے صدر کلنٹن صدارت کے منصب سے اپنی اہلیہ محترمہ کے حق میں دستبردار ہو جائیں اسی طرح امریکی حکومت کے وزرا اور ارکان دولت بھی اپنی اپنی بیگمات کے حق میں دستبردار ہو کر گھروں میں جا

بیٹھیں پھر یہ خواتین فوراًیہ قانون وضع کریں کہ جتنا عرصہ مردوں نے امریکہ پر راج کیا ہے اتنے عرصہ کے لئے خواتین حکومت کریں گی، اور اتنے عرصہ تک کسی مرد کو امریکی حکومت کے کسی منصب پر نہیں لیا جائے گا تاکہ مردوں کی مساوات کے ابتداء امریکہ بہادر سے ہو، اگر ان معزز خواتین نے اس معرکہ کو سر کر لیا تو دنیا میں عورت اور مرد کی برابری کی ایسی ہوا چلے گی کہ ان خواتین کو اخبارات کے اوراق سیاہ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی اللہ تعالیٰ ان خواتین کے حال زار پر رحم فرمائیں۔(63)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی زندگی میں سینکڑوں فقہی مسائل ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ایسے پیش آئے جس میں حضرت نے ہی رہنمائی کی۔ لیکن ان سب کا احاطہ کرنا اور یہاں درج کرنا مشکل ہے۔ لہذا ہم نے نمونے کے طور پر چند مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔

مصادر و مراجع

(1) الصبح النوری
(2) الصبح النوری
(3) اشرف الہدایہ ص ۱۰
(4) تسہیل الحقائق ص ۱
(5) تسہیل الحقائق ص ۱
(6) اشرف الہدایہ ص ۱۰
(7) نماز کا انسائیکلوپیڈیا ص ۹۹
(8) اشرف الہدایہ ص ۱۰
(9) مجموعہ قواعد الفقہ ص ۲
(10) احسن الہدایہ ص ۲۲
(11) توضیح ص ۷، البحر الرائق ۶
(12) تسہیل الحقائق ص ۱
(13) البحر الرائق ص ۷
(14) احسن الہدایہ ص ۲۲
(15) احسن الہدایہ ص ۲۲
(16) اشرف الہدایہ ص ۱۰
(17) تسہیل الحائق ص ۲
(18) الصبح النوری ص ۱۰
(19) الصبح النوری ص ۱۰
(20) نماز کا انسائیکلوپیڈیا ص ۹۲
(21) التعلیق لصبیح ص ۳
(22) نماز کا انسائیکلوپیڈیا ص ۱۰۲ تا ۱۰۵
(23) نماز کا انسائیکلوپیڈیا ص ۱۰۶
(24) نماز کا انسائیکلوپیڈیا ص ۱۱۴
(25) معارف القرآن ص ۳۷۳
(26) تسہیل الحقائق شرح کنز الدقائق ص ۴، ۵
(27) بینات لدھیانوی نمبر ص ۲۱۴
(28) بینات لدھیانوی نمبر ص ۱۸۹
(29) آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۵ ص ۱۶۹
(30) آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۴۷، ۳۴۶
(31) آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۳۰۲، ۳۰۱
(32) آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۹ س ۲۵۴ تا ۲۵۶
(33) آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۹ ص ۱۳۰
(34) عالمگیری ج ۴ ص ۱۱۲ طبع مصر
(35) آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۹ ص ۱۷۰ تا ۱۷۶
(36) آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۹ ص ۱۷۷

(37) صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۹، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۰، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۴

(38) فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۶، کتاب الانبیاء باب خلق آدم وزریتہ

(39) ترمذی ج ۲ ص ۱۲۰، ابو داؤد ج ۲ ص ۲۴۴ مسند احمد ج ۴ ص ۴۰۰

(40) صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۷، مسند احمد ج ص ۲۴۰ مسند طیالسی ص ۳۷۰ حدیث ۲۰۳۴

(41) فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۴، مسند ابو یعلی ج ۶ ص ۹۷ حدیث ۶۵۴۹ مجمع الزوائد: ج ۸ ص ۱۹۷

(42) القرآن آل عمران آیت ۵۹

(43) القرآن سورہ الحجرات آیت ۲۶

(44) القرآن سورہ الصافات آیت ۱۱

(45) القرآن سورہ الحجرات آیت ۲۸

(46) القرآن سورہ الرحمن آیت ۱۴، ۱۵

(47) القرآن سورہ ص آیت ۷۲، ۷۱

(48) القرآن سورہ ص آیت ۷۵

(49) تفسیر ابی السعود ص ۲۳۶ ج ۷

(50) مشکوۃ ج ۱ ص ۱۹

(51) مشکوۃ ج ۱ ص ۴۸۸

(52) آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۹ ص ۸۲ تا ۹۷

(53) آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۱ ص ۳۶۔۳۷

(54) اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۴۹۱

(55) جنگ اخبار ص اسلامی اقراء ۱۲ اگست ۱۹۹۴

(56) آپ کے مسائل اور انکا حل جلد ۵ ص ۴۳۰

(57) آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۵ ص ۴۳۴۔۴۳۶

(58) آپکے مسائل اور ان کا حل جلد ۵ ص ۴۴۰۔۴۴۷

(59) القرآن سورہ شوریٰ آیت ۸

(60) تفسیر عثمانی جلد ۲ ص ۵۰۶

(61) اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۶

(62) اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۱۰۔۱۴

(63) آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۹ ص ۲۴۴۔۲۴۷

باب پنجم: اصلاح ملک وملت میں آپکا کردار

فصل اول: آئین پاکستان کی تشکیل میں آپکا کردار

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی پوری زندگی دینی خدمات سے تعبیر مولانا موصوف نے ہر میدان میں خدمات انجام دیں۔ جہاں آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف میں تشنگان امت کو سیرابی دی وہیں آپ نے آئین و ملت میں بھی گہرا کردار ادا کیا۔ خاص کر پاکستان کے آئین کو مکمل اسلامی بنانے کے لئے آپ نے پناہ کاوشیں کیں۔

تحریک آزادی کے نتیجہ میں جب پاک وہند تقسیم ہوا اور پاکستان معرض وجود میں آیا تو پاکستان کو کئی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان ہی مشکلات میں سے ایک انتہائی صعب کٹھن مرحلہ قانون سازی کا بھی تھا چونکہ پاکستان آزاد تو ہو گیا تھا پر دشمنانِ اسلام و مسلمین پیہم جدوجہد میں مصروف عمل تھے کہ کسی طرح پاکستان کو خالص اسلامی اسٹیٹ بننے نہ دیا جائے اس سلسلے میں قادیانیوں اور ان کے خوشہ چیں نے اپنی پوری قوت صرف کی کہ کسی طرح پاکستان کو قادیانی اسٹیٹ بنایا جائے۔ چونکہ اس وقت پاکستان ایک نئی ریاست اور مملکت تھی اور قادیانیوں سے متعلق کوئی قانون پاکستان کے آئین میں شامل نہیں تھا اس لئے قادیانیوں کو خوب موقع ملا کہ وہ پاکستان میں اپنے ناپاک عزائم کا خواب پورا کریں لیکن ہمارے علماء نے مسلسل محنت کر کے نہ صرف ان کے عزائم کو خاک میں ملایا بلکہ اسمبلی سے قانون سازی کے ذریعہ قادیانیوں کو کافر قرار دیا۔

اب ہم مختصراً انداز میں فتنۂ قادیانیت کی حقیقت واضح کرتے ہیں تاکہ قارئین کو معاملے کی سنگینی اور قادیانیوں کی دجل فریبی کا بخوبی علم ہو۔

فتنۂ قادیانیت کی ابتداء:

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے بعد انگریز کو یہ خوف ہو گیا تھا کہ مسلمانوں میں جب تک ایمانی شعور باقی رہے گا تو ہو اسی طرح انگریزوں اور کفریہ طاقتوں اور طاغوتی شکنجوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے جہاد کا پھریرا لہراتے رہیں گے اور

اس طرح کہیں مسلمان بر صغیر پر قابض نہ آجائے۔ چنانچہ اس خطرے کے پیش نظر انگریز نے مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کے لئے زہریلے بیج بونے شروع کر دئے۔ چنانچہ قادیانیت کی ابتداء کے بارے میں مصنف ”ادیان باطلہ اور صراط مستقیم“ لکھتے ہیں۔

”۱۸۵۷ء میں برطانوی سامراجیوں نے جس مکر و فریب عیاری ہتھکنڈوں سے مسلمان حکمرانوں کو تخت و تاج سے محروم کیا اور خود تمام اختیارات واقتدار پر قابض ہوگئے ان کو ڈر تھا کہ کہیں یہ مسلمان ہم سے پھر اقتدار نہ چھین لیں۔ اس خطرے کے پیش نظر انہوں مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے ان میں انتشار و افتراق کے بیج بونے شروع کر دیئے۔ اس میں سے ایک مرزا غلام احمد قادیانی بھی تھا، جس سے انہوں نے اسلام کے بنیادی عقائد پر ضرب لگائی، کبھی نبوت کا دعویٰ کروایا اور کبھی انبیاء کو برا بھلا کہلوایا اور کبھی قرآن وحدیث کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی گئی اور پھر آخر میں جہاد جس سے برطانوی حکومت کو ڈر تھا کہ ہماری حکومت یہ چھین نہ لیں اس کے لئے انہوں نے مرزا غلام احمد کی زبان سے کہلوایا کہ جہاد اب ختم ہو گیا اور اس بات کا مرزا صاحب نے کئی بار اعلان کیا کہ ہر وہ شخص جو مجھ سے بیعت کرے کہ وہ مجھ کو مسیح موعود جانتا ہے اسی میں یہ عقیدہ بھی ہے کہ اب اس زمانے میں جہاد حرام ہو گیا۔“(1)

اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی کی ابتدائی سرگرمیوں کے بارے میں جناب محمد متین خالد صاحب لکھتے ہیں:

” مسلمانانِ عالم کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر اجماع اور عقیدہ جہاد ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے بعد اسلام دشمن طاقتوں بالخصوص انگریزوں کے لئے سوہان روح بنا ہوا تھا اور ہے۔ ان کی شدید خواہش تھی اور ہے کہ کسی طرح کوئی ایسا انتظام ہو جائے کہ مسلمانوں کے دل سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت اور جہاد کی روح دونوں ختم ہو جائیں۔ اب چونکہ ایک نبی کے حکم میں ترمیم و تنسیخ دوسرے نبی کے ذریعے ہی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حکومت برطانیہ کی سرپرستی اور لالچ پر سیالکوٹ کی ضلع کچہری کے ایک منشی مرزا قادیانی نے اپنے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔“(2) حضرت مفتی نظام الدین شامزئی صاحب نے قادیانیت کی ابتداء کے بارے میں لکھا ہے:

" البتہ انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے شروع میں انگریزی استعمار و غلامی میں مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں جھوٹے مدعی نبوت کے برپا کردہ جس فتنہ قادیانیت نے سر اٹھایا باوجود ایک صدی گزر جانے کے وہ اب تک ملت اسلامیہ کو ناسور کی شکل میں نقصان پہچانے کے درپے ہیں۔(3)

انگریز نے مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت کو متزلزل کرنے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کا انتخاب کیا اور اپنے اس خود کاشتہ پودے کی مکمل حفاظت کرتے رہے چنانچہ حضرت مولانا یوسف بنوریؒ اپنے مقالات میں لکھتے ہیں

" بد قسمتی سے برطانوی اقتدار مین جھوٹی نبوت کا فتنہ کھڑا کیا گیا اور یہ سمجھ کر کہ ختم نبوت اسلام کا نبیادی عقیدہ ہے اس کے متزلزل ہو جانے سے اسلام کی عمارت منہدم ہو جائے گی اس پر ضرب کاری لگانے کی کوشش کی گئی، اس کے لئے مدعی نبوت مرزا غلام قادیانی کا انتخاب کیا گیا، متحدہ ہندوستان اسلامی حکومت کے سائے سے محروم تھا ورنہ مرزا کا حشر بھی اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب وغیرہ سے مختلف نہ ہوتا، اس لئے مسلمان سوائے دینی بحثوں اور مناظروں کے کچھ نہیں کر سکتے تھے، برطانوی حکومت اپنے تمام وسائل سے اس فتنہ کی پرورش اور اپنے خود کاشتہ پودا مرزا غلام احمد قادیانی کی حفاظت کرتی رہی"۔(4)

فتنہ قادیانیت کے مقاصد:

انگریز نے مرزا غلام احمد قادیانی کو کھڑا کیا تا کہ مسلمانوں کے ایمان اور عقائد کو متزلزل کریں اور امت محمدیہ علیہ الصلوۃ السلام کے اتحاد کو انتشار و افتراق میں بدلے جس کا پورا پورا فائدہ انگریز کو برٹش گورنمنٹ کے دوام کی صورت میں حاصل ہو۔ چنانچہ مولانا اسماعیل شجاع آبادی قادیانیت کے اغراض و مقاسد کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" چودھویں صدی ہجری میں اسلام کو جن فتنوں کا سامنا کرنا پڑا ان میں سے سے بدتر اور منحوس فتنہ وہ تھا جسے دنیا" فتنہ قادیانیت " کے نام سے جانتی ہے اس فتنہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی (المتوفی ۱۳۲۶)اور ان کے متعلقین کسی پر نیچریت اور کسی پر دہریت کی چھاپ تھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت سے انگریز کو اس ذہنی ارتداد کے لئے دو اہم ترین فائدے نظر آئے، اول یہ کہ یہ تحریک صرف خواص اور پڑھے لکھے روشن خیال افراد تک محدود نہیں رہے گی بلکہ

اس کا دائرہ کار عوام کی سطح تک پھیل جائے گا۔ دوم یہ کہ جو نظریات ملحدان یورپ اور ان کے شاگردان عزیز نیچرستی ا دہریت کی تہمت کی بناء پر مسلمانوں سے قبول کرانے پر کامیاب نہیں ہو سکے وہی نظریات "وحی الہام" کی سند سے قادیانی نبوت پیش کرے گی اور مسلمان اس کے سامنے سر خم تسلیم کر دیں گے۔"(5)

مرزا غلام احمد قادیانی کے فتنہ انگریزی کے اسباب و مقاصد بیان کرتے ہوئے خود ہمارے موضوع سخن ممدوح حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ تفصیل سے لکھتے ہیں کہ:

"۱۸۵۷ کے بعد اگرچہ انگریز کا پنجہ استداد ہندوستان پر پوری طرح گڑ چکا تھا، اور پنجران ہند کے لئے پھڑ پھڑانے کی گنجائش بھی باقی نہیں رہنے دی گئی تھی، لیکن اس خطرے سے بے نیاز نہیں تھا کہ یہ بے بال و پر اسیرانِ قفس کسی موقع پر اپنی اسیری کے خلاف پھر بغاوت کر ڈالیں۔ ان کے " ذہنی مشغلہ " اور " روحانی توجہ " کے لئے ضروری تھا کہ نہ صرف مذاہب عالم کو (جن کا مرکز بد قسمتی سے اس وقت ہندوستان تھا) آپس میں ٹکرا دیا جائے بلکہ یہ بھی قرین آئین جہانداری تھا کہ ہر مذہب میں نئے نئے فرقے پیدا کئے جائیں اور پھر ہر فرقے میں نئی نئی قلمیں لگا کر ہندوستان کو مذاہب و افکار کا نگار خانہ بنا دیا جائے۔ تاکہ آوازۂ حریت بلند کرنے کی اول تو کسی کو فرصت ہی نہ ملے۔ اور اگر کسی گوشے سے ایسی آواز اٹھے بھی تو اس افتراقی غلغلہ کے شور میں دب کر رہ جائے اور پرستاران مذہب کی نظر میں وہ آواز صدائے بے ہنگام قرار دی جائے۔"سفید آقا" کے غبارانہ فلسفہ نے اسے " آزادی مذہب" کا تمغہ کہہ کر غلامانِ ہند کو عطاء کیا تھا۔۔ اس دور میں جو مذہبی کشتیاں لڑی گئی۔۔ یا صحیح لفظوں میں یوں کہیے کہ غلامانِ ہند کو اس پر مجبور کیا گیا۔۔۔ اس کی مثال کسی قوم کے دور زوال میں ہی مل سکتی ہے۔ عروج ق اقبال کا دوران سے مبرا ہوتا ہے۔ اس دور میں کون کون سے فرقے وجود آئے ؟ اور انہوں نے کیا کردار ادا کیا؟ اور ان سے اسلام اور ملت اسلامیہ کو کیا کیا نقصان پہنچا؟ ان سوالات سے پردہ اٹھانا اگرچہ ایک تلخ فریضہ ہے لیکن ہم آنے والے مورخ کے قلم کو اس سے نہیں روک سکتے۔ یہاں صرف قادیانی نبوت کو لیجئے جو انگریز کے سایۂ عاطفت میں پھل پھول رہی تھی علماء حق کی جتنی قوت اس ایک فتنہ کے استیصال میں خرچ ہوئی اگر یہ انگریز کا خود کاشتہ پودا ہندوستان میں نہ ہوتا، غور کیجئے کہ ہندوستان کی تاریخ کا رخ کیا ہوتا اور ۱۸۵۷ میں جو کچھ ہم سے مکمل غصب کر لیا گیا تھا اس کی بازیابی میں کتنی آسانی ہو جاتی ؟۔"(6)

حقیقت میں انگریز مسلمانوں کے جذبہ حریت و جذبہ جہاد سے خائف تھا، چونکہ مسلمانوں کو جہاد، اور جذبہ جہاد کفار اور طاغوتی قوتوں سے ٹکرانا اور ان کی غلامی کو برداشت نہ کرنے کا سبق اسلام دیتا ہے اور مسلمانوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی **الجہاد ماض الی یوم القیامۃ** باطل اور کفریہ طاقتوں سے برسرپیکار رکھتا ہے۔ اس لئے انگریز نے ہندوستان کے مسلمانوں سے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے لئے مختلف افراد کو تیار کیا جنہوں نے مختلف انداز و کلام سے فریضہ جہاد کو مجہول کرنے کی کوشش کی لیکن جو کام جہاد کے خلاف مرزا غلام قادیانی اور اس کی ذریت نے انگریز کی وفاداری میں کیا اس جیسا کوئی نہ کر سکا۔ چنانچہ اسلسلے میں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ لکھتے ہیں:

" ہندوستان کے سیاسی پس منظر میں انگریز کو جس چیز نے سب سے زیادہ بے چین کر رکھا تھا، وہ اسلام کا مسئلہ جہاد تھا جہاد کی تلوار انگریزی جارحیت کے سر پر ہر وقت لٹک رہی تھی اور انگریز اس تلوار کو ہمیشہ کے لئے توڑ دینا چاہتا تھا یورپ کے مستشرقین نے اسلامی جہاد کے مسئلہ کو نہایت گھناؤنی شکل میں پیش کرنے کے لئے اگرچہ بہت سے صفحات سیاہ کئے۔ جناب سرسید احمد صاحب اور مولوی چراغ علی وغیرہ نے بھی اس کی تعبیرات اس انداز سے کیں کہ جہاد کا دبدبہ اور اس کی سنگینی انگریز کے ذہن سے ختم ہو جائے۔ لیکن انگریز بدستور خائف رہا اور جہاد کے عملی تجربوں نے جو وقتاً فوقتاً مسلمانوں کی طرف دہرائے جاتے تھے، اسے بے چین کیے رکھا تھا تا آنکہ مرزا غلام احمد صاحب نے وحی آسمانی کے ذریعہ اس کے آئندہ منسوخ ہونے کا اعلان کر دیا، ظاہر ہے مستشرقین کے طومار اور سرسید کے افکار کا وہ وزن نہیں تھا۔ جو مرزا صاحب کے " الہام " کا ہو سکتا تھا۔ مرزا صاحب کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا مشن ان کے وجود کا سب سے بڑا مقصد ان کی نبوت و مسیحیت کا سب سے بڑا کارنامہ اور ان کے الہامی تیر کا سب سے اہم نشانہ یہی مسئلہ جہاد ہے۔"(7)

مرزا غلام احمد قادیانی کے اغراض و مقاصد کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" انگریزی دور میں مرزا غلام احمد اور ان کی امت کا مشن صرف دو چیزیں امت مسلمہ میں افتراق و انتشار کے بیج بونا اور مسلمانوں کو انگریزوں کی وفاداری کی تلقین کرنا، ان کی دعوت یہ تھی کہ برطانوی حکومت " ظل اللہ فی الاض "

ہے ،اس کی حمایت و حفاظت ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس کے خلاف جہاد حرام ہے گویا اس دور میں قادیانی نبوت پر ایمان لانے کے معنی انگریزوں کی وفاداری پر ایمان لانے کے تھے۔خود مرزا صاحب کے لفظوں میں " باعتبار مذہبی اصول کے ۔۔۔۔ گورنمنٹ کا اول درجے کا وفادار اور جاں نثار یہی " نیا فرقہ " ہے جس کے اصول میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لئے خطرناک نہیں اور یہ کہ " اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی جہاد کا انکار کرنا ہے۔"(8)

مرزا کی انگریز سے وفاداری اور غلامی

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے حواری ہمیشہ سے انگریز کے وفادار غلام رہے ہیں۔یوں لگتا ہے جیسے مرزا کا پورا دین و مذہب انگریز کی وفاداری کا دوسرا نام ہے خود مرزا قادیانی کے تحریرات اس بات کی شاہد ہیں۔چنانچہ صاحب آئینہ قادیانیت نے مرزا کی مختلف کتابوں سے یہ بات باحوالہ ثبوت کے ساتھ نقل کی ہیں کہ مرزا انگریز کا نہ صرف غلام تھا بلکہ اپنی زندگی کا مقصد ہی انگریز سے وفاداری قرار دیا تھا ہم یہاں مرزا کی چند عبارتیں نقل کرتے ہیں مرزا لکھتا ہے۔

ا۔" یہ التماس ہے کہ سرکار دولتمدار (انگریز گورنمنٹ) ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جاں نثار خاندان ثابت کر چکی ہے،اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت جزم اور احتیاط اور تحقیق و توجہ سے کام لے ہمارے خاندان نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنے خون بہانے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا اور نہ اب فرق ہے۔"(9)

۲۔سب سے پہلے میں یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ میں ایک ایسے خاندان میں سے ہوں جس کی نسبت گورنمنٹ (انگریز) نے ایک مدت دراز سے قبول کیا ہوا ہے وہ خاندان اول درجہ پر سرکار دولتمدار انگریزی کا خیر خواہ ہے ان تمام تحریرات سے ثابت ہے کہ میرے والد صاحب میرا خاندان ابتدا سے سرکار انگریزی کے بدل و جان ہوا خواہ اور وفادار رہے۔(10)

۳۔ میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو تقریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان و قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں کہ تا کہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر کواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کے دور کروں۔(11)

۴۔ اور میں نے نہ صرف اس قدر کام کیا کہ برٹش انڈیا کے مسلمانوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت کی طرف جھکایا (12)۔

۵۔ میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزارا ہے اور میں نے جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہارات شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکھٹی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب، مصر، شام، کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔(13)

۶۔ میں نے کسی بناوٹ اور ریاکاری سے بلکہ محض اس اعتقاد کی تحریک سے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے دل میں ہے بڑے زور سے بار بار اس بات کو مسلمانوں میں پھیلایا ہے کہ ان کو گورنمنٹ برطانیہ کی، جو درحقیقت ان کی محسن ہے، سچی اطاعت اختیار کرنی چاہیے اور وفاداری کے ساتھ اس کی شکر گزاری کرنی چاہیے ورنہ خدا تعالیٰ کے گناہ گار ہوں گے۔(14)

۷۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے سو میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہ ہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو، جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو، سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے، سو اگر ہم گورنمنٹ برطانیہ سے سرکشی کریں تو گویا اسلام اور خدا اور رسول سے سرکشی کرتے ہیں(15)

۸۔ ”جہاد یعنی لڑائیوں کی شدت کو خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا ہے حضرت موسیٰ کے وقت میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان لانا بھی قتل سے بچا نہیں سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل کئے جاتے تھے پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بچوں اور بڈھوں اور عورتوں کو قتل کرنا حرام کیا گیا اور پھر بعض قوموں کے لئے بجائے ایمان کے صرف جزیہ دے کر مؤاخذہ سے نجات پانا قبول کیا گیا اور پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔(16)

مذکورہ عبارات مولانا اللہ وسایا کی کتاب آئینہ قادیانیت سے لی گئی ہیں

مرزا قادیانی کا تعارف

مرزا غلام احمد قادیانی مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے ایک قصبے ”قادیان“ میں پیدا ہوا۔ چنانچہ مرزا قادیانی کی پیدائش کے بارے میں صاحبزادہ رشید احمد صاحب اپنے رسالہ ” مرزا قادیانی کیا ہے“ میں لکھتے ہیں:

” قادیانی جماعت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی بھارت کے صوبہ مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے ایک قصبے ”قادیان“ میں ۱۸۳۹ کو پیدا ہوا۔“(17)

صاحب آئینہ قادیانیت لکھتے ہیں:

” مرزا غلام احمد قادیانی کا آبائی وطن قصبہ قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب ہے“۔(18)

مرزا کی پیدائش کے بارے میں مولانا اسماعیل شجاع آبادی لکھتے ہیں:

” امرتسر سے شمال مشرق کی طرف ریلوے لائن پر ایک پرانا قصبہ بٹالہ ہے جو ضلع گورداسپور مشرقی پنجاب انڈیا کی تحصیل ہے۔ بٹالہ سے تقریباً اٹھارہ کلو میٹر کے فاصلہ پر ایک قصبہ قادیان ہے مرزا قادیانی کی جنم بھومی (جائے پیدائش) ہے۔“(19)

خود مرزا قادیانی اپنی پیدائش سے متعلق لمحہ لمحہ کی رپورٹ دیتے ہوئے اپنی کتابوں میں لکھتا ہے چنانچہ ایک جگہ لکھتا ہے:

" میری پیدائش ۱۸۳۹یا۱۸۴۰میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی ہے اور میں ۱۸۵۷میں سولہ یاستارہ برس کا تھا۔"(20)

مرزا قادیانی اپنا تعارف کراتے ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے۔

" میرا نام غلام احمد میرے والد صاحب کا نام غلام مرتضی اور دادا صاحب کا نام عطاء محمد اور رمیرے پر دادا کا نام گل محمد تھا۔ اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ ہماری قوم مگل برلاس ہے اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے۔"(21)

مرزا قادیانی اپنی پیدائش کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

" میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام منت تھا اور پہلے وہ لڑکی پیٹ میں سے نکلی تھی اور بعد اس کے میں نکلا تھا۔۔۔ اور میرا سر اس کے پاؤں میں تھا۔"(22)

تعلیم

مرزا غلام احمد قادیانی نے تعلیم بھی کچھ زیادہ اور خاص نہیں لی تھی چند فارسی کتب اور چند عربی کتب پڑھی تھی مرزا قادیانی اپنے اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے ادب سے عاری ہو کر انکو نوکر بتاتا ہے چنانچہ مرزا لکھتا ہے۔" جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں۔۔۔ ایک عربی خوان مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کیئے گئے۔۔۔ میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد کو ان سے پڑھے اور بعد اسکے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا ان کا نام گل علی شاہ تھا ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر (استاد کا احترام ملاحظہ فرمائیں) رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا، حاصل کیا۔"(23)

مرزا غلام احمد قادیانی نہ صرف جاہل تھا بلکہ اخلاقیات سے بھی ننگ تھا۔ جوانی میں اوباش حرکات اور افعال میں مبتلاء رہا چنانچہ اپنا بیٹا بشیر احمد لکھتا ہے:

" بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانے میں حضرت مسیح موعود (مرزا) تمہارے دادا کی پنشن وصول کرنے گئے تو پیچھے پیچھے مرزا امام الدین بھی چلا گیا، جب آپ نے پنشن وصول کر لی تو وہ آپ کو پھسلا کر اور دھوکہ دے کر بجائے قادیان لانے کے باہر لے گیا اور ادھر اُدھر پھراتا رہا، جب اس نے سارا روپیہ اڑا کر ختم کر دیا تو آپ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا اور حضرت مسیح موعود اس شرم سے واپس نہیں آئے اور چونکہ تمہارے دادا کا منشاء رہتا تھا کہ آپ کہیں ملازم ہو جائیں اس لئے آپ سیالکوٹ شہر میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازم ہو گئے۔"(24)

مرزا قادیانی نے شروع شروع میں اپنی شہرت عام کرنے کے لئے اپنے آپ کو بحیثیت مناظر اسلام متعارف کرایا اور ہندوؤں، آریوں اور عیسائیوں سے کچھ نامکمل مناظرے کئے اور مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ چنانچہ مولانا " اللہ وسایا صاحب" لکھتے ہیں:

" قادیان پہنچ کر پہلے تو عام مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی نے عیسائیوں، ہندوؤں اور آریوں سے کچھ نامکمل مناظرے کئے اس کے بعد ۱۸۸۰ سے (براہین احمدیہ) نامی کتاب لکھنی شروع کی، جس میں اکثر مضامین عام مسلمانوں کے عقائد کے مطابق تھے، لیکن ساتھ ہی اس میں مرزا نے اپنے بعض الہامات داخل کر دیئے طرفہ تماشا یہ کے صداقت اسلام پر لکھی جانے والی اس کتاب میں انگریزوں کی مکمل اطاعت اور جہاد کی حرمت کا اعلان شدومد کے ساتھ کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۸۸۰ سے ۱۸۸۴ تک براہین، احمدیہ کے ۴ لکھے، جب کہ پانچواں حصہ ۱۹۰۵ میں لکھ کر شائع کیا۔"(25)

مولانا اسماعیل شجاع آبادی لکھتے ہیں:

"مرزا قادیانی کو آریہ سماجیوں کے خلاف اشتعال انگیز تقاریر کرنے سے شہرت نصیب ہونا شروع ہوگئی، چنانچہ آریہ سماجی لیڈر باوا نارائن سنگھ، پنڈت کھڑک سنگھ سے تحریری و تقریری مباحثوں کا سلسلہ شروع کیا۔ نیز عیسائیت ہندومت اور دوسری تحریکوں کے خلاف بھی اشتعال انگیز تحریر شائع کرنا شروع کردیں۔"(26)

مرزا غلام احمد قادیانی نے اس کے بعد پھر باقاعدہ مختلف دعوٰے شروع کردیئے اور تدریجاً ترقی کرنے لگا کبھی اپنے آپ کو ملہم من اللہ مجدد، مسیح موعود کہتا تو کبھی عمارتِ نبوت پر حملہ کرکے نبوت کا دعوٰی کرتا اور اسی پر بس نہیں بلکہ علماء اسلام واہل اسلام پر سب وشتم کرتا دین کے شعائر تک کا مذاق اڑاتا اور الوالعزم پیغمبروں کی توہین کرتا اور" خاکم بدہن" بہت سی بکواسات بکتا تھا چنانچہ ایک موقع پر حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے:

"مرزا قادیانی نے مسیحائی کے مراتب طے کرنے کے لئے بڑی محتاط قسم کی تدریجی رفتار اختیار کی پہلے پہل گوشہ گمنامی سے نکل کر وہ ایک مناظر اسلام کی حیثیت سے قوم کے سامنے آئے اور تمام ادیان باطلہ کے مقابلے میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے براہین احمدیہ کی پچاس جلدیں لکھنے کا اشتہار دیا۔ اور قوم سے چندہ کی اپیل کی۔ جب "وکیل اسلام" کی حیثیت سے انکی روشنائی ہوئی تو اپنے دعاوی میں علی الترتیب محدث، ملھم من اللہ، امام الزماں، مجدد، مہدی، موعود، مثیل مسیح، مسیح موعود، ظلی نبی کے درمیانی مدراج طے کرتے ہوئے تشریعی نبوت کی بام بلند پر پہنچ گئے اور ببانک دہل وحی، نبوت اور معجزات کا اعلان کر دیا۔ اور محمد رسول اللہ کا مصداق خود بن بیٹھے۔ قرآن کریم کی جو آیات حضرت خاتم النبیین محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے حق میں تھیں ان کو اپنی ذات پر منطبق کیا۔ اپنے دور کو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے دور سے افضل بتلایا۔ اولوالعزم انبیاء کرام کی توہین کی، انبیاء علیھم السلام سے افضلیت کا دعویٰ کیا۔ اپنی خرافات کو قرآن جیسی قطعی وحی بتلایا اور جو لوگ ان کی اس خانہ ساز نبوت پر ایمان نہیں لائے انہیں کفر و جہنمی قرار دیا بلکہ انہیں ولد الحرام، ذریۃ البغایا (کنجریوں کی اولاد) خنزیر اور کتوں کے نام سے یاد کیا۔ نئی شریعت کے ذریعہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے جن اجزاء کو چاہا منسوخ کرڈالا۔ برطانوی حکومت کو" ظل اللہ فی الارض" کا خطاب عطا ہوا۔ اس کی اطاعت کو فرض اور اسلام کے دو حصوں میں سے ایک حصہ قرار دیا۔ کافروں سے جہاد کا حکم منسوخ ہوا اور انگریزوں کے مقابلہ میں جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ صادر ہوا۔ دین کے قطعی عقائد کا مذاق اڑایا، احادیث متواترہ کی تکذیب کی۔ قرآن کریم

کی بے شمار آیتوں میں کھلی تحریف ہوئی۔ صحابہ کرام کو غبی کے خطاب سے نوازا، مسلمانوں سے شادی بیاہ کرنا، ان کے جنازے میں شریک ہونا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا ممنوع اور حرام قرار دیا۔ الغرض ایسے صریح سے صریح ترین دعوے کئے کہ ان میں سے ہر بات مستقل کفر کی بات تھی اور ان میں کسی طرح بھی تاویل کی گنجائش نہیں تھی۔"(27)

مرزا نے عجیب و غریب دعوٰے کئے چنانچہ اس نے سب سے پہلے "ملہم من اللہ" ہونے کا دعویٰ اس کے بعد مجدد ہونے کا دعویٰ کیا، اس کے بعد مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کیا اور قصہ اسی پر ختم نہ ہوا بلکہ مرزا قادیانی نے مزید جرأت کر کے نبوت کے مفہوم میں شبہات پیدا کرنے کے لئے نبوت کی اپنی طرف سے اقسام ایجاد کی اور نبوت کی اقسام میں ظلی بروزی نبوت کو متعارف کرانے کی کوشش کی اور ظلی بروزی نبوت کا دعوٰی کیا اور بالآخر مستقل صاحب شریعت نبی ہونے کا دعوٰی کر دیا اس کے علاوہ بھی بہت سے مضحکہ خیز دعوے کئے جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ مجدد ہونے کا دعوٰی

"جب تیرھویں صدی کا اخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالٰی نے الہام کے ذریعہ مجھے خبر دی کہ تو اس صدی کا مجدد ہے۔"(28)

۲۔ مامور ہونے کا دعوٰی

"میں خدا تعالٰی کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں۔"(29)

مرزا نے ۱۸۸۴ میں رسالت کا دعوٰی کیا، چنانچہ مرزا کی کتاب "تذکرہ" میں ایک اپنا الہام لکھتا ہے۔

"انی فضلتک علی العالمین قل ارسلت الیکم جمیعاً"

میں نے تجھ کو تمام جہانوں پر فضیلت دی کہ میں تم سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔(30)

مرزا قادیانی نے ۱۸۹۱ میں مسیح ابن مریم ہونے کا دعوٰی کیا:

"الہام" **جعلناک المسیح بن مریم** (ہم نے تجھ کو مسیح ابن مریم بنایا)

اس کو کہہ دے کہ میں عیسیٰ کے قدم پر آیا ہوں۔(31)

ایک جگہ مرزا قادیانی لکھتا ہے:

" ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے۔"(32)

اس کے علاوہ بھی مرزا قادیانی اوٹ پٹانگ دعویٰ کرتا رہا اور ۱۹۰۰ء میں اس نے ظلی نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔

"جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس سے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔"(33)

صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ مرزا قادیانی کا مقصد صرف مسلمانوں میں انتشار وافتراق تھا جس کے لئے وہ آئے دین نت نئے دعویٰ اور نظریہ مسلمانوں میں عام کرنے کی کوشش کرتا اسی مرزا قادیانی کے مذموم دعاوی کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ اس نے ۱۹۰۰ میں ظلی بروزی نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا اور اس کے کچھ عرصہ بعد مستقل صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا چنانچہ مرزا لکھتا ہے۔

"**قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا ای مرسل من اللہ**"

اور کہہ کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہو کر آیا ہوں۔(34)

انا ارسلنا الیکم رسولا شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً

"ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا، اسی رسول کی مانند جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔"(35)

مرزاغلام احمد قادیانی کا کردار

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے مرزا کا تھوڑا تعارف اور اس کے کفریہ دعاوی میں سے چند دعوٰے ذکر کیئے، مرزا قادیانی کا کردار اس کے دعاوی کی طرح بد سے بدتر تھا بلکہ مرزا تو ایک عقل مند انسان کہلانے کے لائق بھی نہیں تھا اس کی کچھ بیوقوفیوں کے واقعات درج ذیل ہیں۔ ا۔سیرت نگاری پر مرزا قادیانی لکھتا ہے:

"ایک آدمی نے (مرزا کو) گرگابی یعنی جوتا دیا، اس کے لئے سیدھے پاؤں کا قادیانی کو پتہ نہ چلتا تھا الٹا پاؤں پڑ جاتا تو تنگ ہو کر کہتا کہ ان (انگریزوں) کی ایجاد کردہ کوئی چیز بھی اچھی نہیں بیوی صاحبہ نے الٹے سیدھے کی شناخت کے لئے نشانی لگا کر دیئے پھر بھی الٹا سیدھا پہن لیتا تھا۔(36)

۲۔مرزا بشیر احمد کہتا ہے: ایک دفعہ کسی مرزائی کا جنازہ (مرزا قادیانی نے) پڑھا تو اس میں دیر تک دعا فرماتے رہے اور پھر نماز کے بعد فرمایا کہ ہمیں علم نہیں کہ ہمیں اپنے دوستوں میں سے کس کس کے جنازے میں شرکت کا موقعہ ملے گا اس لئے آج میں نے اس جنازہ میں سارے دوستوں کے لئے جنازہ کی دعا مانگ لی ہے اور اپنی طرف سے سب کا جنازہ پڑھ دیا ہے۔"(37)

۳۔عبد اللہ سوزی کہتا ہے کہ جب مرزے کو وقت دیکھنا ہوتا تھا تو گھڑی نکال کر ایک کے ہندسے سے یعنی عدد سے گن کر وقت کا پتہ لگاتے تھے اور انگلی رکھ کر ہندسے گنتے تھے اور منہ سے بھی گنتے جاتے تھے اور گھڑی دیکھتے ہی وقت نہ پہچان سکتے تھے۔(38)

۴۔گھر سے سفید بورا یعنی شکر لینے گیا، پسے ہوئے نمک کو سفید شکر سمجھ کر لے آیا اور ایک مٹھی بھر کر منہ میں ڈال لی بس پھر کیا تھا دم رک گیا اور بڑی تکلیف ہوئی۔(39)

اندازہ کیجئے! اس بے شرم مرزا کی جہالت کی بھی کوئی حد ہے دعوٰی ہے نبوت کا اور حرکتیں ہیں پاگلوں والی!

نبوت کے اوصاف

نبی ہونے کے لئے چند اوصاف ضروری ہیں اور مرزا قادیانی ان اوصاف سے نہ صرف عاری ہے بلکہ اس کے مقابل انتہائی رذیل اور گھٹیا قسم کے خصائل وعادات کا خوگر تھا اس کو صاحب آئینہ قادیانیت نے بڑے خوبصورت انداز میں لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:

ا۔ نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ کامل العقل ہو بلکہ اکمل العقل ہو۔ تاکہ وحی الہیٰ کے سمجھنے میں غلطی نہ کرے، وہ عقل و فہم میں اس درجہ بلند ہو کہ اس زمانے میں کوئی اس کی نظیر نہ ہو، ناممکن ہے کہ کسی امتی کی عقل کسی نبی کی عقل سے بڑھ کر ہو، عقل اور دانائی میں نبی اتنا برتر و بالاتر ہوتا ہے کہ کسی بڑے سے بڑے عاقل کی عقل اس کے ہم پلہ اور پاسنگ نہیں ہو سکتی جب کہ مرزا قادیانی "دائیں اور بائیں" جوتے کی تمیز نہیں کر سکتا تھا۔"(40)

۲۔ نبوت کا دوسرا وصف یہ ہے کہ اس کا حافظہ صحیح اور درست ہو، نہ صرف یہ بلکہ کامل الحفظ اور اکمل الحفظ ہو، جب کہ مرزا قادیانی کا اقرار ہے کہ مجھے مراق ہے۔(41)

نیز یہ کہ اس نے اپنے ایک مرید کو خط لکھا کہ:

"میرا حافظہ بہت خراب ہے، اگر کئی دفعہ کسی سے ملاقات ہو تو تب بھی بھول جاتا ہوں حافظہ کی یہ ابتری (یعنی بدترین حالت) ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔"(42)

۳۔ نبوت کا تیسرا وصف یہ ہے کہ نبی ایسا کامل اور اکمل العلم ہو کہ امت کے حیطۂ ادراک سے بالا اور برتر ہو، مرزا کے علم کا یہ عالم تھا کہ "وہ صفر کو اسلام کا چوتھا مہینہ قرار دیتا ہے۔"(43)

۴۔ نبوت کا چوتھا وصف یہ ہے کہ وہ عصمت کاملہ و مستقرہ رکھتا ہو، مرزا قادیانی کے متعلق خود اس کے مریدوں کا اقرار ہے کہ "وہ کبھی کبھی زنا کر لیا کرتا تھا۔"(44)

مرزا قادیانی غیر محرم عورتوں سے پاؤں دبوایا کرتا تھا۔(45)

۵۔ نبوت کا پانچواں وصف یہ ہے کہ نبی صادق اور امین ہو، بلکہ مرزا قادیانی پرلے درجہ کا کذاب اور بد دیانت تھا، اس نے پچاس کتابیں لکھنے کا وعدہ کیا، پچاس کی رقم لی، پانچ کتابیں لکھ کر اعلان کر دیا کہ " پانچ سے پچاس کا وعدہ پورا ہوا، اس لئے کہ پچاس میں اور پانچ میں ایک نقطہ کا فرق ہے۔"(46)

چنانچہ مرزا نے جھوٹ بولا اور بد دیانتی سے لوگوں کا مال کھایا ان کی دروغ گوئی کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

<u>مرزا صاحب کی دروغ گوئی:۔</u> یہ بات ذہن میں رہے کہ " " نبی کے لئے وصف لازم کی حیثیت رکھتی ہے، اسی لئے جو قریش مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہیں رکھتے تھے وہ بھی آپ ﷺ کے سچ بولنے (صدق وامانت) کا اعتراف کیئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔"**ما جربنا علیہ الا صدقاً**خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا"**فانھم لا یکذبونک ولکن الظلمین بأیت اللہ یجحدون**۔" مگر مرزا صاحب کا یہ حال ہے کہ متعدد جگہ وہ اپنے بارے میں وحی نقل کرتے ہیں کہ "**وماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی**"۔(47)

اس کے باوجود وہ عرب کے نامور دروغ گو ابو الحسین کذاب کو مات دے جاتے ہیں ان کی کذب بیانی اور دروغ گوئی کا نمونہ ملاحظہ ہو:

۱۔"ضروری تھا کہ قرآن شریف اور احادیث کی وہ پیش گوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہو گا تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا، وہ اس کو کافر قرارر دیں گے اور اس کے قتل کے لئے فتوے دیئے جائیں گے اور اس کی سخت توہین کی جائے گی اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور دین کا تباہ کرنے والا خیال کیا جائے گا۔"(48) بتایئے یہ پیش گوئیاں قرآن مجید میں کہاں ہیں؟ اور حدیث کی کون سی کتاب میں ہیں؟ مرزا صاحب نے تین سطروں میں پانچ جھوٹ بول دیئے۔

۲۔"یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف میں بلکہ توریت کے بعض صحیفوں میں بھی یہ خبر موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑھے گی بلکہ حضرت مسیح نے بھی انجیل میں یہ خبر دی ہے اور ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیش گوئیاں ٹل جائیں۔"(49)

۳۔ وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے آواز آئے گی کہ "**ھذا خلیفۃ اللہ المھدی**" اب سوچو یہ حدیث کس مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" ہے۔(50)

بخاری شریف کا جو نسخہ ہندو پاک میں رائج ہے وہ ۱۱۲۹ صفحات پر مشتمل ہے کوئی ہمیں بتائے کہ بخاری شریف کے کون سے صفحہ اور کس عنوان کے تحت یہ حدیث درج ہے؟

۴۔ "صحیح بخاری یہ وہی کتاب ہے جس میں صاف طور پر لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے۔"(51)

۵۔ "میری نسبت اور میرے زمانے کی نسبت توریت اور انجیل اور قرآن شریف میں خبر موجود ہے کہ اس وقت (یعنی مسیح موعود کی آمد کے وقت) آسمان پر خسوف کسوف ہو گا اور زمین پر سخت طاعون پڑے گی۔"(52)

توریت اور انجیل تو دور کی بات ہے قرآن پاک مسلمانوں کے گھر گھر میں موجود ہے؟ چلیئے اس میں دکھا دے کہ یہ خبر کس جگہ موجود ہے۔

۶۔ "نبوت کا چھٹا وصف یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی اس کا وارث نہ ہو گا حدیث متواتر سے ثابت ہے۔"

لا نورث ماترکنا فھو صدقۃ(53)

نوٹ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو گیارہ بار اپنی صحیح میں ذکر فرمایا ہے مزید تفصیل حوالہ جات کی فہرست کے لئے موسوعہ اطراف الحدیث ج ۷ ص ۲۹۱ دیکھیے بیسیوں حدیث کی کتب میں یہ روایت موجود ہے۔ البدایہ و النہایہ کی ج ۴ ص ۳۰۲ پر " نحن معشر الانبیاء لا نورث ماترکناہ فھو صدقۃ" روایت نقل کرکے اسے متواترات میں شمار کیا ہے۔ جب کہ مرزا قادیانی نہ صرف اپنے آباؤ اجداد کی جائیداد کے حصول کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمے لڑتا رہا ،اور مرزا کی اولاد اس کی جائیداد کی وارث بھی ہوئی۔(تفصیل کے لئے دیکھیے رئیس قادیان)

۷۔ نبوت کی ایک شرط زہد ہے۔یعنی دنیا کی شہوات ولذات سے بے تعلقی، نبوت کا مقصد بندوں کو خدا تک پہنچانا ہے، ظاہر جو خود لذات پرست ہو دنیا کو خدا پرست کیسے بنا سکتا ہے؟جب کہ مرزا قادیانی ”کنجریوں کے مال پر بھی ہاتھ صاف کرنے کے یے مستعد نظر آتا ہے۔“(54)

اور اس نے اسے استعمال میں لانے کے لئے دلیل بھی گھڑلی۔(55)

اسی طرح مرزا قادیانی نے بہشتی مقبرہ کے نام پر مردہ فروشی کی تجارت کو فروغ دیا جو آج بھی قادیانی جماعت کی عقل و خرد پر ماتم کر رہی ہے اسی طرح مرزا قادیانی کھاؤ پیو تھا، چنانچہ اس کی خوراک کیا تھی؟اس پر ایک حوالہ ملاحظہ ہو” سالم مرغ کا کباب، گوشت مونگری، گوشت کی بھنی ہوئی بوٹیاں، سوپ میٹھے چاول“ اور پتہ نہیں کیا کہا تھا۔(56)جبکہ مرزا قادیانی کا ایک الہامی نسخہ زد جام عشق ہے جس میں ” زعفران ،مشک اور افیون بھی پڑتا تھا۔“(57)”شراب اپنے مریدوں سے منگوایا کرتا تھا۔“(58) ”مرزا مشک اور عنبر استعمال کیا کرتے تھے۔“(59)

۸۔ نبوت کا آٹھواں ایک وصف یہ ہے کہ نبی حسب و نسب کے اعتبار سے اعلی و برتر ہوتا ہے۔مرزا قادیانی مغل بچہ تھا اور اس کا خاندان انگریز کا ٹوڈی خاندان تھا، جیسا کہ مرزا قادیانی خود لکھتا ہے۔

” میں ایک ایسے خاندان سے ہوں کہ جو اس گورنمنٹ (انگریز) کا پکا خیر خواہ ہے میرے والد مرزا غلام مرتضی گورنمنٹ کی نظر میں وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا جن کو دربار گورنمنٹ میں کرسی ملتی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گریفن صاحب نے رئیسان پنجاب میں کیا ہے۔اور ۱۸۵۷ میں انہوں اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریز کو مدد دی تھی یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر (جنگ آزادی) کے وقت سرکار انگریز کی امداد میں دیئے تھے۔“(60)

۹۔ نبی مرد ہوتا ہے جیسا کہ نص قرآنی ہے

”وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم“

جب کہ مرزا قادیانی کو” مریم ہونے کا اور حاملہ ہونے کا دعوٰی بھی تھا۔“(61)

۱۰۔ نبی خلق عظیم کا مظہر تم ہو تا ہے، جب مرزا قادیانی ماں بہن کی گالیوں سے بھی دریغ نہیں کرتا تھا چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

الف: ”جو شخص میری فتح کا قائل نہیں ہو گا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور حلال زادہ نہیں۔“(62)

ب: دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں۔“(63)

نیز یہ کہ الف سے یا تک کوئی ایسی گالی نہیں جو مرزا قادیانی نے نہ بکی ہو، لکھنؤ کی بھٹیارن سے بھی زیادہ بدزبان اور بد اخلاق تھا۔(64) یہ مرزا قادیانی کی کفریہ اور مضحکہ خیز حرکات اقوال و افعال میں چند قارئین کے سامنے وضاحت کے لئے پیش کئے گئے ورنہ مرزا کی اس طرح کی گمراہ کن نظریات و تحریرات سے اس کی کئی کتب بھری ہوئی ہیں انہی وجوہات اور فاسد عقائد و نظریات کے بنا پر علماء نے اس فتنہ کا بھرپور مقابلہ کیا اور ہر میدان میں قادیانیوں کو زچ کیا ہے اور ہمارے اکابر علماء سے اللہ نے غیبی طور پر اس فتنہ کی زد کوبی کا کام لیا۔ اور انیسویں صدی کی ابتداء ہی سے برصغیر کے علماء کی کاوشوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو واضح محسوس ہوتا ہے کہ اکابر اولیاء اللہ نے اس فتنہ کو محسوس کر لیا تھا اور اس فتنہ کے برپا ہونے سے پہلے اس کی روک تھام کے لئے کاوشیں شروع کیں تھی۔ چنانچہ اس سلسلے کی پہلی خدمت برصغیر میں دارالعلوم دیوبند کے بانی و مہتمم حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے ختم نبوت پر کتاب ”تحذیر الناس“ تحریر فرما کہ انجام دی۔ چنانچہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس خدمت کا تذکرہ اسماعیل شجاع آبادی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

” یہ حق تعالیٰ شانہ کی حکمت بالغہ تھی کہ قادیانی فتنہ کے ظہور سے قبل ہی اکابر اولیاء اللہ کے قلوب کو اس کے رد و تعاقب کی طرف متوجہ فرمایا۔ قادیانی نبوت کا فتنہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی(۱۲۹۷) بانی دارالعلوم دیوبند کے وصال کے بعد رونما ہوا مگر حق تعالیٰ نے ایک تقریب ایسی پیدا کر دی کہ حضرت نانوتویؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کبری پر ایک رسالہ ”تحذیر الناس“ تحریر فرمایا جس میں مسئلہ ختم نبوت کو اس قدر مدلل فرمادیا کہ قادیانی تاویلات کے تمام راستے مسدود ہو گئے۔

حضرت نانوتوی قدس سرہ کی اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبین بمعنی ''آخری نبی'' ہونا قرآن کریم، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور اس کا منکر اسی طرح کافر ہے جس طرح تعداد رکعات کا منکر کافر ہے۔اور یہ آپ ﷺ کی خاتمیت مرتبی خاتمیت زمانی کو مستلزم ہے اگر آپ ﷺ مراتب نبوت کے خاتم ہیں تو بلاشبہ زمانی نبوت کے بھی خاتم ہیں۔۔اس تقریر سے قادیانی فتنہ پردازوں کی ساری منطق غلط ہو جاتی ہے اور ''خاتم النبیین'' میں ان کی ساری تحریفات پادر ہوا ثابت ہوتی ہیں۔اس لئے یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ پہلے شخص تھے جنہوں نے قادیانی تحریفات کا رد کیا اور قادیانی ملاحدہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوت کے قائل ہیں ان کو متواترات دین کا منکر قرار دے کر ان پر کفر کا فتوی صادر فرمایا۔(65) اسی طرح بانی دارالعلوم دیوبند کے پیر و مرشد قطب العالم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حجاز میں مقیم تھے پیر مہر علی شاہ گولڑوی حجاز مقدس پہنچے اور حجاز میں ہی اقامت کا ارادہ کیا آپ نے اس ارادہ کا اظہار اپنے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے کیا، حاجی صاحبؒ نے انہیں بہت تاکید و اصرار کے ساتھ واپس ہندوستان بھیجا اور فرمایا:

'' ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ رونما ہو گا، آپ وطن واپس جایئے، بالفرض آپ وہاں خاموش بھی بیٹھے رہے، تب بھی وہ فتنہ ترقی نہیں کر سکے گا، اور ملک میں سکون ہو جائیگا۔''(66)

مرزا قادیانی نے جب ابتداء میں اسلام کی حقانیت کے نام سے عیسائی پادریوں اور آریوں سے مناظرے کئے جو نامکمل رہے اس سے عمومی علماء کرام جنہوں نے اس کی تحریرات مطالعہ نہیں کی تھی وہ اس سے حسن ظن رکھتے تھے اور اسے مرد صالح شمار کرتے تھے مگر جب مرزا قادیانی سے اپنی سُسرال میر ناصر نواب کے پاس لدھیانہ گیا اور وہاں پر اپنی مجددیت کو بڑی شد و مد کے ساتھ متعارف کرانے کی کوشش کی اور مقامی چند لوگوں نے بھی مرزا کی مدح و ستائیش میں کوئی کمی نہ رکھی اور یہاں تک کہہ دیا کہ '' جو شخص ان (مرزا) پر ایمان لائے گا گویا اول المسلمین ہو گا۔'' یہ سن کر لدھیانہ کے ہی ایک عالم دین مولوی عبداللہؒ جو اس مجلس میں شریک تھے وہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

"گو اہل مجلس پر میرا بیان شاق گذرے گا لیکن اس وقت جو بات حق تعالیٰ نے میرے دل میں القاء فرمائی ہے اس کے ظاہر کیے بغیر میری طبیعت کا اضطراب دور نہیں ہو سکتا۔ بات یہ ہے کہ "مرزائے قادیاں جس کو تم اس درجہ بڑھ چڑھا رہے ہو وہ انتہا درجہ کا ملحد اور زندیق شخص ہے۔" اس کے بعد علماء لدھیانہ مولوی عبد اللہ، مولوی محمد اور مولوی اسماعیل وغیرہ نے مرزا کے عقائد و نظریات کا، اس کی کتب سے بغور مطالعہ کر کے، اس کے زندیق اور خارج اسلام ہونے کا فتوی دیا۔ اس کی روئیداد خود مولوی محمد صاحب لدھیانوی نے اپنی کتاب فتاویٰ قادریہ میں لکھی ہے وہ لکھتے ہیں:

"جس روز مرزا قادیانی لدھیانہ نہیں آیا مولوی محمد، مولوی عبد اللہ اور مولوی اسماعیل صاحبان نے کتاب براہین کا نظر غائر سے مطالعہ کیا اس میں کلمات کفریہ کی بڑی کثرت فروانی پائی۔ اس کے بعد شہر میں اعلان کر دیا کہ یہ شخص مجدد نہیں بلکہ زندیق ہے اور خارج از اسلام ہے اور فتوے چھپوا کر گرد و نواح کے شہروں میں روانہ کئے کہ یہ شخص مرتد ہے آئندہ کوئی شخص اس کی کتاب نہ خریدے۔"(67)

اس کے بعد علماء لدھیانہ نے دار العلوم دیوبند اور سہارنپور پہنچ کر وہاں کے اکابرین حضرات کو مرزا قادیانی کے افکار و نظریات سے مکمل مطلع کیا۔ اور پھر مرزا قادیانی اور اس کی جماعت پر تکفیری فتاوے اطراف عالم سے شائع ہونے لگے۔ یہاں تک کہ حرمین شریفین سے بھی مرزا قادیانی کے کفر کے فتوی آئے جو در حقیقت ہندوستان سے بھیجے گئے قادیانیوں سے متعلق ایک استفتاء کا جواب تھا۔ ہم قارئین کی دلچسپی بڑھانے کے لئے چند فتاوے یہاں نقل کرتے ہیں:

ا۔ دار لعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت محمود الحسن گنگوہیؒ سے قادیانیوں سے متعلق استفتاء کیا گیا آپ نے جواب میں تحریر فرمایا: "مرزا غلام احمد قادیانی نے عقائد کفریہ اختیار کئے جس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے، جو شخص بھی اس کے کفریہ عقائد کی تصدیق کرے گا اس کا حکم بھی یہی ہو گا۔(68)

۲۔ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی بانی جامعۃ الرشید کراچی اپنی شہرۂ آفاق کتاب احسن الفتاوی میں ایک سائل کے جواب میں تحریر فرمایا، سائل نے قادیانیوں سے تعلقات رکھنے والے کے بارے میں پوچھا آپ نے جواب مرحمت فرماتے ہوئے فرمایا:

" قادیانی زندیق ہیں جن کا حکم عام مرتد سے بھی زیادہ سخت ہے۔"(69)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید نے اپنی مایہ ناز کتاب " آپ کے مسائل اور ان کا حل" میں ایک سائل کے جواب میں تحریر فرمایا:

"قادیانی مرتد اور زندیق ہیں"(70)

بیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستان میں انگریز کے کئی قسم کے خود کاشتہ پودوں نے اور فتنوں نے جنم لیا جن میں سے ایک فتنہ یہ بھی اُٹھا کہ کسی طرح علماء دیوبند جو ہر میدان میں انگریز اور اس کے چیلوں کو ناکو چنے چبوا رہے تھے ان سے عوام کو متنفّر کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو ان سے دور کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے کی ایک کڑی کہ ہندوستان سے جناب احمد رضا خان صاحب نے اس کام میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ یہاں تک کہ علماء دیوبند کی نفرت پھیلانے کے لئے نہ صرف خود علماء دیوبند پر کفر کے فتوے لگائے بلکہ ایک استفتاء مرتب کر کے حرمین شریفین لے گئے جس استفتاء میں انہوں نے بہت مہارت سے علماء دیوبند کی طرف غلط عقائد منسوب کر کے انہیں قادیانی عقید کا حامل قرار دیا اور علما حرمین سے بڑی عیاری کے ساتھ تکفیری فتویٰ لے آئے۔ ان دنوں مدینہ منورہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی قیام پذیر تھے ہندوستان کے علماء نے ان سے رابطہ قائم کر کے علماء حرمین تک یہی پیغام پہنچایا کہ یہ جو فتوی علماء دیوبند کے خلاف حرمین سے ہندوستان آیا اس کے مستفتی نے خیانت اور دجل سے کام لیتے ہوئے علماء دیوبند کی طرف غلط باتیں منسوب کی ہیں۔ چنانچہ علماء و مفتیان حرمین نے معاملے کی وضاحت کے لئے عقائد سے متعلق چھبیس سوالات ہندوستان علماء دیوبند کو بھیج کر ان کے کافی وشافی جوابات طلب کیے۔ ان سوالات کے جواب تحریری طور پر لکھنے کے لئے تمام علماء نے متفقہ طور پر علماء دیوبند کی ترجمانی اور عقائد کی وضاحت کے لئے مولانا خلیل احمد سہانپوری کو منتخب کیا۔ مولانا خلیل احمد سہانپوریؒ نے ان کے جواب تحریر کیئے اور اکابرین علماء نے اس پر اپنے دستخط ثبت کیے۔ ان سوالات میں سے ایک سوال قادیانیت سے متعلق بھی تھا، جس سوال وجواب کا کچھ حصہ بطور نمونہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

سوال: " کیا کہتے ہو قادیانی کے بارے میں جو مسیح و نبی ہونے کا مدعی ہے کیونکہ لوگ تمہاری طرف نسبت کرتے ہیں کہ اس سے محبت رکھتے اور اس کی تعریف کرتے ہو ، تمہارے مکارم اخلاق سے امید ہے ان مسائل کا شافی بیان لکھو گے۔۔۔۔

جواب: " ہم اور ہمارے مشائخ سب کا مدعی نبوت و مسیحت قادیانی کے بارے میں یہ قول ہے کہ شروع شروع جب تک اس کی بدعقیدگی ہمیں ظاہر نہ ہوئی بلکہ یہ خبر پہنچی کہ وہ اسلام کی تائید کرتا اور تمام مذاہب کو بدلائل باطل کرتا ہے تو جیسا کہ مسلمان کو مسلمان کے ساتھ زیبا ہے ہم اس کے ساتھ حسن ظن رکھتے اور اس کے بعض ناشائستہ اقوال کو تاویل کر کے محمل حسن پر حمل کرتے رہے اس کے بعد جب اس نے نبوت و مسیحیت کا دعویٰ کیا اور عیسیٰ مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانے کا منکر ہوا اور اس کا خبیث عقیدہ اور زندیق ہونا ہم پر ظاہر ہوا تو ہمارے مشائخ نے اس کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا، قادیانی کے کافر ہونے کی بابت ہمارے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا فتویٰ تو طبع ہو کر شائع بھی ہو چکا ہے۔۔(71)

قادیانیت پاکستان میں

جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو قادیانیت اور اس کے حواریوں نے بھرپور کوشش کی کہ کسی طرح اس نئی مملکت کو قادیانی اسٹیٹ بنایا جائے بلکہ اس سے قبل قادیانیوں نے تقسیم ہند کے وقت بھی منافقانہ برتاؤ روا رکھتے ہوئے پاکستان کے خلاف سازشیں کیں اور اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ قرار دے کر بہت سے علاقے پاکستان میں شامل ہونے سے روک لیے۔ چنانچہ مولانا متین خالد قادیانیوں کی پاکستان دشمنی کا تذکرہ کرتے ہوئے صاحبزادہ طارق محمودؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

" قادیانی جماعت کی بھرپور مخالفت کے باوجود جب ہندوستان کے تقسیم ناگزیر ہوگئی اور پاکستان کا قیام ممکن نظر آنے لگا تو قادیانیوں نے پاکستان کی جغرافیائی صورت کو نقصان پہنچانے کی بھیانک کوشش کی۔ کشمیر اپنی تاریخی حیثیت اور جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے پاکستان کا حصہ ہونا چاہیے تھا۔ چونکہ پاکستان میں بہنے والاے سارے دریاؤں کا منبع اور سرچشمہ کشمیر ہے، بھارت ہمارے دریاؤں کا پانی بند کر کے ہمارے سرسبز کھیتوں اور لہلہاتی فصلوں کو تباہ کر سکتا تھا کشمیر

اور پاکستان مذہبی، سیاسی اور ثقافتی نقطہ نظر سے بھی ایک دوسرے کے لازم وملزوم تھے اس لئے قائد اعظم نے فرمایا تھا کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ حد بندی کمیشن بھارت اور پاکستان کی حد بندی کی تفصیلات طے کر رہا تھا۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندے اپنا اپنا موقف بیان کر رہے تھے۔ مسلم لیگ کی طرف سے سر ظفر اللہ خان قادیانی وکالت کے فرائض سر انجام دے رہے تھے۔ باؤنڈری کمیشن اس وقت ورطہ حیرت میں پڑ گیا، جب جماعت احمدیہ کی طرف سے الگ میمو رنڈم (محضر نامہ) پیش کیا گیا، جس میں قادیانی جماعت نے اپنے بانی کے مولد و مرکز قادیان کو ویٹیکن سٹی (Vatican-city) قرار دینے کا مطالبہ کیا۔۔۔۔

قادیانیوں کا ویٹیکن سٹی مطالبہ تو تسلیم نہ کیا گیا، البتہ باؤنڈری کمیشن نے قادیانیوں کے محضر نامہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے قادیانیوں کو مسلمانوں سے خارج کر کے گورداسپور کو مسلم اقلیت کا ضلع قرار دے کر اس کے اہم علاقے بھارت میں شامل کر دیئے اس طرح نہ صرف گورداسپور کا ضلع پاکستان سے گیا بلکہ بھارت کو کشمیر، ہڑپ کر لینے کی راہ میسر آگئی ۔ نتیجاً کشمیر پاکستان سے کٹ گیا۔"(72)

معروف مسلم لیگی رہنما جناب میاں امیر الدین نے اپنے ایک انٹرویو میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ" باؤنڈری کمیشن کے مرحلہ پر سر ظفر اللہ خان کو مسلم لیگ کا وکیل بنانا مسلم لیگ کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اس نے پاکستان کی کوئی خدمت نہیں کی بلکہ پٹھان کوٹ کا علاقہ قادیانی سازش کی بناء پر پاکستان کے بجائے ہندوستان میں شامل ہوا۔"(73)

قادیانی آخر دم تک یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح پاکستان قادیانی اسٹیٹ بن جائے اور اس عنوان پر مرزا محمود قادیانی خلیفہ نے کئی بار بیان جاری کیا۔

"اصل تو یہ ہے کہ ہم نہ تو انگریز کی حکومت چاہتے ہیں اور نہ ہندوؤں کی۔ ہم تو احمدیت کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔" قادیانیوں کے پاکستان کے لئے کچھ اچھے عزائم نہ تھے۔ جب ۱۹۴۷ کو تقسیم ہند کے نتیجے میں پاکستان آزاد ہوا تو پاکستان کے وزارت خارجہ کے عہدہ پر کسی طرح قادیانی سرغنہ سر ظفر اللہ خان براجمان ہوئے اور اس نے پاکستان کی سفارت کا کام کم کیا جبکہ قادیانیت کے اقوام عالم سے رابطہ بڑھانے اور پاکستان کے خلاف ہر ممکن اقدام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ازادی پاکستان

کے بعد ہندوستان کی طرح علماء اسلام نے پاکستان میں بھی قادیانیت کا تعاقب کیا۔ قادیانی پاکستان کے کئی شہروں میں آباد ہوئے اور پنجاب کے علاقہ چناب نگر (ربوہ) کو اپنا مرکز بنایا، اور پاکستان اور اسلام کے خلاف منصوبہ سازی ہونے لگی یہاں تک کہ اسرائیل جسے آج تک کسی اسلامی مملکت نے تسلیم نہیں کیا قادیانی زریت کی ہمدردیاں اس سے وابستہ ہو گئی ملاحظہ کیجیے:

''ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۹۴۸ میں فلسطین میں '' اسرائیل '' کا اعلان ہوا ٹھیک ان ہی دنوں میں قادیانی گروہ کی '' ربوہ اسٹیٹ '' قائم ہوئی اور سب سے پہلے ربوہ اسٹیٹ کا '' اسرائیل اسٹیٹ '' سے رابطہ قائم کیا گیا۔''(74)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ صاحب لکھتے ہیں:

'' عالم اسلام بالخصوص پاکستان کے نزدیک اسرائیل استعماری سازش کی ناجائز اولاد ہے، جس کی پرورش امریکی ایماء کے زور پر کی جارہی ہے، یہی وجہ ہے کہ تعلقات و روابط استوار کرنا کیا معنی؟ کسی اسلامی حکومت نے استعمار کے اس ''ناجائز بچہ'' کو ابھی تک زندہ رہنے کی اجازت بھی نہیں دی ہے لیکن قادیانیوں کی ''ربوہ اسٹیٹ'' خود بھی چونکہ استعمار کی ناجائز اولاد کی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے ان دونوں کے نہ صرف باہمی روابط استوار ہوئے، بلکہ دونوں توام ''بہن بھائی'' کی حیثیت میں عالم اسلام کو چیلنج کر رہے ہیں۔

یہاں اس لطیفہ کا ذکر بھی خالی از دلچسپی نہیں ہو گا کہ ۱۹۴۷ سے ۱۹۵۳ تک پاکستان کا وزیر خارجہ مسٹر ظفر اللہ خان قادیانی رہا، جو لفظی طور پر حکومت پاکستان کا وزیر خارجہ تھا، مگر معنوی طور پر ''ربوہ اسٹیٹ'' کی وزارت خارجہ کے فرائض انجام دے رہا تھا، اس نے رسمی طور پر پاکستان سے وفاداری کا حلف اٹھایا تھا مگر حقیقی طور پر وہ قادیان کے خلیفہ ربوہ کا مطیع و فرما نبردار و وفادار تھا اسی کے عہد وزارت میں '' ربوہ اسٹیٹ کا اسرائیل سے رابطہ مستحکم ہوا۔۔''(75)

یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے برسوں پہلے اپنی ایک تحریر میں فرمایا تھا کہ

'' احمدی اسلام اور ہندوستان (پاکستان نہیں بنا تھا) دونوں کے غدار ہیں''(76)

چنانچہ علماء اسلام نے قادیانیت اور اس کے ایجنڈے کے خلاف ملک گیر تحریک چلائی جو تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ کے نام سے موسوم ہوئی اس تحریک کے راہنما خاص کر عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے اس تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ کے اغراض و مقاصد یہ تھے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے اور سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے ہٹایا جائے۔ چنانچہ مولانا مجاہد الحسینی اپنی کتاب ۱۹۵۳ کی تحریک ختم نبوت میں لکھتے ہیں:

"چنانچہ مختلف مکاتب و مسالک کے علماء و مشائخ اور دینی جماعتوں کے نمائندوں نے ارباب حکومت کے سامنے علامہ اقبال کا موقف اور مطالبہ پیش کیا کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیں اور اسلامی مملکت کی وزارت خاجہ کے عہدہ سے قادیانی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کو اس لئے فوراالگ کر دیں کہ اس نے بانی پاکستان کے جنازے میں شریک ہونے کے باوجود نماز جنازہ اس لئے نہیں پڑھی تھی کہ وہ بانی پاکستان کو مسلمان نہیں سمجھتا تھا اور ثانیاً یہ کہ ظفر اللہ خان پاکستانی وزارت خارجہ کی پالیسیوں کی تکمیل کے بجائے قادیانیت کی تبلیغ واشاعت میں سر گرم ہے۔"(77)

اس تحریک میں تمام مکاتب فکر کے لوگوں نے خوب قربانیاں دیں اس تحریک کے قائدین میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری ،مولانا محمد علی جالندھری، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا ابو الحسنات قادری اور بہت سے علماء شامل تھے۔ ان قائدین کو حکومت نے زیر حراست رکھا اور بھی عام مسلمانوں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں مگر ختم نبوت پر مر مٹنے کا جذبہ مسلمانوں کے دلوں سے کم نہ ہو سکا۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ کے حالات قلم بند کرتے ہوئے خواجہ خان محمد صاحبؒ لکھتے ہیں:

"بلاشبہ برصغیر کی یہ عظیم ترین تحریک تھی، جس میں دس اہزار مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، ایک لاکھ مسلمانوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ دس لاکھ مسلمان اس تحریک سے متأثر ہوئے۔(78)

۱۹۵۳ کی تحریک کے بعد مولانا عطاء شاہ اللہ بخاریؒ اور آپ کے رفقاء نے ختم نبوت پر کام کرنے کے لئے تحریک کی بنیاد سیاست سے کنارہ کش ہو کر خالصتاً دینی اور مذہبی بنیادوں پر قائم کی۔ یہ ان حضرات کی دور اندیشی تھی کہ تحریک کو

سیاست سے الگ کیا اور تحریک پاکستان میں باقائدہ منظم انداز میں پہلی تحریک تھی" قادیانیوں کے خلاف پہلی تحریک ۱۹۵۳ میں برپا ہوئی۔"(79)اس تحریک کا نام" مجلس تحفظ ختم نبوت" رکھا گیا چنانچہ مولانا اللہ وسایا صاحب لکھتے ہیں:

" حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات نے مل کر ایک غیر سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی جو سیاست سے ہٹ کر صرف اور صرف دینی نقطہ نظر سے قادیانیت سے برسرپیکار ہو۔ اس جماعت کا نام" مجلس ختم نبوت" رکھا گیا۔(80)

یہ تحریک غیر سیاسی انداز پر مذہبی جماعت کے طور پر اپنا کام کرتی رہی، اس تحریک کے پہلے امیر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مقرر ہوئے، اس کے بعد قاضی احسان احمد شجاع آبادی، تیسرے امیر مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری اور چوتھے امیر مفتی محمود صاحب پانچویں امیر محدث العصر حضرت مولانا یوسف بنوریؒ تھے حضرت بنوری کی امارت قبول کرنے کے بعد ۱۹۷۴ میں ایک انتہائی افسوس ناک واقعہ پیش آیا کہ ملتان نشتر کالج کے طلبہ پشاور سیر و سیاحت کو گئے واپسی میں ربوہ اسٹیشن پر قادیانی گروہ نے ریل میں چڑھ کر ان طلبہ کو مارا اور کئی طلبہ زخمی ہوئے جس سے ملک بھر میں غم اور غصہ کی لہر دوڑ گئی اور مجلس تحفظ ختم نبوت نے خصوصی طور پر معاملہ کو نوٹس لیا اور قادیانیوں کے خلاف تمام مکاتب فکر نے ملکر ایک بار پھر پرزور انداز میں قادیانیوں کو کافر قرار دینے کا مطالبہ کیا۔

۲۹ مئی کو ربوہ کا حادثہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلبہ پشاور کے ٹور پر جارہے تھے جب چناب ایکسپریس چناب نگر (ربوہ) ریلوے اسٹیشن پر رکی تو طلبہ نے ختم نبوت زندہ باد اور قادیانیت مردہ باد کی نعرہ بازی کی۔ قادیانی بھلا کب برداشت کرسکتے تھے کہ ان کے شہر میں ان کے خلاف نعرہ بازی ہو، تو انہوں نے واپسی کا پروگرام معلوم کیا، ۲۹ مئی کو قادیانیوں نے سرگودھا شاھین آباد اور ربوہ ریلوے اسٹیشن سے سینکڑوں تربیت یافتہ نوجوان سوار کرائے جو طلبہ پر ٹوٹ پڑے اور انہیں مار مار کر ادھ موا کر دیا تو حالات نے نازک صورت اختیار کرلی اور مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہوگئے۔ مگر حکومت نے بروقت صحیح قدم نہیں اٹھایا بلکہ ۱۹۵۳ کی تحریک ختم نبوت کی طرح اس تحریک کو بھی کچلنا چاہا۔(81)

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۲ مئی ۱۹۷۴ کو نشتر میڈیکل ملتان کے تقریباً سو طلبہ سیاحت کی غرض سے پشاور جارہے تھے تو ربوہ (چناب نگر) اسٹیشن پر انہوں نے ''ختم نبوت زندہ باد'' کے نعرے لگائے، مرزائیوں نے مرکز ربوہ (چناب نگر) کے حسب ہدایت پخت و پز کی اور واپسی پر ان طلباء کی پٹائی کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ جب ۲۹ مئی کو چناب ایکسپریس پشاور سے چلی تو ربوہ کے اوباش تیار ہوگئے اور گاڑی کی آمد سے پہلے تقریباً قادیانی جماعت کا ہجوم لاٹھیوں، کلہاڑیوں ،ہاکیوں، خنجروں، تلواروں اور پستولوں سے مسلح ہو کر پلیٹ فارم جمع ہو گیا۔ جب گاڑی ربوہ سے پہلے نشتر آباد کے اسٹیشن پر پہنچی تو اس کے قادیانی العقیدہ اسٹیشن ماسٹر نے ربوہ (چناب نگر) کے ہم عقیدہ اسٹیشن ماسٹر کو طلبہ کی بوگی کا نشان دیا اور غنڈوں کو مستعد کرنے کے لئے گاڑی کی روانگی میں تاخیر کی۔ پھر جب گاڑی اسٹیشن پر پہنچی تو ان ہزارہا افراد نے طلبہ کی بوگی کے دروازے اور کھڑکیاں توڑ ڈالیں اندر گھس گئے اور تمام طلبہ کو بری طرح ذدکوب کیا۔ ۳۰ طلباء شدید زخمی ہوئے (82)۔

قادیانیوں کا یہ اقدام ان کے خلاف ہی کام کر گیا، ۲۹ مئی کے واقعہ کے بعد سے تمام دینی جماعتیں متحد ہوئیں اور مشترکہ تحفظ ختم نبوت پر کام کیا اور حکومت سے پر زور مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ حکومت نے سختی سے اس مطالبے کو دبانا چاہا مگر یہ مطالبہ ایمانی جذبات کا ایسا ٹھاٹھے مارتا طوفان تھا جو کسی کے روکنے سے رک نہیں سکتا تھا ۲۹ مئی سے شروع ہونے والی یہ تحریک و جدوجہد بالآخرے ستمبر ۱۹۷۴ کو جوانانِ اسلام اور علماء کرام کی بے پناہ قربانیاں کے نتیجے میں کامیاب ہوئی اور پاکستان اسمبلی میں متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔

''۷ ستمبر وہ مبارک دن تھا جس میں قومی پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔''(83)

اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کی قیادت میں یہ عظیم کارنامہ سر ہو گیا اس تاریخ ساز فیصلہ کے بعد مسلمانوں میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ کئی سال کی قربانیاں رنگ لائی۔ اس فیصلے کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت بنوریؒ کا انتقال ہوا۔ آپ کے بعد ختم نبوت کے مرکزی امیر ہمارے ممدوح موضوع سخن حضرت مولانا یوسف

لدھیانوی شہیدؒ بنائے گئے۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی اگرچہ ۱۹۶۰ سے ہی ختم نبوت کے لئے کوشاں تھے لیکن جب آپ کو مجلس تحفظ ختم نبوت کا باقاعدہ امیر بنایا گیا تو آپ کی ختم نبوت پر خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی تحفظ ختم نبوت پر خدمات

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ نے ختم نبوت کے تحفظ پر اپنے قول، فعل اور قلم سے تجدیدی کارنامے انجام دیئے۔ آپ ۱۹۵۳ کی تحریک کے زمانے میں دورہ حدیث کے طالب علم تھے۔یقیناً اس تحریک میں بھی آپ نے حصہ لیا ہو مگر آپ کی تحریر و تقریر میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا

لیکن مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اپنی ابتدائی طالبعلمانہ دور میں جمعہ کی تقریر مولانا محمد علی جالندھری کی سننے جایا کرتے تھے اور مولانا محمد علی جالندھری کے بارے مین مشہور تھا کہ جو ان کی ختم نبوت پر ایک تقریر سن لئے وہ اس کام ''تحفظ ختم نبوت'' کا شیدائی ہو جاتا۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھری سے حضرت لدھیانویؒ کو کس قدر ملا جو جذبہ آگے جا کر ان کی عملی زندگی کی روح اور صلاحیتوں کا محور بن گیا۔یہی وجہ ہے کہ جب ماہنامہ ''صدق جدید'' کے مدیر مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ نے غلط فہمی کی وجہ سے قادیانیت کی حمایت کی تو حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے برداشت نہ ہو ااور حضرت موصوف حالانکہ قلم کے میدان میں زیادہ تجربہ نہیں رکھتے تھے اس کے باوجود حضرت کی دینی حمیت و جذبہ نے اس امر پر مجبور کیا کہ آپ نے مولانا عبد الماجد دریا آبادی جیسی بڑی وقیع شخصیت کا جواب لکھا اور کمال کا لکھا، مولانا عبد الماجد دریا آبادی نے مرزا قادیانی کو ''فہیم اور ذی ہوش'' قرار دیا۔ جس پر حضرت لدھیانوی مولانا عبد الماجد دریا آبادی کی تحریر پر اظہار افسوس کے ساتھ تعجب فرماتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے اسلام کی معزز شخصیات کی گستاخیاں کیں، اس کے باوجود مولانا دریا آبادیؒ کا قادیانیت نوازی موجب حیرت اور تاسف ہے۔ مولانا یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

'' یاللعجب ! اس مرزا کی ''صدق'' کے صفحات میں دریا آبادی کے قلم سے مدح سرائی کی جاتی ہے جس کے قلم نے انبیاء کی عصمت میں شگاف ڈالا، امہات لمؤمنین کی عفت پر سیاہی پھینکی، صحابہؓ کے مقام پر حملہ کیا، علماء صلحاء کی دستار

کو چھیڑا اور پوری ملت، ملتِ اسلامیہ پر سنگ باری کی۔ کاش مولانا کا "شرح صدر" مرزا صاحب پر "ترس" کھانے اور ان کے انتصار کی بجائے، مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ، انبیاء کرام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر ترس کھاتا اور ان پر ظالم نے جو سوقیانہ حملے کیے، ان کا مقام مولانا واضح کرتے، چند گریجویٹوں سے مرعوب ہونے کی بجائے وہ اہل اللہ سے مرعوب ہوتے لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا۔ کاش مولانا اب بھی غور فرمالیں کہ وہ کس سے توڑتے ہیں اور کس سے جوڑتے ہیں۔"(84)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید نے اپنے پہلے قلمی میدان میں قادیانیت کے خلاف معرکہ لڑا اور کامیاب ہوئے آپ کے اس مضمون کو علماء و اہل مدارس کے علاوہ عوام میں بھی بہت پذیرائی ملی آپ کا یہ مضمون ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں دو قسطوں میں شائع ہوا، اس طرح آپ نے قادیانیت کے تعاقب میں اس مضمون کے ذریعہ ۱۹۶۲ میں ہی گھات لگالی تھی۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے وابستگی:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے مجلس تحفظ ختم نبوت سے باقاعدہ وابستگی ۱۹۷۳ میں حضرت بنوریؒ کی ایماء پر کی۔ ۱۹۵۳ کے بعد سے ۱۹۷۴ تک کے دور میں "مجلس ختم نبوت" اپنے ارتقائی مراحل میں تھی، چونکہ ۱۹۵۳ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفاتر پر حکومت نے قبضہ کر لیا تھا، ریکارڈ وغیرہ بھی ضبط ہو چکا تھا، ایک لاکھ سے زائد افراد اسیر تھے، ان کی رہائی اور دیگر معاملات کی درستگی میں وقت لگ گیا۔ مگر جب مجلس تحفظ ختم نبوت کے چوتھے امیر مولانا لال حسین اختر کا وصال ہوا تو سب علماء و کارکنان نے ختم نبوت تحریک کی باگ دوڑ سنبھالنے کے لئے کسی ایسی شخصیت کا انتخاب کرنا تھا جو اکابر کی طرز پر اس تحریک کے لئے تن من دھن لگادے اور بحسن خوبی تحریک کے مقاصد کا حصول ہو سکے چنانچہ اولاً فاتح قادیان مولانا محمد حیات صاحب کو امارت کی گراں قدر ذمہ داری دی جانے لگی تو انہوں نے پیرانہ سال کی وجہ سے عذر کیا، لیکن مولانا محمد حیات کو مرکزی امارت عارضی طور پر تفویض کی گئی اس کے بعد جماعت کی مجلس شوریٰ کی طرف سے

اجلاس کا اعلان ہوا۔ اور اس اجلاس میں امیر منتخب کرنے کا بھی ایجنڈا تھا حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید ان دنوں ساہیوال جامعہ رشیدیہ کے مدرس تھے اور ہر مہینہ دس دن کے لئے کراچی ماہنامہ ''بینات'' کی تیاری کے لئے تشریف لاتے تھے۔ مولانا لدھیانوی نے حضرت بنوریؒ کو اجلاس میں تشریف لے جانے سے پہلے اپنی دلی خواہش کا اظہار فرمایا اور حضرت بنوری کو امارت قبول کرنے کا فرمایا: حضرت بنوری نے بھی اپنی تمنا کا اظہار فرمایا کہ اگر میں امارت قبول کرلوں تو تم ساہیوال سے ملتان مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر آجاؤ گے۔ چنانچہ اس واقعہ کو خود حضرت لدھیانوی تحریر فرماتے ہیں:

'' محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اس اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے جانے لگے تو حضرت شہید (مولانا یوسف لدھیانوی) ملاقات کے لئے گئے اور اپنے تأثرات اور دلی خواہش کا اظہار اس انداز سے فرمایا۔

حضرت آپ جماعت کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے جارہے ہیں میری درخواست ہے کہ یا تو جماعت کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لے لیں (امارت قبول فرمالیں) یا فاتحہ پڑھ کر جماعت کو ختم کرنے کا اعلان کر دیجیے گا۔ حضرت اس ناکارہ کی درخواست سے بہت متأثر ہوئے اور برجستہ فرمایا:

اگر میں جماعت کی امارت قبول کرلوں تو تم ساہیوال سے ملتان مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر میں منتقل ہو جاؤ گے؟

میں نے عرض کیا: حضرت مجھے کراچی آنے سے عذر ہے، کراچی کے علاوہ جہاں حکم فرمائیں گے وہاں جانے کے لئے تیار ہوں، حضرت بنوریؒ اس جواب سے بہت خوش ہوئے۔''(85)

اور پھر یونہی حضرت بنوری اپنے مزاج کے خلاف عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر بنادیئے گئے تو حضرت لدھیانوی شہید بھی حسب وعدہ ملتان مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر تشریف لے آئے۔ مولانا اللہ وسایا صاحب لکھتے ہیں:

" الغرض: حضرت بنوری جماعت ختم نبوت کے امیر منتخب ہو کر کراچی تشریف لائے حضرت شہید حضرت بنوری کو مبارک باد دینے کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت بنوری نے فرمایا: " اپنا وعدہ یاد ہے"؟ انہوں نے عرض کیا بالکل حاضر ہوں۔۔(86)

اس طرح آپؒ باضابطہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے منسلک ہوگئے ضابطہ کے طور پر آپ کو ناظم نشریات مقرر کیا گیا مگر آپ پر کسی قسم کی ذمہ داری نہ تھی آپ نے دو سال تک مولانا محمد حیات صاحب کی راہنمائی میں قادیانیت کا مطالعہ کیا اسی دوران آپ نے تردید قادیانیت میں ایسے رسائل لکھے جس سے قادیانیت کی بنیادیں اُکھڑ گئی۔ آپ چونکہ ناظم نشریات تھے تو اسی فیصد قادیانیت کے خلاف تصنیفی کام آپ کی جدوجہد کاوشوں اور آپ کے ہی دور نظامت میں ہوا آپ نے پوری دنیا میں قادیانیت کا تعاقب اور دیگر اسلامی ممالک میں قادیانیت سے جنگ کر کے انہیں بیرونِ ممالک کی اسمبلیوں سے غیر مسلم اقلیت قانونی طور پر قرار دلایا۔

انقلابی کارنامہ:

۷ ستمبر ۱۹۷۴ میں جب قادیانیوں کو پارلیمنٹ نے غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو حضرت شہید رحمہ اللہ کی فکر سے قادیانیوں کو دعوت اسلام دی گئی اور قادیانیت کی حقیقت پر مشتمل اور اسلام قبول کرنے کے دعوت نامے کے ساتھ لیٹریچر تیار کئے گئے اور پاکستان میں موجود قادیانیوں کے گھر گھر ڈاک کے ذریعہ پوسٹ اور بہت سے قادیانیوں کے گھروں تک دستی پہنچائے گئے اس طرح قادیانیوں پر مزید حجت تام کی گئی۔ اس مہم کے نتیجہ میں ہزارو قادیانیوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ ساری مہم حضرت مولانالدھیانوی شہید کی فکر اور کاوش ہی سے ممکن ہوئی۔

۱۹۸۴ قادیانی امتناع آرڈیننس میں آپ کا کردار:

۱۹۸۴ میں قادیانی احمدی گروہ کے سربراہ مرزا طاہر قادیانی کو شرارت سوجھی اورر اس نے قادیانیت سے متعلق پاکستانی آئین کا انکار کیا اور شر انگیزی کے لئے اپنی جماعت قادیانی سے کہا کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح اپنی عبادت گاہوں پر قرآنی آیات، کلمہ طیبہ آویزاں کریں اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں اس طرح قادیانیوں نے کھلے عام پاکستانی آئین

کی تضحیک و تذلیل کرنے کی بھرپور کوشش کی، چنانچہ اسی لمحہ "مجلس تحفظ ختم نبوت" حرکت میں آئی اور قادیانیوں کے خلاف تحریک چلائی۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید اس موقع پر بہت فکر مند تھے اور آپ حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ اور مفتی احمد الرحمٰن صاحب کے ہمراہ صف اول میں پیش پیش تھے، اور جماعت کا قلمی میدان تو مکمل آپ کے حوالے تھا۔ آپؒ نے اس موقع پر کئی رسائل لکھیں جس میں قادیانیوں کی کلمہ طیبہ کی توہین کو قرآن وحدیث کے مضبوط دلائل سے واضح کیا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے اسلام آباد میں دھرنے کا اعلان کیا۔ اس وقت پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم تھے انہوں نے ظفر الحق سے اس بڑھتی ہوئی کشیدگی پر مشورہ کیا جس کے نتیجہ میں صدر ضیاء الحق نے مجبور ہو کر قانون سازی کرائی جس میں قادیانیوں کو شعائر اسلام استعمال کرنے اپنی عبادت گاہوں کو مساجد کہنے اور خود کو مسلمان کہلانے پر پابندی لگائی گئی اور دیگر اسلامی دفعات آئین کا حصہ بنی اور امتناع قادیانیت آرڈیننس فیصلہ جاری ہوا۔ اور ایک بار پھر "عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت" کامیاب ہوئی جس میں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید کا بھی بہت اہم کردار رہا۔

قادیانی قیادت کی رسوائی:

۱۹۷۴ میں پاکستان اسمبلی نے قادیانیوں کو کافر قرار دیا لیکن غیر مسلم اقلیت کے قواعد وضوابط حکومت کی سستی کی وجہ سے نافذ نہ کئے جاسکے جس کی وجہ سے قادیانی پاکستان میں اپنی تبلیغی اور سازشی سرگرمیاں جاری رکھتے تھے۔ لیکن جب حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید اور دیگر اکابرین کی کاوشوں سے ۱۹۸۴ میں امتناع قادیانیت آرڈیننس جاری ہوا تو مرزا طاہر جو ایک عرصہ سے ربوہ (چناب نگر) میں کھلے عام جمعہ پڑھایا کرتا تھا اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا تھا اس پر حکومت کے جاری کردہ آدرڈیننس کے تحت اسے جمعہ سے روک دیا گیا۔ اس طرح قادیانی قیادت وملت کو رسوائی ہوئی اور مرزا طاہر لندن بھاگ گیا۔

قادیانیت کا تعاقب یورپ میں:

مرزاطاہر جو قادیانیوں کا سربراہ تھا پاکستان سے لندن بھاگنے کے بعد اس نے اپنے آقاؤں کے تعاون سے لندن میں قادیانی مرکز قائم کیا اور وہاں سے بیٹھ کر جدید آلات کے ذریعے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے شیطانی سرگرمیوں میں مصروف ہوگیا۔عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کو اس کی بہت فکر ہوئی۔اسی دوران مرزا طاہر نے پاکستان میں اپنی سالانہ کانفرنس کا اعلان کیا عالمی مجلس ختم نبوت نے قانون کے تحت اس کانفرنس پر پابندی لگوائی تو مرزاطاہر نے اپنا سالانہ اجتماع انگلینڈ میں کرنے کا علان کیا عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے مفتی احمد الرحمنؒ اور مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو یہ ذمہ داری لگائی کہ لندن یا انگلینڈ میں کسی جگہ دفتر ختم نبوت قائم کرکے کا کام شروع کریں چنانچہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور برطانیہ کے علماء سے مشاورت کے بعد انگلینڈ میں سالانہ اجتماع کا انعقاد اور دفتر ختم نبوت کا فیصلہ ہوا انگلینڈ میں دفتر کے لئے جگہ خریدی گئی جس کی رقم حضرت یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی جدوجہد اور کاوشوں سے ادا کی گئی۔اس کے بعد سے آج تک ہر سال انگلینڈ میں ختم نبوت کا انعقاد کیا جاتا ہے اور حضرت یوسف لدھیانوی شہید آخر دم تک ہر سال اپنی مصروفیت، پیرانہ سالی اور بیماریوں کے باوجود انگلینڈ کے اجتماع کے لئے ضرور تشریف لے جاتے رہے۔یہ سب آپ کی فکر محنت اور دعاءواخلاص کی برکت سے ہوا۔

حضرت شہیدؒ افریقہ کے ممالک میں:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی نے قادیانیت کا پوری دنیا میں تعاقب کیا اور ہر سمت سے قادیانیت کو شکست کا سامنا ہوا۔افریقہ میں ایک علاقہ ''مالی'' ہے اس میں قادیانی مسلمانوں کو جھوٹ کے ذریعے مرزاطاہر کے ہاتھ پر بیعت کرانے لگے۔یہ خبر حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو پہنچی۔آپ بہت بے چین ہوئے آپ نے فوری طور پر مولانا منظور احمد الحسینی اور حاجی عبدالرحمن یعقوب باوا کو بھیجا۔انہوں نے مالی کے مسلمانوں کو قادیانیت کی حقیقت سے آگاہ کیا اور ان حضرات کی محنتوں سے پچاس ہزار نے توبہ کی مرزاطاہر اور قادیانی جماعت سے برأت کا اظہار کیا۔

جنوبی افریقہ میں قادیانی کو شکست:

۱۹۸۷ میں قادیانیوں نے جنوبی افریقہ کی عدالت میں چیلنج کیا کہ ہم مسلمان ہیں ہمیں مسلمان تسلیم کیا جائے اور مسلمانوں والا برتاؤ ہم سے روا رکھا جائے جنوبی افریقہ کے علماء اس کاروائی کے فریق بنے اور پاکستان کے علماء سے رابطہ کیا اس کو مولانا اللہ وسایا صاحب اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں:

"۱۹۸۷ میں جنوبی افریقہ کی عدالت میں قادیانی چیلنج کر دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں ہمیں مسلمانوں کی مسجد میں نماز پڑھنے اور ان کے قبرستان میں مردے دفن کرنے کی اجازت دی جائے۔جج یہودی، وکیل یہودی، پوری دنیا کی نگاہیں اس مقدمے پر، جنوبی افریقہ کا مشہور علمی ودینی خاندان میاں برادرز اور جمعیت علمائے افریقہ س مقدمہ میں فریق بن جاتے ہیں ان کی طرف سے درخواست آتی ہے کہ بڑے برے علماء کرام کی اس وقت سخت ضرورت ہے" عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت" جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی، حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر ،ڈاکٹر محمود احمد غازی، افضل چیمہ ڈپٹی اٹارنی جنرل اور دیگر وکلا اور حضرت شہید کا انتخاب کرتی ہے اور یہ حضرات جنوبی افریقہ تشریف لے جاتے ہیں۔ایک مرتبہ مختصر سماعت ہوتی ہے ،دوسری دفعہ طویل سماعت جس میں حضرت شہید (یوسف لدھیانویؒ) اور مولانا عبدلرحیم اشعر طویل قیام فرماتے ہیں اور ڈاکٹر محمود غازی کو تیاری کرا کر روزانہ عدالت بھیجتے ہیں (جس طرح) قومی اسمبلی میں مفتی محمود رحمہ اللہ یحیٰی بختیار کو تیار کر کے مرزا ناصر پر جرح کرتے تھے، جنوبی افریقہ میں حضرت شہید یہ فریضہ انجام دیتے تھے۔ رات بھر تیاری اور دن بھر مقدمے میں شمولیت، انتھک محنت کے بعد مقدمہ مسلمانوں کے حق میں ہو جاتا ہے۔"(87)

حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ ہر وقت قادیانیت کے خلاف کام کرنے کے لئے کمر بستہ رہتے تھے چونکہ آپ جانتے تھے کہ قادیانی نہ اسلام و مسلمین کے دشمن ہیں بلکہ قادیانی پاکستان کے بھی دشمن ہیں اور پاکستانی آئین کے باغی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آپ نے ملک اور بیرون ملک پوری دنیا میں قایانیت کا بھرپور تعاقب کر کے ان کو ہر میدان میں شکست دی۔

مباہلہ کی دعوت:

ایک بار مرزا طاہر نے تمام علماء کرام اور مسلمانوں کو مباہلہ کا چیلنج دیا اور اس بارے میں ایک خط بھی جاری کیا، یہ خط مباہلہ کا جب حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ تک پہنچا تو آپ نے اس کا مدلل جواب تحریر فرمایا اور مباہلہ کی تاریخ مقرر کر دی اور مرزا طاہر کو وہ خط ارسال بھی کرا دیا۔ مقررہ تاریخ پر آپ تشریف لے گئے اور مرزا طاہر نے راہِ فرار اختیار کی اور پھر کہا کہ مباہلہ کا طریقہ یہ ہو گا کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف بد دعا کریں۔ حق خود بخود ظاہر ہو جائیگا۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے برمنگھم کانفرنس میں اس چیلنج اور مباہلہ کی حقیقت کو بیان کیا۔ اس مباہلہ کا ذکر کرتے ہوئے مفتی جمیل خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

"چار سال قبل رمضان المبارک سے پہلے مرزا طاہر نے اعلان کیا کہ رمضان المبارک میں اس کی جماعت کے تمام لوگ پاکستان کے مسلمانوں اور علماء کرام کے لئے بد عائیں کریں کہ یہ تباہ و برباد ہو جائیں۔ پورے رمضان یہ بد دعا کرتے رہے، حضرت شہید نے فرمایا: بد دعا تمہارے اپنے اوپر لوٹے گی، تمہارا جھوٹا مدعی نبوت مرزا غلام احمد ایسے بہت سے ہتھکنڈے استعمال کر چکا ہے" خدا نے حضرت شہید کی بات کی لاج رکھی اور مرزا طاہر ناکام ونامراد ہوا۔(88)

اس کے علاوہ آپ نے قادیانیت کی تردید میں بہت کتب تصنیف فرمائی، بیان کیا جاتا ہے کہ قادیانیت کی تردید میں پڑھا جانے والا لیٹریچر تقریباً ۸۰ فیصد آپ کا قلمی شاہکار ہے۔ جس کا تذکرہ ہم آپؒ کی تصنیفی خدمات میں بیان کر چکے ہیں۔

فصل دوم: ملک وملت کے ارباب اقتدار کیلئے اصلاحی کوششیں

اسلامی ریاست:

پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے یہاں کا آئین و دستور سازی اسلامی ہے، پاکستان کا آئین دنیا کی مملکتوں میں واحد ایسا آئین ہے جس کے مطابق پاکستان کا حاکم اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور یہاں کا دستور اوّل قرآن مجید ہے۔ اسی طرح مملکت کی سربراہی کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے، چونکہ مسلم ریاست میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ایک مسلمان ہی موزوں ہے، کیونکہ ایک غیر مسلم قطعاً اس بات کا اہل نہیں کہ وہ مسلم ریاست کا حکمران بنے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہیں:

ولن یجعل اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا (89)

ترجمہ: اور اللہ کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کا ہرگز کوئی راستہ نہیں رکھے گا۔

چونکہ سلطنت و حکمرانی غلبہ ہی ایک صورت ہے اس لئے مسلم ریاست میں حکمران غیر مسلم نہیں ہو سکتا۔

مسلم حاکم: شریعت مطہرہ نے مسلم حکمران کو بھی حدود و قیود کا پابند بنایا ہے اور حکمرانی کا ایک منشور فراہم کیا ہے۔ قرآن میں حکمرانی کے احکامات بتائے ہیں جس میں بنیادی حکم اللہ کی زمین پر احکامات الٰہیہ کے نفاذ اور اقامت اعمال کے لئے جدوجہد کرنا ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

"الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلاۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔" (90)

ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں اور برائی سے روکیں۔ مذکورہ بالا آیات میں اسلامی سربراہ مملکت کے فرائض منصبی بنیادی طور پر چار بتائے گئے ہیں:

۱۔ اقامتِ صلوۃ ۲۔ ادائے زکوۃ ۳۔ امر بالمعروف ۴۔ نہی عن المنکر

اور کسی معاشرے اور سلطنت کے اندورنی مسائل کے حل اور امن وامان کے قیام کے لئے ان چار کاموں کا پایا جانا انتہائی ضروری ہے ان چار کاموں کے بغیر معاشرے کی اصلاح صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن سی بات ہے۔ اور جو حکمران زمین میں اللہ کے دین کے قیام کے سعی خاص کرتے ہیں وہ زمین پر اللہ کا سایہ ہوتے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے:

"بادشاہی اسلامی مملکت کا سربراہ حق تعالیٰ کا اس زمین میں سایہ ہے۔"(91)

کیونکہ سلطنت وخلافت اسلامیہ میں سربراہ ہی بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اب اس تمہید کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اس سلسلے میں کیا خدمات انجام دیں ہیں:

مولانا یوسف لدھیانوی اور اصحاب اقتدار:

مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ جس طرح عوام الناس کے خیر خواہ اور ان کی اصلاح کے لئے مصروف عمل تھے۔ اسی طرح آپ اصحاب اقتدار کے بھی خیر خواہ تھے آپ ہمیشہ حکمران طبقہ کو نصیحت فرماتے اور ان کو راہ راست پر رہنے کی تاکید فرماتے۔ آپ نے مختلف ادوار میں بہت سے حکمران دیکھے، لیکن بڑے بڑے جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے سے آپ کبھی خائف نہ ہوئے۔ فرعون طبعیت حکمرانوں کے سامنے حق بات پر سینہ سپر ہو جانے کی وجہ سے بدخواہوں اور اسلام دشمنوں نے آپ کو شہید کیا۔

پاکستان میں نفاذ اسلام:

پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا جس کا تقاضا یہ تھا کہ یہاں اسلامی نظام نافذ کیا جاتا مگر افسوس کہ اتنے برس گذر جانے پر بھی یہاں اسلام کا نظام جاری نہ ہو سکا، جس کی بڑی وجہ صاحب اقتدار طبقہ مذہب اور اسلام سے مخلص نہیں ۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی کو بھی اس بات کا بے حد افسوس تھا آپ چاہتے تھے کہ پاکستان میں جلد از جلد اسلامی نظام کا نفاذ ہو، اور جو لبرل اہل اقتدار اس کام میں رکاوٹ بنتے ہیں یا بنے ہوئے ہیں ان کو ماضی کے حکمرانوں کے بھیانک انجام اور خدا تعالیٰ کے پکڑ سے ڈراتے ایک موقع پر آپؒ نے فرمایا:

" پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا مگر یہاں جتنے حکمران آئ انہوں نے لفظی طور پر تو خوب اسلام کے بلند بانگ دعوے کیے مگر عملی طور پر اسلام کی تکذیب کی، لادقادیانیت کو ملک میں پھیلایا، اسلامی شعائر کو پامال کیا فحاشی و عریانی اور ناچ گانے کی ترویج کی۔ حد یہ کہ مسٹر بھٹو کے دور میں بھی "اسلام اسلام" کے نعرے کچھ کم نہیں لگائے گئے۔ جب کے اندر ہی اندر پوری قوم کے مزاج کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے تمام وسائل استعمال کیے۔ یہی منافقت تھی جس نے سکندر مرزا سے لے کر مسٹر بھٹو تک ہمارے حکمرانوں کو ذلیل ورسوا کیا اور منافقوں کا یہ ٹولہ نہ صرف خود اپنے کیفر کردار تک کو پہنچا بلکہ ملک وملت کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبا اور قوم کو موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا کر گیا۔"(92)

اسلامی نظام میں مشکلات:

بھٹو کے دورِ حکومت کے بعد جب جنرل ضیاء الحق مرحوم نے مارشل لاء قائم کی تو شروع شروع میں اسلام کے نفاذ کے لئے بڑا شور و غلغلہ کیا کمیٹیاں قائم کی گئیں ملکی معیشت کے لئے سودی نظام کے متبال نظام کے فارمولے بنائے گئے مگر وقت گذرنے کے ساتھ سب ٹھنڈا پڑ گیا۔ جس پر حضرت مولانا یوسف لدھیانوی کو بہت قلق ہوا آپ نے صدر ضیاء الحق کو متوجہ کیا اور اسلامی نظام کے نفاذ میں تاخیر کی وجوہات کی تحقیق کی حضرت لکھتے ہیں:

" تقریباً ڈیڑھ سو سال سے ہماری زندگی اسلام سے عاری ہے، جس کی بناء پر قانون کفر کی جڑیں ہمارے معاشرے میں بڑی گہری چلی گئی ہیں ہماری معیشت کا سارا ڈھانچہ ہی نظام کفر پر استوار ہے ہماری تعلیم اور نظام تعلیم یکسر غیر اسلامی بنیادوں پر قائم ہے۔ ہماری عدالتوں مین اسلام کے بجائے انگریز کا قانون نافذ ہے، ہماری سیاست غیر اسلامی نعروں کو خوگر ہے اور یوں ہمارا پورا معاشرہ اسلام کی پٹری سے اتر چکا ہے۔ ان حالات میں جو شخص اسلامی نظام کے نفاذ کا ارادہ رکھتا ہو اور معاشرہ کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا چاہتا ہو اس کے لئے سب سے زیادہ پریشانی کی چیز یہ ہے کہ وہ اس عمل کا آغاز کہاں سے کرے؟ شاید ہماری مارشل لاء حکومت بھی اسی پریشانی میں مبتلا ہے اور وہ اب تک اسی شش و پنج میں ہے کہ وہ اس مبارک کام کا آغاز کس نقطہ سے کرے؟۔"(93)

''اسلامی نظام کا نفاذ''

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید حکومت وقت کو نفاذ اسلام کی ابتداء کیسے کریں اس کا نقطہ آغاز بیان فرماتے ہیں اور انہی چار کام (جس کی طرف قرآن پاک میں رہنمائی کی گئی اور ہم گذشتہ اوراق میں ذکر کر چکے ہیں) سے ابتدا کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ یہ چار کام ۱۔ اقامت صلوۃ ۲۔ زکوٰۃ ادا کرنا ۳۔ امر بالمعروف ۴۔ نہی عن المنکر ضرور کرنے ہونگے اور نماز کی پابندی خود بھی کرنی ہو اسی طرح تمام دفاتر، سرکاری افسروں اور سرکاری و غیر سرکاری کمپنیوں میں اس کی پابندی کرانی ہو گی، اس کی خلاف ورزی کرنے پر وہی سزا تجویز کرنی ہو گی جو اسلام نے تجویز کی ہے اور دوسرا کام زکوۃ کی ادائیگی کے لیے ایک نظام بنانا ہو گا جو خالصتاً امانت و دیانت پر مبنی ہو۔ اس نظام کے تحت زکوۃ مالداروں سے وصول کر کے غرباء مستحقین تک پہنچائی جائے۔

اس کے علاوہ حضرتؒ کا ہر دور کے طبقہ حکمران سے یہ مطالبہ تھا کہ حکومتی سطح پر نیکیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے پر خاص توجہ دی جائے تاکہ کوئی نیکی ایسی نہ رہے جس کا رواج معاشرے میں نہ ہو اور کوئی برائی ایسی نہ رہے جس کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک نہ دیا جائے۔

ایک موقع پر حضرتؒ ملک کے صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم کو اقامت صلوۃ سے متعلق آگاہی دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' معاشرہ میں نماز کے عظیم الشان عمل کو رائج کرنے کے لئے حکومت کے تمام امیروں وزیروں سیکٹریوں ملازموں پر نماز کی پابندی ان کے فرائض منصبی میں شامل کر دی جائے۔ دفتری اوقات میں دفتر کے اندر اور دوسرے اوقات میں مساجد میں باجماعت ادا کرنے کی انہیں ترغیب دی جائے، دیگر صلاحیتوں کے علاوہ نماز کی پابندی کو بھی ان کی ترقی و تنزلی کا معیار بنایا جائے یہ کام جنرل صاحب با آسانی کر سکتے ہیں اس کے لئے کسی مہلت اور وقفہ کی بھی ضرورت نہیں، اگر حکومت کے افسر اور ملازم یہیہ عملی نمونہ پیش کریں تو ممکن نہیں کہ پبلک اس سے متاثر نہ ہو اور معاشرہ نمازی نہ بن جائے۔

یہاں امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ک ایک زرین ارشاد یاد دلانا بھی ضروری ہے جو امام مالکؒ نے "موطا" میں نقل کیاہے ،حضرت عمرؓ نے اپنے عمال (ارکان حکومت) کے نام فرمان جاری کیا کہ "میرے نزدیک تمہارے سارے کاموں میں نماز سب سے بڑھ کر ہے جو شخص اس کی پابندی کرے اس کے بارے میں توقع ہے کہ وہ دیگر امور بھی ٹھیک ٹھیک بجالائے گا ،اور جو شخص اس میں کوتاہی کرے گا ،وہ دوسری چیز میں اس سے بڑھ کر کوتاہی کرے گا۔" فاروق اعظمؓ کا یہ ارشاد ہمارے نیک دل حکمران جنرل محمد ضیاء الحق کے لئے مینارۂ نور ہے۔"(94)

کلمۂ حق کی صدا:

مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ ہمیشہ کلمۂ حق کی صدا بلند کرتے رہیں اور آپ کی زندگی میں کئی صاحب اقتدار بر سرِ حکومت آئے مگر آپ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے ،ہر ایسی بات جو آپ قرآن ،احادیث ، دینی شعائر اور مدارس کے خلاف حکومتی اقدام سمجھتے آپ اس پر بر ملا اظہار تردید فرماتے تھے۔اور اس سلسلے میں حکومت سے دوٹوک انداز میں بات فرماتے تھے جو آپؒ اور آپ سے پہلے ہمارے اکابر علماء دیوبند کا خاصہ تھا۔ایک موقع پر مدارس کے خلاف حکومتی اقدام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" دینی مدارس کی اصلاح اور ان پر کنٹرول حاصل کرنے ان کی افادیت اور ان کی آزادی سلب کرنے کا یہ منصوبہ کوئی نیا نہیں بلکہ سابقہ ادوار میں بھی اس پر بھی غور ہو تا رہاہے اور سرکاری افسران کا لادین طبقہ ہمیشہ سے دینی مدارس کی آزادانہ کار کردگی کو تشویش کی نگاہوں سے دیکھتاہے اور ان کو رام کرنے کی تدابیر سوچتا اور منصوبے بناتا رہا۔چنانچہ مختلف اوقات میں متعدد بار ایسی کوششیں کی جاچکی ہیں۔"(95)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے دینی مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے ولوں کا انجام بتاتے ہوئے اس وقت کی موجودہ حکومت کو تنبیہ کرتے ہیں:

" یوں ضیاء الحق مرحوم کے ذریعہ بھی لادین طبقہ کا دینی مدارس پر کنٹرول کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔بے نظیر حکومت کے " بے نظیر" دور میں دینی مدارس کے خلاف آواز اٹھائی گئی اس تحریک کا بھی وہی حشر ہو گا جو ان کے پیش روؤں کے منصوبوں کا ہو چکا ہے۔"(96)

حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ ارباب حکومت کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" اس لئے ارباب حکومت کو اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ دینی مدارس کی رجسٹریشن ختم کرنے پر مدارس ختم ہو جائیں گے۔"(97)

اس طرح حضرت یوسف لدھیانویؒ نے ہر دور کے ارباب حکومت کے لئے اصلاحی کوششیں کی ہیں ہم نے یہاں خاص خاص پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

فصل سوم: عوام الناس کے لئے آپکی اصلاحی کوششیں

حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ نے اپنی پوری زندگی خلق خدا کی خدمت و اصلاح کے لئے وقف کر دی تھی۔ آپ اپنی بے حد مصروفیات کے باوجود اصلاح الناس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ آپ نے شعبہ اصلاح وارشاد اور تزکیہ واحسان میں قدم رکھا تو مولانا خیر محمدؒ، محدث العصر مولانا یوسف بنوریؒ، قطب العالم حضرت مولانا محمد زکریاؒ اور ڈاکٹر عبد الحئیؒ عارفی جیسے اہل اللہ وباصفامردانِ حق کی صحبت وفیض پایا۔ اصلاح نفس وکردار جس کی ابتداء انما الاعمال بالنیات سے ہوتی ہے اور انتہاء احسانی کیفیت پر ہوتی ہے اس کے تمام مدارج حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید نے نہ صرف طے کیے بلکہ آپؒ اس راہ کے امام و پیشوا ہوئے اور ہزاروں افراد نے آپؒ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ دکھی انسانیت آپ کے پاس آتی اور اپنے دکھوں کا مداوا پاتی۔ بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ ہدایت کی رہنمائی کرنا گویا آپ کا مقصد زندگی تھا۔ آپ اس حدیث کے مصداق تھے کہ حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مثل ما بعثنی اللہ من الھدی و العلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضا، فکان منھا نقیۃ قبلت الماء، فانبت الکلاء و العشیب الکثیر و کانت منھا اجادب، اسکت الماء فنفع اللہ بھا لناس، فشربو و سقؤا و زرعوا، و اصابت منھا طائفۃ اخری، انما ھی قیعان لا تمسک ماء و لا تنبت کلاء، فذلک مثل من فقہ فی دین اللہ و نفعہ ما بعثنی اللہ بہ فعلم و علّم و مثل من لم یرفع بذلک راسا، و لم یقبل ھدی اللہ الذی ارسلتہ۔(98)

ترجمہ: اللہ نے جو مجھے ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے مینہ کثیر کسی زمین پر برسے۔ اس میں کچھ زمین اچھی ہو کہ وہ پانی سے سراب ہو اور اس نے گھاس اور سبزہ خوب لگایا، اور بعض زمین سخت (پتھریلی) تھی، اس نے پانی تھام لیا اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو فائدہ دیا کہ انہوں نے خود پیا اور (جانوروں کو) پلایا اور کاشت کی اور بعض ایسی زمین پر یہ مینہ برسا جو صاف چٹیل تھی نہ تو پانی کو اس نے تھاما، اور نہ اس نے گھاس اُگائی، یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے خدا کے دین میں سمجھ پیدا کی اور اللہ تعالیٰ نے جو مجھ کو دے کر بھیجا ہے اس سے اس کو فائدہ پہنچایا تو اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا، اور اس شخص کی مثال ہے جس نے سر اُٹھا کر توجہ بھی نہیں کی اور نہ اللہ تعالیٰ کی اس ہدایات کو قبول کیا جیسے لے کر میں آیا ہوں۔

علامہ طیبیؒ اس حدیث شریف کی تشریح میں لکھتے ہیں:

" کہ اعلی درجہ کا ہدایت یافتہ وہ شخص ہو گا کہ جس نے علم حاصل کر کے خود اس کے مطابق عمل کیا ہو اور دوسروں کو ہدایت کا راستہ بتایا ہو۔(99)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید بھی روز و شب امت اور افراد امت کو نفع پہنچانے اور ان کے لئے اصلاحی کوششیں کرنے میں منہمک رہتے۔ کوئی موقع ہو آپ ہر لمحہ لوگوں کو خیر کے کاموں کے نصائح فرماتے اوان کو گمراہی وضلال سے بچانے کی سعی فرماتے تھے لوگ پریشان ہو کر اپنے مسائل آپ کے پاس بھیجتے آپ ان کو کافی و شافی جواب مرحمت فرماتے تھے، آپ نے لوگوں کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی تو انہیں اصلاح بیعت کا مطلب و مفاہیم سے آگاہ فرمایا اور اس کے مقاصد بتائے۔

بیعت کی تعریف اور اہمیت:

ایک شخص نے حضرت اقدس لدھیانوی سے بیعت کی حقیقت اور کسی پیر کامل سے بیعت کرنا ضروری کے بارے میں سوال کیا آپ نے جواب میں تحریر فرمایا:

" بیعت کا مطلب ہے کہ کسی مرشد کامل متبع سنت کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کرنا اور آئندہ اس کی راہنمائی میں دین پر چلنے کا عہد کرنا۔ یہ صحیح ہے اور صحابہ کرامؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنا ثابت ہے جب تک کسی اللہ والے سے رابطہ نہ ہو، نفس کی اصلاح نہیں ہوتی اور دین پر چلنا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق تو ضروری ہے البتہ رسمی بیعت ضروری نہیں۔"(100)

حضرت اقدسؒ ایک سائل کو مرشد کامل کی صفات بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مرشد کامل وہ ہے جس میں مندرجہ ذیل باتیں موجود ہوں۔

ا۔ ضرورت کے موافق دین کا علم رکھتا ہو۔

۲۔اس کے عقائد، اعمال اور اخلاق شریعت کے مطابق ہوں۔

۳۔دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو۔

۴۔کسی مرشد کامل متبع سنت کی خدمت میں رہا ہو اور اس کی طرف سے بیعت لینے کی اجازت اسے حاصل ہو۔

۵۔اس زمانے کے عالم اور بزرگان دین اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہو۔

۶۔اس سے تعلق رکھنے والے سمجھ دار اور دین دار لوگ ہوں اور شریعت کے پابند ہوں۔

۷۔وہ اپنے مریدوں کی اصلاح کا خیال رکھتا ہو، اور ان سے کوئی شریعت کے خلاف کام ہو جائے تو اس پر روک ٹوک کرتا ہو۔

۸۔اس کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی محبت میں اضافہ ہو دنیا کی محبت کم ہو۔

جس شخص میں یہ صفات نہ ہوں۔ وہ مرشد بنانے کے لائق نہیں، بلکہ وہ دین و ایمان کا رہزن ہے اور اس سے پرہیز کرنا واجب ہے۔"(101)

مسند رشد وہدایت

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو دو بزرگ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ اور ڈاکٹر عبد الحئ عارفی رحمہ اللہ سے بیعت کی اجازت وخلافت حاصل تھی مگر حضرت میں عاجزی انکساری اور فنائیت اتنی زیادہ تھی کہ جب کوئی آپ کے پاس بیعت کے لئے آتا تو آپ خود بیعت نہ فرماتے بلکہ کسی دوسرے اکابر کی طرف رہنمائی فرمادیتے اور بیعت کے لئے آنے والوں کو فرماتے کہ: کیوں اپنی زندگی خراب کرتے ہو؟ اس ناکارہ سے بیعت کرنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ یہ حضرت کی فنائیت کی انتہا اور اخلاص کامل کی علامت تھی کہ جب انسان سلوک کی منازل طے کرتا ہوا سلوک کے مقام عروج پر پہنچتا ہے تو اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتا ہے۔ یہی کچھ حضرت شہید کے ساتھ تھا لیکن قطب العالم حضر

مولانا زکریاؒ کی وفات کے بعد آپ سے بیعت کا اصرار کرنے والوں کا اشتیاق اور شدت بڑھی تو آپ حضرت اقدسؒ نے بادل نخواستہ مجبور ہو کر بیعت کرنا شروع فرمایا تو علماء کرام، مشائخ اور عوام الناس کا ایک سیلاب اپنی اصلاح کے لئے آپ کی طرف متوجہ ہوا سب نے آپ ہی کا انتخاب کیا جو آپ کی زیارت کر لیتا یا ایک بار آپ کی مجلس میں شریک ہو جاتا وہ آپ کا مرید بن جاتا۔ مفتی جمیل خانؒ لکھتے ہیں:

" رفتہ رفتہ آپ پر تصوف کا رنگ اتنا غالب ہوا کہ تصنیف و تالیف اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے کام کے علاوہ زیادہ وقت مسند رشد وہدایت پر ہی صرف ہوتا۔"(102)

مریدین کی تعلیم وتربیت:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ اپنے مریدین کی اصلاح و تربیت کی بہت فکر کرتے، ان میں اتباع سنت کے جذبات پیدا کرتے اور دنیا سے بے رغبتی کی ترغیب دیتے، باہمی الفت و محبت کی طرف خصوصی توجہ فرماتے حضرت اقدس کے شاگرد رشید لکھتے ہیں:

" آپؒ کے اصلاح و ارشاد کا طریقہ بہت مفید و مؤثر تھا، سلوک و احسان کے سلسلے میں آپکی تعلیم وتربیت کے امتیازی پہلو یہ تھے:

۱۔ آپؒ اپنے مریدین و متوسلین میں شریعت کی عظمت واتباع کا جذبہ پیدا کرتے جو طریقت کے لئے بہت ضروری ہے۔

۲۔ محبت الٰہیہ اور عشق رسول سے دلوں کو معمور کرتے۔

۳۔ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی رغبت دلوں میں بٹھاتے۔

۴۔ اتباع سنت کو ہر چیز پر فوقیت دیتے۔

۵۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی رعایت کا بہت التزام کراتے۔

۶۔ قضا نمازوں، روزوں اور دیگر فرائض کے جلد ادا کرنے کا بہت اہتمام کراتے

۷۔ باطنی رزائل کے ازالے کی طرف بہت توجہ دیتے۔

۸۔ آپس میں لڑائی جھگڑا، باہمی توز کار اور طعن وتشنیع سے بچنے کی بطور خاص تلقین فرماتے۔

۹۔ عبادت کے ساتھ صفائی معاملات کو از بس ضروری سمجھتے۔

۱۰۔ اذکار و ظائف کی پابندی، تلاوت قرآن مجید، موقع بہ موقع مسنون دعاؤں کے پڑھنے کی بہت زیادہ تاکید فرماتے۔ شیخ سے رابطہ اور اتباع و اطلاع کو احسانی و سلوکی ترقی کے لئے اشد ضروری سمجھتے۔"(103)

حضرت شہیدؒ ہدایت کے متلاشی انسانوں کے لئے مشعل راہ تھے آپ نے اپنے نفوس قدسیہ سے ایسی قندیلیں روشن کیں جو بعد میں امت کے لئے ہادی ورہبر بنے۔ جن لوگوں نے آپ سے فیض روحانی پایا ان میں علماء اور عوام ہر دو طبقہ کے لوگ شامل ہیں۔

اخلاقیات کی ترغیب:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ اپنے منتسبین و متعلقین کو اخلاق کی درستگی کی بہت زیادہ ترغیب فرماتے تھے آپکی خواہش تھی کہ تمام مسلمان اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو کر اخلاق رذیلہ سے بچنے کی کوشش کریں مثلاً غیبت، جھوٹ تکبر، تحقیر اور تضحیک جیسے مہلک اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کریں۔ آپؒ نے ایک تعلق رکھنے والے کو غیبت سے متعلق فرمایا:

" غیبت کرنے والے سے اس کی نیکیاں لے کر جس کی غیبت کی گئی ہوں اس کو دلائی جائیں گی، اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں تو جس کی غیبت کی گئی اس کے گناہ غیبت کے بقدر اس پر ڈال دیئے جائیں گے، تمام حقوق العباد کا یہی مسئلہ ہے۔ الاّیہ کہ اللہ تعالیٰ صاحب حق کو اپنے پاس سے عطاء فرما کر اس سے معاف کرادیں تو ان کا فضل ہے۔"(104)

تکبر:

حضرت شہیدؒ تکبر کی وضاحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" تکبر کے معنی ہیں: کسی دینی یا دنیاوی کمال میں اپنے کو دوسروں سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسروں کو حقیر سمجھے۔ گویا تکبر کے دو جز ہیں۔ ا۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ۲۔ دوسروں کو حقیر سمجھنا

تکبر بہت ہی بری بیماری ہے، قرآن وحدیث میں اس کی اتنی برائی آتی ہے کہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آج ہم میں سے اکثریت اس بیماری میں مبتلا ہے اس کا علاج کسی ماہر روحانی طبیب سے باقاعدہ کرانا چاہیے۔"(105)

مذاق اُڑانا، تحقیر کرنا:

حضرت اقدسؒ مسلمان کی تکریم بحیثیت کلمہ گو ہونے کے بہت زیادہ فرماتے تھے آپ ہمیشہ اخوت اور بھائی چارگی کا درس دیتے، آپؒ کو یہ بات بہت شاق گذرتی کہ کسی مسلمان کا مذاق اڑایا جائے یا تحقیر کی جائیں اس سلسلے میں آپ ایک سائل کو جس نے معاشرتی مسائل میں روز مرہ ایک دوسرے کی غیبت تضحیک جو کیجاتی ہے اس متعلق دریافت کیا تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا:

" یہ تمام امور جو آپ نے ذکر کئے ہیں گناہ کبیرہ ہیں، کسی کا مذاق اڑانا، کسی کی تحقیر کرنا، کسی کو دوسروں سے لڑانا، کسی کی غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، جھوٹی قسم کھانا، اس قسم کے تمام امور نہایت سنگین ہیں اور ان سے معاشرے میں شر وفساد اور رنجشیں جنم لیتی ہیں، اسے لوگوں سے دوستانہ مراسم نہیں رکھنے چاہیے۔"(106)

رسومات کی اصلاح:

حضرت شہیدؒ کا ایک بہت اہم کارِ تجدیدی یہ تھا کہ آپؒ مسلمانوں میں رائج غیر مسلم ہندوؤں، عیسائیوں اور یہود کی رسومات کا سختی سے بائیکاٹ فرماتے تھے اور اپنے مریدین و متعلقین کو بھی ان رسومات کے فرسودہ، اور باطل ہونا آشکار فرمانے کے

ساتھ ساتھ ان کو بھی ان رسومات سے بچنے کی تلقین فرماتے تھے سالگرہ، نئے عیسوی سال کی آمد پر خوشی، شادی بیاہ میں ہندوانی رسومات کی سخت تردید فرماتے تھے آپؒ کے اس بے دریغ نکیر پر ہزاروں افراد نے ان غلط رسومات سے توبہ کی اور ان رسومات میں شرکت کرنے سے بھی بیزاری اختیار کی۔

بدعت سے بچانا:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کا یہ خاص وطیرہ تھا کہ آپ عوام الناس کو اتباع سنت کی طرف متوجہ فرماتے اور سنت کی اہمیت و فضیلت ان کے سینوں میں اجاگر فرماتے اس کے مقابل آپؒ بدعت سے بہت کراہت کرتے تھے، عوامی حلقہ جات میں آپ نے بدعت کے شنیع ہونے کو بار بار بیان کیا اور بدعات کی نشاندہی کر کے اپنے تمام متعلقین و منتسبین کو بچانے کی سعی مبارک کی۔ خاص کر آپ محرم الحرام کے مہینہ میں ماتمی جلوس اور ربیع الاول کے مہینہ میں جشن ولادت کے نام سے ہونے والی بدعات پر کھلے عام نکیر فرماتے تھے۔

غرض آپ نے عام مسلمانوں کی اصلاح کے لئے خوب جہد و جہد کی اور خود کو مشقت میں ڈال کر امت کی مسیحائی کی آپ صرف فردی اصلاح تک محدود نہ تھے بلکہ آپ انسانی زندگی کے اجتماعی نظام کی اصلاح کے بھی خواہاں تھے۔

خاندانی نظام کی اصلاح:

حضرت اقدسؒ گھریلوں اور خاندانی نظام میں اصلاحی پہلو پر بھی بہت توجہ دیتے تھے۔ جب آپ کے پاس کوئی شخص اس قسم کے معاملات لاتا تو آپ بہت ہی شفقت سے اصلاح اور حل فرماتے اور فریقین میں سے جس کی غلطی ہوتی اسے تنبیہ فرمانے کے ساتھ ساتھ دوسرے فریق کو سمجھاتے آپس کی ناچاکی کے دنیا و آخرت کے نقصان سے آگاہ فرماتے ایک خاتون نے اپنے شوہر کے پریشان کرنے عدم توجہ اور ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی شکایت کی آپ نے بڑے درد کے ساتھ ان خاتون کو اپنی بیٹی کی طرح جواب مرحمت فرمایا کہ ان باتوں پر عمل کر کے ہر پریشان اپنی زندگی خوش آئند کر سکتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

" شوہر کے ساتھ ناموافقت بڑا عذاب ہے۔ لیکن یہ عذاب آدمی اپنے اوپر خود مسلط کرلیتا ہے۔ خلاف طبع چیزیں تو پیش آتی رہتی ہیں۔ لیکن آدمی کو چاہیے کہ صبر و تحمل کے ساتھ خلاف طبع باتوں کو برداشت کرے۔ سب سے اچھا وظیفہ یہ ہے کہ خدمت کو اپنا نصب العین بنایا جائے۔ شوہر کی بات کو لوٹ کر جواب نہ دیا جائے۔ نہ کوئی چبھتی ہوئی بات کی جائے۔ اگر اپنی غلطی ہو تو اس کا اعتراف کر کے معافی مانگ لی جائے۔ الغرض خدمت و اطاعت، صبر و تحمل اور خوش اخلاقی سے بڑھ کر کوئی وظیفہ نہیں یہی عمل تسخیر ہے جس کے ذریعے شوہر کو رام کیا جاسکتا ہے۔ اس بڑھ کر کوئی عمل تسخیر مجھے معلوم نہیں، اگر بالفرض شوہر ساری عمر بھی سیدھا ہو کر نہ چلے تو بھی عورت کو دنیا و آخرت مین اپنی نیکی کا بدلہ دیر سویر ضرور ملے گا اور اس کے واقعات میرے سامنے ہیں۔ جو عورتیں شوہر کے سامنے تڑتڑ بولتی ہیں ان کی زندگی دنیا میں بھی جہنم ہے۔ آخرت کا عذاب تو ابھی آنے والا ہے۔"(107)

حضرت موصوفؒ صرف خواتین، بہو، بیٹیوں کو سمجھانے پر اکتفانہ کرتے تھے بلکہ جہاں ضرورت محسوس ہوتی تو آپ مرد کو بھی گھریلوں زندگی میں عورت کا خیال رکھنے کی تاکید فرماتے اور بعض دفعہ تو ایسا لگتا کہ آپ کا قلم عورت کے جذبات و عوارض کی ترجمانی کر رہا ہے۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کی شکایات کیں حضرتؒ نے جو جواب مرحمت فرمایا وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے ہم یہاں سوال وجواب دونوں ذکر کرتے ہیں:

سوال: میری شادی میری کزن سے ہوئی، شادی سے پہلے میں اپنی بیوی سے محبت کرتا تھا، اس کی وجہ صرف اور صرف اس کا باپردہ ہونا تھا۔ ہمارے درمیان شادی سے پہلے کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن شادی سے پہلے وہ بھی مجھے پسند کرتی تھی۔ یہ بات ہم دونوں جانتے تھے۔ شادی ہمارے والدین نے اپنی پسند اور خوشی سے طے کی تھی، شادی کے بعد جب میری بیوی گھر میں آئی تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ لیکن شادی کے بعد میری بیوی کا رویہ میرے ساتھ ایک محبت کرنے والی بیوی کا نہیں رہا، ہماری شادی کو سات سال ہونے والے ہیں۔ شادی کے بعد سے آج تک میری بیوی کا رویہ میرے ساتھ کبھی بھی ایک دوست، ایک محبت و الفت رکھنے والی بیوی کا نہیں رہا بلکہ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ میرے ساتھ کسی مجبوری میں رہ رہی ہے، اور اس کو مجھ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے، نہ میری کسی خوشی اور کسی غم میں اپنے دل اور چاہت کے ساتھ شریک ہوتیہے ہر انسان جب پریشان ہوتا ہے تو یہ چاہتا ہے کہ کم از کم اس کی بیوی اس کے غم اور

پریشانی میں اس کا ساتھ دے۔اور وہ گھر میں آئے تو اس کا خوش دلی سے استقبال کرے،میرے ساتھ معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے،بلکہ وہ تو میرے سلام کا بھی جواب نہیں دیتی،ہمارے درمیان کسی بھی قسم کی بات چیت نہ ہونے کے برابر ہے،وہ میرے تمام کام ایک مشین کی طرح انجام دیتی ہے اور جلد از جلد مجھ سے جان چھڑانا چاہتی ہے۔انسان شادی اس لئے کرتا ہے کہ جہاں اسے محبت کرنے ولا دوست ملے گا،وہاں اس سے اپنے تمام فطری تقاضے بھی پورے کر سکے گا ۔مری بیوی کی صحت اچھی ہے لیکن اس کے دل میں میرے لے محبت بالکل نہیں ہے،اگر جنسی خواہش نہ ہو تو انسان محبت سے تو پیش آسکتا ہے۔جناب مولانا صاحب!میری بیوی میرے ساتھ رہنا تو چاہتی ہے لیکن ایک بیوی کی طرح نہیں بلکہ خادمہ کی طرح۔میں حساس آدمی ہوں اور اس مسئلے پر بہت سوچتا ہوں،اور رات بھر جاگتا رہتا ہوں لیکن کوئی حل نظر نہیں آتا۔

جناب مولانا صاحب! میں خود پردے کا بڑا قائل ہوں،میں نے اپنی جائز اور حلال آمدنی سے اپنی بیوی اور بچوں کی ضرویات کا پورا خیال رکھا ہے۔اور خاص کر اپنی بیوی کی تمام جائز ضروریات بڑے اچھے طریقے سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔جناب کسی کو سمجھنے کے لئے سات سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے لیکن جب کسی کو آپ سے محبت ہی نہ ہو تو آپ کو کس طرح سمجھ میں آئیگا؟ اگر کوئی پریشانی ہو تو اس کے بارے میں بات کی جائے تو معلوم ہو کہ اس کو مجھ سے کیا تکلیف ہے؟ میں نے جب بھی اپنی بیوی سے معلوم کیا کہ تم کو میری ذات سے کوئی تکلیف یا شکایت ہے تو بتاؤ؟ اس کا ہر بار یہی جواب ہوتا ہے کہ آپ دوسری شادی کرلو۔ایک عورت خود سے کہے کہ تم دوسری شادی کرلو تو اس سے میں کیا سمجھو؟ جناب مولانا صاحب! سارا دن کاروباری مصروفیات کے بعد جب گھر پر آتا ہوں تو گھر آکر اپنی بیوی کے رویہ کی وجہ سے اب مین ذہنی طور پر کمزور ہوتا جارہاہوں۔جناب مولانا صاحب! شریعت کے حوالے سے میری رہنمائی فرمائیں اور مجھے کوئی وظیفہ بھی بتائیں کہ مجھے گھریلوں سکون نصیب ہو۔اور میری بیوی مجھ سے محبت کرنے لگے،اور اپنے بچوں پر بھی توجہ دے،میرے لئے پہلے آپ "استخارہ" بھی کریں اور دعا بھی کریں۔جناب مولانا صاحب! مجھے امید ہے کہ آپ اپنے بیٹے کی طرح میری راہنمائی فرمائیں گے اور جلد از جلد مجھے اس پریشانی کا کوئی حل بھی بتائیں گے۔

حضرتؒ جواب میں لکھتے ہیں:

''آپ نے اپنی چاہت کی شادی کی، اس کے باوجود وہ آپ کے بلند ترین ''معیار'' پر پوری نہیں اتری، اس پر قصور اس غریب کا نہیں بلکہ آنجناب کے بلند معیار کا ہے چونکہ وہ عورت ذات ہے آپ کے معیار کی بلندیوں کو چھونے سے قاصر ہے اس لیے آپ کو شکایت ہے اس مسکین کو کوئی شکایت نہیں اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے معیار کو ذرا نیچا کیجیے۔

۱۔ کون بیوی ہوگی جس کو اپنے میاں کے رنج و خوشی سے کوئی تعلق نہ ہو؟ مگر اس کا اظہار ہر شخص کے اپنے پیمانے سے ہوتا ہے۔ کوئی ڈھول کی طرح اظہار کرتا ہے۔ کوئی ہارمونیم کی نہایت ہلکی سی آواز میں اور کوئی سب کچھ اپنے نہاں خانہ دل میں چھپا لیتے ہیں کسی کو خبر ہی نہیں کہ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہے اب ہارمونیم کی نہایت خفیف اور سریلی آواز کو ڈھول کی آواز میں کیسے تبدیل کیا جائے۔

۲۔ آپ گھر تشریف لاتے ہیں تو آپ کا پرجوش استقبال نہیں ہوتا کچھ معلوم ہے کہ وہ بیچاری گھر گرستی سے کاموں میں کتنی مصروف رہی؟ ذرا ایک دن گھر کا چارج خود لے کر اس کر تجربہ کر لیجئے۔

۳۔ وہ آپ کے تمام کام مشین کی طرح انجام دیتی ہے اور چالو مشین کی آپ کے دل میں کوئی قدر و قیمت نہیں کھانا پکانے کے لئے خانساماں رکھیے، گھر کی صفائی وغیرہ کے لئے ایک خادمہ رکھیے، کپڑے دھونے کے لئے ایک لانڈری رکھیے، بچوں کی نگہداشت کے لئے ایک آیا رکھیے، اور گھر کی نگرانی کے لئے ایک چوکیدار مقرر کیجیے۔ ان تمام ملازمین کی فوج کے باوجود گھر کا نظم و نسق ایسا نہیں چلے گا جیسا کہ یہ مشین چلا رہی ہے لیکن آپ کے ذہنی معیار میں اس کی ان خدمات کی کوئی قیمت نہیں۔

۴۔ سات سال کا عرصہ واقعی بہت ہوتا ہے لیکن افسوس آپ نے اپنے بلند معیار کی بلندیوں سے نیچے اتر کر اپنی بیگم کے پوشیدہ کمالات کو جن کو حق تعالیٰ نے حیاء کی چادر سے ڈھانک رکھا ہے، کبھی جھانکا ہی نہیں، آپ کبھی عرش معلی سے نیچے اترتے تو اس فرشی مخلوق کو سمجھتے۔

۵۔ آپ چاہیں کتنی شادیاں رچالیں، جب تک اپنے ذہنی عرش معلی سے نیچے نہیں تشریف لائیں گے، نہ آپ کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ آئے گا، نہ آپ کو ذہنی تسکین ہوگی۔

۶۔ آپ کو کسی وظیفے یا کسی تعویز گنڈے کی ضرورت نہیں، البتہ کسی اللہ کے بندے کی صحبت میں رہ کر انسان بننے کی ضرورت ہے، جب آپ کی نگاہ جوہر شناس کھلے گی تب آپ کو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنی بڑی نعمت اس بیوی کی شکل میں دے رکھی ہے۔(108)

گھریلوں اصلاح کے لئے بے چین:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ ممتاز صوفی بزرگ، عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک معاشرتی فرد بھی تھے معاشرے میں انسانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کی خبر سن کر بے چین ہو جاتے تھے کہ جس طرح حدیث میں وارد ہے:

" **قال رسولﷺ : المو منون واحد ان اشتکی عینه اشتکی کله و ان اشتکی راسه اشتکی کله۔**"(109)

ترجمہ: رسول ﷺ نے فرمایا: سارے مؤمن ایک آدمی کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ کو کوئی تکلیف ہو تو اس کے تمام اعضاء کو تکلیف ہو جاتی ہے اور اگر اس کو سر میں درد ہو تا ہے تو بھی اس کے سارے بدن کو تکلیف ہو تی ہے۔(110)

بالکل اسی کے مصداق حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ جب کسی مظلوم پر ہونے والے ظلم کی داستان سنتے تو تڑپ کے رہ جاتے پھر وہ ظلم اگر صنف نازک عورت ذات پر ہو تو آپ بے چین ہو جاتے اور اپنی پوری کوشش اس ظلم کو دفع کرنے کے لئے صرف کرتے تھے۔ حضرتؒ کو کسی خاتون کے بارے میں لکھا گیا کہ اس کے شوہر نے انتہائی ظلم کر کے اسے آدھی رات کو گھر سے نکال دیا اور پھر کبھی خبر نہ لی آپ یہ تحریر پڑھتے ہی بے قرار ہو گئے اور قلم کو حرکت دے کر اس شرمناک داستان پر شوہر کے افعال پر شرعی گرفت فرمائی اور اسے آخرت کے عذاب سے خوف دلایا ملاحظہ کیجئے۔

" آدھی رات کو مار پیٹ کر اور گالم گلوچ کر کے گھر سے باہر پھینک دینا دور جاہلیت کی یادگار ہے، اسلام ایسے غیر انسانی اور ایسے غیر شریفانہ فعل کی اجازت نہیں دیتا

۲۔ عورت کو بغیر طلاق کے اس کے چار پانچ بچوں سمیت اس کے نانا کے گھر بٹھا دینا بھی اوپر کے درج کردہ شرعی حکم کے خلاف ہے۔

۳۔ عورت کے میکے والوں کی مصالحانہ کوشش کے باوجود نہ مصالحت کے لئے آمادہ ہونا، اور نہ طلاق دے کر فارغ کرنا بھی حکم شرعی کے خلاف ہے۔

۴۔ عورت کو دیا ہو مہر ضبط کرلینا اور اس کے جہیز کے سامان کو روک لینا بھی صریحاً ظلم و عدوان ہے حالانکہ دو تین سال بعد شوہر نے طلاق بھی دے دی، اس کے بعد اس کے مہر اور جہیز کو روکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

۵۔ بچے تو شوہر کے تھے اور ان کا نان نفقہ ان کے باپ کے ذمے تھا مگر طویل عرصے تک بچوں کی خبر تک نہ لینا، نہ ان کے ضروری خراجات کی کفالت اٹھانا بھی غیر انسانی فعل ہے یہ مظلوم عورت اگر عدالت سے رجوع نہیں کرنا چاہتی تو اس معاملے کو حق تعالیٰ کے سپرد کردے، اس سے بہتر انصاف کرنے والا کون ہے۔ حق تعالیٰ اس مظلومیت کا بدلہ قیامت کے دن دلائیں گے اور یہ غاصب اور ظالم دنیا میں بھی اپنے ظلم و عدوان کا خمیازہ بھگت کر جائیگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

"ان اللہ لیملی الظالم حتی اذا اخذہ لم یفلتہ۔"(111)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتے ہیں لیکن جب پکڑتے ہیں تو پھر چھوڑتے نہیں:

شوہر اگر زندہ ہو اور یہ تحریر اس کی نظر سے گزرے، تو میں اس کو مشورہ دوں گا کہ اس سے قبل کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا اس پر برسنا شروع ہو، اس کو ان مظالم کا تدراک کرلینا چاہیے۔(112)

اسلامی وضع قطع:

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ اپنے متعلقین اور متوسلین کو اسلامی وضع قطع اختیار کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے، اور حضرت اقدسؒ سے بیعت کرتے ہی مریدین میں سنت کا رنگ غالب آنے لگتا۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ کی

طرح بیعت کے لئے آپ کی شرائط سخت تھی اس کے باوجود لوگ آپ سے ارادت و بیعت کے لئے ٹوٹے پڑے رہتے ،بغیر داڑھی یا غیر شرعی داڑھی والے کو اس وقت تک بیعت نہ کرتے تھے جب تک کہ وہ توبہ کر کے داڑھی شریعت کے مطابق نہ کر لیتا۔ کالر والے لباس اور غیر شرعی لباس پہننے والے کو بیعت نہ کرتے، بلکہ ان لوگوں سے معانقہ تک سے اجتناب کرتے۔ کتنے ہی لوگوں کو دیکھا کہ آپ کی مجلس میں آئے ان کی داڑھی نہیں تھی آپ نے ان کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر شفقت و محبت سے داڑھی رکھنے کی تاکید فرماتے جس کا اثر یہ ہو تا کہ کچھ دنوں بعد وہ چہرہ داڑھی سے مزین ہو جاتا۔ یہ آپؒ کی کرامت ہی کا اثر تھا، کہ ہزاروں افراد نے آپؒ کے تسکین افزاء ہاتھوں کو اپنے گالوں پر محسوس کرنے اور آپ کے داڑھی رکھنے کی تاکید سے اپنے چہروں کو سنت کے نور سے مزین کیا۔

اصلاحی مجالس:

حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ نے ہفتہ وار اصلاحی مجلس کی ترتیب ہر جمعرات رکھی تھی۔ جس میں لاکھوں لوگوں نے شرکت کی اور آپ کے فیض روحانی سے مستفیض ہوئے، ہزاروں نے توبہ کی اور گناہوں کی زندگی کا رخ بدلا رشک خلائق ہوئے آپؒ کی مجلس عام طور پر اصلاحی عنوانات سے مزین ہوتی۔ اس طرح جمعہ کے بیانات بھی آپؒ کے عام اصلاحی موضوع ہوتے مگر آپ کے انداز ولہجہ میں وہ درد اخلاص، چاشنی اور مٹھاس ہوتی جس سے قریب و دور ہر سمت سے لوگ پروانہ وار آپ کا بیان سننے کے لئے کھنچے چلے آتے۔

آپ اپنی مجالس میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرتے اور لوگوں کو آخرت کی یاد دلاتے تھے آپؒ دنیا کو امتحان گاہ بتاتے اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کی کوئی حقیقت نہیں اس بات کو بڑے درد بھر انداز میں سمجھاتے تھے۔ کبھی اپنی مجلس میں ''محبت رسول'' کا تذکرہ فرماتے تو یوں لگتا جیسے کسی پہاڑ سے محبت کا آتش فشاں پھٹ پڑا جب آپ عشق نبی ،محبت رسول اور اس کے آداب ولوازمات بیان فرماتے تو عشق میں ڈوبی ہوئی تصویر معلوم ہوتے سامعین کے دلوں میں جو محبت رسول کی چنگاری ہوتی وہ آپ کی تقریر سے بھڑکتی ہوئی شمع کی صورت اختیار کر جاتی۔ کبھی آپ اپنی مجالس اسلام کی دوسری چیزوں کو بیان کرتے تھے اور غیبت، حسد، تکبر اور عجب جیسی بیماریوں کی مذمت اور ان بیماریوں سے بچنے کی

سبیل بتاتے، جس سے ایک خلق کثیر کو نفع ہوا آپ کے صوفیانہ اسرار رموز سے کئی گناہوں کی وجہ سے تاریک دل روشن ہوئے۔ اور نہ صرف روشن بلکہ وہ اوروں کو روشنی دینے کے قابل بنے۔

الغرض مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی عوام الناس کے لئے کی گئی اصلاحی خدمات آفتاب نصف النہار کی مانند روشن اور واضح ہیں جو یقیناً اسلام اور اہل اسلام کی تاریخ میں مشعل راہ اور مثالی ہیں۔

مصادر و مراجع

(1) دیان باطلہ اور صراط مستقیم، ص۱۳۱۔۱۳۲ مکتبہ بیت الاشاعت

(2) قادیانی عقائد ص۳ مصنف محمد متین خالد

(3) آئینہ قادیانیت مقدمہ ص۲۳ مصنف مولانا اللہ وسایا

(4) سوانح وافکاری محمد یوسف بنوری ص۲۹۱ مصنف اسماعیل شجاع

(5) تحریک ختم نبوت منزل بہ منزل ص۱۴۷ج دوم مصف اسماعیل شجاع

(6) تحفہ قادیانیت ص۱۳۔۱۴ جلد دوم

(7) تحفہ قادیانیت ص۱۸ جلد دوم

(8) مقالات بنوری، سوانح وافکار حضرت بنوری ص۳۸۰۔۳۷۹

(9) کتاب البریہ ص۳۵۰، روحانی خزائن ص۳۵۰ جلد ۱۳

(10) مجموعہ اشتہارات ص۹۔۱۰ جلد ۳

(11) مجموعہ اشتہارات ص۱۱ جلد ۳

(12) مجموعہ اشتہارات ص۱۱ جلد ۳

(13) تریاق القلوب ص۱۵ روحانی خزائن ص۱۵۶۔۱۵۵

(14) مجموعہ اشتہارات ص۱۱ جلد ۳

(15) شہادۃ القرآن ص "ج،و" روحانی خزائن ۳۸۰۔۳۸۱ جلد ۶

(16) اربعین نمبر ۴ ص۱۳ حاشیہ روحانی خزائن ص۴۴۳ جلد ۱۷

(17) مرزا قادیانی کیا ہے ص۱ طبع شدہ مرکز سراجیہ

(18) آئینہ قادیانیت ص۱۹۱

(19) تحریک ختم نبوت منزل بہ منزل ص۱۷ جلد ۲

(20) کتاب البریہ ص۱۵۹ بحوالہ تحریک ختم نبوت منزبہ منزل ص۱۷ جلد ۲

(21) روحانی خزائن ص۱۶۲۔۱۶۳ جلد ۱۳

(22) تریاق القلوب ص۳۵۱ بحوالہ مرزا قایانی کیا ہے

(23) کتاب البریہ حاشیہ ص۱۶۲۔۱۶۳ آئینہ قادیانیت ص۱۹۲

(24) سیرۃ المہدی، حصہ اول ص۴۳ روایت ۴۹ مصنف صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی

(25) آئینہ قادیانیت، ص۱۹۴

(26) تحریک ختم نبوت منزل بہ منزل ص۲۲ جلد ۲

(27) سوانح وافکار یوسف بنوری ص۳۷۹۔۳۷۸

(28) کتاب البریہ بر حاشیہ ص۱۸۳، روحانی خزائن جلد ۱۳ ص۲۰۱

(29) حیات احمد جلد دوم ص۱۹۲

(30) تذکرہ ص۱۲۹، مکتوب حضرت مسیح موعود مرزا مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۸۸۴

(31) روحانی خزائن ص۲۴۲ جلد ۳

(32) دافع البلاء ص۲۰، روحانی خزائن ص۲۴۰ جلد ۱۸

(33) ایک غلطی کا ازالہ ص۸، روحانی خزائن ص۲۱۲ جلد ۱۸

(34) اشتہار معیار الاخیار ص۳ مجموعہ اشتہارات جلد ۳ ص۲۷۰، تذکرہ ص۳۵۲

(35) حقیقۃ الوحی ص۱۰۱

(36) سیرۃ المہدی ص۶۷ جلد ۱

(37) سیرۃ المہدی ص ۲۲_۲۱ جلد ۳

(38) سیرۃ المہدی ص ۱۸۰ جلد ۱

(39) سیرۃ المہدی ص ۲۴۴ جلد ۱

(40) سیرۃ المہدی ص ۶۷ جلد ۱ روایت ۸۳

(41) ملفوظات ص ۴۴۵ جلد ۸

(42) مکتوبات جلد ۵ ص ۱۳۱ نمبر ۳

(43) تریاق القلوب ص ۴۲، روحانی خزائن ص ۲۱۸ جلد ۱۵

(44) خطبہ مرزا محمود مندرجہ اخبار الفضل ۳۱ اگست ۱۹۳۸

(45) سیرت المہدی ص ۲۱۰ جلد ۳ روایت ۷۸۰

(46) براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۷، روحانی خزائن ص ۹ جلد ۲۱

(47) اربعین نمبر ۲ ص ۳۹، اربعین نمبر ۳ ص ۴۳

(48) اربعین نمبر ۳ ص ۲۰_۲۱

(49) کشتی نوح ص ۹

(50) شہادۃ القران ص ۴۱

(51) کشتی نوح ص ۸۷

(52) دافع البلاء ص ۳۴

(53) بخاری جلد ۱ ص ۵۲۶

(54) سیرۃ المہدی ص ۲۶۱ جلد ۱ روایت ۲۷۲

(55) آئینہ کمالات اسلام ص ۶۰۷ خزائن جلد ۵ ص ۶۰۷

(56) سیرت المہدی حصہ اول ۱۸۳_۱۸۲

(57) سیرت المہدی ص ۱ جلد ۳ روایت ۵۶۹

(58) خطوط امام بنام غلام ص ۵ کالم ۱

(59) سیرت المہدی حصہ دوم ص ۱۳۷ روایت ۴۴۴

(60) کتاب البریہ ص ۴، روحانی خزائن ص ۴ جلد ۱۳

(61) کشتی نوح ص ۴۷، روحانی خزائن ص ۵۰ جلد ۱۹

(62) انوار اسلام ص ۳۰، روحانی خزائن ص ۳۱ جلد ۹

(63) نجم الہدی ص ۵۳، روحانی خزائن ص ۳۱ جلد ۹

(64) آئینہ قادیانیت ص ۲۱۶

(65) تحریک ختم نبوت منزل بہ منزل ص ۱۴۹ جلد ۲

(66) بیس بڑے مسلمان ص ۱۸ طبع سوم

(67) فتاوی قادریہ ص ۳ بحوالہ تحریک ختم نبوت جلد ۱ ص ۳۴

(68) فتاوی محمودیہ جلد ۲ ص ۱۱۶

(69) احسن الفتاوی ص ۴۶ جلد ۱

(70) آپکے مسائل اور انکا حل ص ۲۷۶ جلد ۱

(71) فتاوی خلیلیہ جلد ۱ ص ۴۵۷_۴۵۸

(72) پاکستان کے خلاف قادیانی سازشیں ص ۴_۵

(73) ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور جلد ۳۷ شمارہ ۳۱_۳۲ اگست ۷ تا ۱۳ سن ۱۹۸۴

(74) ربوہ سے تل ابیب تک، شامل تحفہ قادیانیت جلد ۵ ص ۳۰۴

(75)تحفہ قادیانیت جلد ۵ ص ۳۰۵

(76)فتنہ قادیانیت اور پیام اقبال، تحفہ قادیانیت ص ۱۴۴۔۱۴۳ جلد ۵

(77)۱۹۵۳ کی تحریک ختم نبوت ص ۱۱

(78)تحریک ختم نبوت منزل بہ منزل ص ۷

(79)سوانح وافکار حضرت بنوری ص ۷۴

(80)تذکرہ شہید اسلام ص ۱۵۳

(81)سوانح وافکار حضرت بنوی ص ۵۴

(82)تحریک ختم نبوت ۱۹۸۴ ص ۳۳ مصنف مولانا عبداللہ معتصم

(83)تحریک ختم نبوت ۱۹۸۴ ص ۳۴

(84)بینات حضرت شہید نمبر ص ۵۰۷

(85)بینات حضرت شہید نمبر ص ۶۱۷

(86)تذکرہ شہید اسلام ص ۱۶۸

(87)تذکرہ شہید اسلام ص ۱۷۳۔۱۷۴

(88)بینات لدھیانوی شہید نمبر ص

(89)القرآن سورہ نساء ۱۴۱

(90)القرآن سورہ الحج ۴۱

(91)شعب الایمان للبیہقی جلد ۶ ص ۱۰

(92)احسن یوسف جلد ۱ ص ۹۔۱۰

(93)حسن یوسف ص ۱۱

(94)ماہنامہ بینات شعبان المعظم ۱۳۹۸

(95)ماہنامہ بینات رجب ۱۴۱۵

(96)بینات، رجب ۱۴۱۵

(97)حسن یوسف جلد ۱ ص ۴۸۵

(98)بخاری باب فضل من علم وعلّم حدیث نمبر ۷۹

(99)کشف الباری جلد ۳ ص ۴۲۷

(100) آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۷ ص ۳۲۱

(101) آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۷ ص ۳۲۵

(102)تذکرہ شہید اسلام ص ۱۳۵

(103)تذکرہ شہید اسلام ص ۱۲۶

(104) آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۸ ص ۸۸

(105) آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۸ ص ۹۱

(106) آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۸ ص ۸۹

(107) آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۷ ص ۳۶۴

(108) آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۷ ص ۳۶۸۔۳۷۱

(109)مشکوۃ ص ۴۲۲ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق

(110)روضۃ الطالبین ص ۹۷ مصنف مولانا حسین صدیقی

(111)متفق علیہ، مشکوۃ ص ۴۳۵

(112) آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۷ ص ۳۶۷۔۳۶۸